

# محاضراتِ علمیه

بر موضوع

## رضا خانیت

(تعارف و تعاقب)

پیش کردہ

حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری

استاذ حدیث و فقہ و مرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

شائع کردہ

دفتر محاضراتِ علمیه دارالعلوم دیوبند

محاضراتِ علمیہ

بر موضوع

رضا خانیت

(تعارف و تعاقب)

پیش کردہ

حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالسن پورمی

استاذ حدیث و فقہ و مرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

شائع کردہ

دفتر محاضرات دارالعلوم دیوبند

جملہ حقوق بحق دارالعلوم دیوبند محفوظ ہیں

نام کتاب

رضا خانیت

(تعارف و تعاقب)

پیش کردہ

حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری  
استاذ حدیث و فقہ و مرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

تعداد صفحات : ۲۴۰

سن اشاعت : 2015

شائع کردہ

دفتر محاضرات علمیہ دارالعلوم دیوبند

ملنے کا پتہ

مکتبہ دارالعلوم دیوبند

## فہرستِ مضامین

### پہلا محاضرہ: رضا خانیت کا تعارف

- ❁ ..... انبیائے کرام کے دشمن ..... ۱۳
- ❁ ..... ادیانِ سابقہ اور دینِ اسلام میں فرق ..... ۱۵
- ❁ ..... رسوم و بدعات رائج ہونے کے اسباب ..... ۱۶
- ❁ ..... دارالعلوم دیوبند کے قیام سے پہلے رسوم و بدعات کی اصلاح کے  
..... سلسلہ میں کام کرنے والے ممتاز حضرات ..... ۱۹
- ❁ ..... تقویۃ الایمان کے خلاف پروپیگنڈہ ..... ۲۱
- ❁ ..... اکابر دیوبند کے خلاف پروپیگنڈہ ..... ۲۲
- ❁ ..... پروپیگنڈے کا مقصد ..... ۲۲
- ❁ ..... خاں صاحب کے کچھ حالات ..... ۲۳
- ❁ ..... خاں صاحب کی تیز مزاجی اور دشنام طرازی ..... ۲۵
- ❁ ..... خاں صاحب کی تکفیری مہم کی مفصل تاریخ ..... ۲۶
- ❁ ..... انجمن ندوۃ العلماء کے خلاف خاں صاحب کی جنگ ..... ۲۶
- ❁ ..... ندوۃ العلماء کے بعد اکابر علمائے دیوبند پر نظرِ عنایت ..... ۲۷
- ❁ ..... صرف نظر کا فیصلہ ..... ۲۹

- ✽ ۳۰ ..... خاں صاحب کی فریب کاری اور ”حسام الحرمین“ کا فتنہ
- ✽ ۳۱ ..... اکابر علمائے دیوبند کی طرف سے مدافعت اور جواب کا فیصلہ
- ✽ ۳۳ ..... خاں صاحب: شریف مکہ کی عدالت میں
- ✽ ۳۷ ..... فرنگی محل اور بدایونی علماء کی باری
- ✽ ۳۸ ..... خاں صاحب کے بعد ان کی ذریت کا رویہ
- ✽ ..... خاں صاحب کے زمانہ میں ہندوستان کے حالات اور خاں صاحب کی انگریز دوستی
- ✽ ۳۸ ..... خاں صاحب کا وصال
- ✽ ۳۹ ..... خاں صاحب کی تصانیف کا تعارف
- ✽ ۴۰ ..... سلسلہ رضا خانیت کی اہم شخصیات کا تعارف
- ✽ ۴۲ ..... مولوی نعیم الدین مراد آبادی
- ✽ ۴۲ ..... مولوی امجد علی اعظم گڑھی
- ✽ ۴۵ ..... مولوی حشمت علی پہلی بھیتی
- ✽ ۴۵ ..... مفتی احمد یار خاں نعیمی بدایونی
- ✽ ۴۶ ..... رضا خانیت و بریلویت
- ✽ ۴۶ ..... رضا خانیت کی تردید میں کام کرنے والے حضرات
- ✽ ۴۷ ..... قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ
- ✽ ۴۷ ..... شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ
- ✽ ۴۹ ..... حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ
- ✽ ۵۰ ..... حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ
- ✽ ۵۱ ..... حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری رحمہ اللہ تعالیٰ
- ✽ ۵۱ ..... شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ

- ۵۲ ..... حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ
- ۵۲ ..... حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ
- ۵۳ ..... رضا خانیت کے رد میں اہم کتابیں

## دوسرا محاضرہ: سنت و بدعت کی پہچان

- ۵۵ ..... قیام دارالعلوم کے وقت ہندوستان کا عمومی ماحول
- ۵۷ ..... احیائے سنت اور حضرت گنگوہی قدس سرہ
- ۵۸ ..... پہلی امتیازی شان
- ۶۱ ..... دوسری امتیازی شان
- ۶۲ ..... احیائے سنت اور اکابرین دارالعلوم دیوبند
- ۶۳ ..... بدعت کے اسباب اور علماء کی ذمہ داریاں
- ۶۴ ..... پہلا سبب: جہالت
- ۶۴ ..... دوسرا سبب: غیروں کی تقلید
- ۶۵ ..... تیسرا سبب: شہرت پسندی
- ۶۵ ..... چوتھا سبب: مُدَاہَنَت
- ۶۶ ..... پانچواں سبب: اتباع ہوی
- ۶۶ ..... سنت و بدعت کی بحث
- ۷۱ ..... بدعت کی قباحت کی وجوہ
- ۷۱ ..... پہلی وجہ
- ۷۲ ..... دوسری وجہ
- ۷۲ ..... تیسری وجہ
- ۷۳ ..... چوتھی وجہ

۷۴	.....	سنت و بدعت کی تعریفات
۷۴	.....	سنت کے لغوی معنی
۷۶	.....	سنت کے اصطلاحی معنی
۸۱	.....	بدعت کے لغوی معنی
۸۲	.....	بدعت کے اصطلاحی معنی
۸۵	.....	لفظ بدعت کا استعمال
۸۷	.....	بدعت اعتقادی اور بدعت عملی
۸۷	.....	بدعت حقیقی اور بدعت اضافی
۸۸	.....	بدعات کو پہچاننے کے اصول

### تیسرا محاضرہ: علم غیب، حاضر و ناظر اور نور و بشر کا مسئلہ

۹۱	.....	علم غیب کا مسئلہ
۹۲	.....	غیب کی تعریف
۹۲	.....	غیب کی تعریف پر ایک شبہ اور اس کا جواب
۹۳	.....	مغیبات کے جاننے کی چار قسمیں اور ان کے احکام
۹۴	.....	تمام قسموں کی مختصر وضاحت
۹۴	.....	علم ذاتی
۹۵	.....	علم عطائی محیط عام
۹۶	.....	علم عطائی محیط خاص
۹۶	.....	علم عطائی غیر محیط
۹۶	.....	مدعیان علم غیب کے دلائل
۹۶	.....	پہلی دلیل اور اس کا جواب

- ۹۷ ..... دوسری دلیل اور اس کا جواب ❁
- ۹۸ ..... تیسری دلیل اور اس کا جواب ❁
- ۱۰۰ ..... مدعیانِ علمِ غیب کا احادیث سے استدلال ❁
- ۱۰۰ ..... پہلی حدیث ..... ❁
- ۱۰۱ ..... دوسری حدیث ..... ❁
- ۱۰۱ ..... تیسری حدیث ..... ❁
- ۱۰۲ ..... چوتھی حدیث ..... ❁
- ۱۰۲ ..... پانچویں حدیث ..... ❁
- ۱۰۳ ..... احادیث سے استدلال کا الزامی جواب ..... ❁
- ۱۰۳ ..... احادیث سے استدلال کا تحقیقی جواب ..... ❁
- ۱۰۶ ..... اہل سنت کا عقیدہ اور دلائل ..... ❁
- ۱۰۸ ..... ایک شبہ اور اس کا جواب ..... ❁
- ۱۰۹ ..... رضا خانی تاویلات ..... ❁
- ۱۱۱ ..... رضا خانی تاویلات کا جواب ..... ❁
- ۱۱۲ ..... ملا علی قاری کا مسلک ..... ❁
- ۱۱۶ ..... حاضر و ناظر کا مسئلہ ..... ❁
- ۱۱۶ ..... حاضر و ناظر کے معنی ..... ❁
- ۱۱۷ ..... اہل سنت کا عقیدہ ..... ❁
- ۱۱۷ ..... رضا خانی عقیدہ ..... ❁
- ۱۱۸ ..... رضا خانیوں کے دلائل ..... ❁
- ۱۱۸ ..... پہلی دلیل اور اس کا جواب ..... ❁
- ۱۱۹ ..... دوسری دلیل اور اس کا جواب ..... ❁



- ۱۲۲ ..... احادیث سے استدلال اور اس کا جواب ❖  
 ۱۲۳ ..... اہل حق کے دلائل و براہین ..... ❖  
 ۱۲۴ ..... رضا خانیوں کی تاویلِ باطل ..... ❖  
 ۱۲۵ ..... نور و بشر کا مسئلہ ..... ❖

### چوتھا محاضرہ: مختار کل کا مسئلہ اور اعمالِ شرکیہ

- ۱۲۹ ..... توحید کی تعریف ..... ❖  
 ۱۲۹ ..... شرک کی تعریف ..... ❖  
 ۱۳۰ ..... مشرکین کی قسمیں ..... ❖  
 ۱۳۱ ..... شرک کی مختلف شکلیں ..... ❖  
 ۱۳۲ ..... پہلی شکل ..... ❖  
 ۱۳۲ ..... دوسری شکل ..... ❖  
 ۱۳۳ ..... تیسری شکل ..... ❖  
 ۱۳۳ ..... چوتھی شکل ..... ❖  
 ۱۳۴ ..... نبی اور مجتہد شارح نہیں ہوتے ..... ❖  
 ۱۳۴ ..... پانچویں شکل ..... ❖  
 ۱۳۵ ..... چھٹی شکل ..... ❖  
 ۱۳۵ ..... ساتویں شکل ..... ❖  
 ۱۳۵ ..... آٹھویں شکل ..... ❖  
 ۱۳۶ ..... شرک کے اسباب ..... ❖  
 ۱۳۷ ..... وارثینِ انبیاء کی ذمہ داری ..... ❖  
 ۱۳۸ ..... مختار کل کا مسئلہ ..... ❖

- ۱۳۹ ..... رضا خانی عقیدہ ❖
- ۱۴۰ ..... اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ❖
- ۱۴۱ ..... غیر اللہ سے مدد طلب کرنا ❖
- ۱۴۳ ..... غیر اللہ کو پکارنے کی پانچ صورتیں اور ان کے احکام ❖
- ۱۴۳ ..... پہلی صورت اور اس کا حکم ❖
- ۱۴۳ ..... دوسری صورت اور اس کا حکم ❖
- ۱۴۴ ..... تیسری صورت اور اس کا حکم ❖
- ۱۴۵ ..... چوتھی صورت اور اس کا حکم ❖
- ۱۴۵ ..... پانچویں صورت اور اس کا حکم ❖
- ۱۴۵ ..... غیر اللہ کے نام کا ورد کرنا ❖
- ۱۴۶ ..... قبروں کا طواف اور سجدہ وغیرہ کرنا ❖
- ۱۴۸ ..... قبروں پر چڑھاوے چڑھانا ❖
- ۱۵۱ ..... کفر کا حکم لگانے میں احتیاط ❖

## پانچواں محاضرہ: عملی بدعات

- ۱۵۵ ..... سیرت طیبہ سے استفادہ کے دو طریقے ❖
- ۱۵۶ ..... محفل میلاد کی تاریخ ❖
- ۱۵۸ ..... میلاد مروّجہ ❖
- ۱۵۸ ..... میلاد مروّجہ کا حکم ❖
- ۱۵۹ ..... ایصالِ ثواب کے لیے ربیع الاول کی تعیین بدعت ہے ❖
- ۱۶۰ ..... قیام میلادی کا حکم ❖
- ۱۶۱ ..... مروّجہ عرس بھی بدعت ہے ❖

- ۱۶۳ ..... پختہ مزارات بنانا اور ان پر گنبد تعمیر کرنا
- ۱۶۴ ..... قبروں پر چراغاں کرنا
- ۱۶۵ ..... مزاروں پر پھول ڈالنا اور چادریں چڑھانا
- ۱۶۸ ..... گیارہویں کا کھانا
- ۱۷۰ ..... گیارہویں کا جشن
- ۱۷۰ ..... کھانے پر فاتحہ
- ۱۷۲ ..... تہجا، ساتواں اور چالیسواں کرنا
- ۱۷۳ ..... نماز جنازہ کے بعد دعا
- ۱۷۴ ..... رضا خانی مغالطہ اور اس کا حکم
- ۱۷۶ ..... جنازہ کے ہمراہ ذکر کرنا
- ۱۷۷ ..... قبر پر اذان دینا
- ۱۷۹ ..... اذان کے وقت انگوٹھے چومنا
- ۱۷۹ ..... نمازوں کے بعد مصافحہ کرنا
- ۱۸۱ ..... نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا
- ۱۸۲ ..... نوافل کے بعد اجتماعی دعا کرنا

### چھٹا محاضرہ: عباراتِ اکابر

- ۱۸۶ ..... حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ پر بہتان
- ..... پہلا بہتان کہ شاہ صاحب آنحضرت ﷺ کا مرتبہ صرف بڑے بھائی جیسا تسلیم کرتے ہیں
- ۱۸۶ ..... جواب
- ۱۸۸ ..... دوسرا بہتان کہ آنحضرت ﷺ مر کر مٹی ہو گئے

- ۱۸۹ ..... جواب ❁
- ❁ تیسرا بہتان کہ شاہ صاحب نے حضرات انبیاء و اولیاء کو چوہڑے چمار
- ۱۹۱ ..... کہا ہے
- ۱۹۲ ..... جواب ❁
- ۱۹۳ ..... ایک اہم ضابطہ ❁
- ❁ چوتھا بہتان کہ شاہ صاحب نے تمام انبیاء و اولیاء کو چمار سے بھی زیادہ
- ۱۹۴ ..... ذلیل کہا ہے
- ۱۹۵ ..... جواب ❁
- ❁ پانچواں بہتان کہ نماز میں آنحضرت ﷺ کی طرف خیال لے جانا
- ۱۹۶ ..... گدھے اور نیل کے خیال سے بدرجہا بدتر ہے
- ۱۹۷ ..... تمہید جواب ❁
- ۱۹۹ ..... جواب ❁
- ۲۰۱ ..... حضرت نانو توی قدس سرہ پر بہتان ❁
- ۲۰۲ ..... پہلا بہتان کہ آپ ختم نبوت زمانی کے منکر ہیں ❁
- ۲۰۳ ..... تمہید جواب ❁
- ۲۰۴ ..... ختم نبوت رتبی کا مطلب ❁
- ۲۰۴ ..... ختم نبوت زمانی کا مطلب ❁
- ۲۰۴ ..... ختم نبوت مکانی کا مطلب ❁
- ۲۰۸ ..... بہتان کا جواب ❁
- ۲۱۱ ..... خاں صاحب کی خیانت ❁
- ۲۱۲ ..... دوسرا بہتان کہ اعمال میں امتی انبیاء کرام علیہم السلام سے بڑھ جاتے ہیں ❁
- ۲۱۳ ..... جواب ❁

- ۲۱۴ \* حضرت گنگوہی قدس سرہ پر بہتان کہ معاذ اللہ! وہ خدا کو جھوٹا مانتے ہیں
- ۲۱۴ \* جواب .....
- ۲۱۶ \* امکان کذب اور امکان نظیر کی مختصر وضاحت .....
- ۲۱۷ \* حضرت سہارنپوریؒ پر بہتان کہ معاذ اللہ! ان کے نزدیک شیطان کا علم
- ۲۱۷ \* آنحضرت ﷺ کے علم سے زیادہ ہے .....
- ۲۱۷ \* تمہید جواب .....
- ۲۱۹ \* تحقیقی جواب .....
- ۲۲۲ \* مسکت جواب .....
- ۲۲۵ \* ایک وسوسہ کا ازالہ .....
- ۲۲۷ \* حضرت تھانویؒ پر بہتان .....
- ۲۲۷ \* پہلا بہتان کہ معاذ اللہ! ان کے نزدیک غیب کی باتوں کا جیسا علم رسول اکرم
- ۲۲۷ \* کو ہے ایسا تو ہر بچہ اور پاگل؛ بلکہ ہر حیوان اور چوپائے کو بھی حاصل ہے
- ۲۲۸ \* جواب .....
- ۲۲۸ \* دوسرا بہتان کہ حضرت تھانوی نبوت کے دعویدار ہیں اور ان کے مرید
- ۲۳۱ \* ان کا کلمہ پڑھتے ہیں اور ان پر درود بھیجتے ہیں .....
- ۲۳۲ \* تمہید جواب .....
- ۲۳۵ \* جواب .....
- ۲۳۸ \* کسی مسلمان کو کافر کہنے کا انجام .....
- ۲۴۰ \* اجمالی فہرست مضامین .....



# پہلا محاضرہ

(رضا خانیت کا تعارف)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## انبیائے کرام کے دشمن

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلٰى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ، وَ الصَّلٰةَ وَالسَّلَامَ عَلٰى رَسُوْلِهِ الَّذِيْ بُعِثَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيْرًا وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَعُلَمَآءِ اُمَّتِهٖ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلَى يَوْمِ لِقَايَهٗ اَمَّا بَعْدُ!

انسانی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت سے پہلے جب بھی لوگوں میں عملی اور اعتقادی گمراہی پھیلی تو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت اور اصلاح کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، مگر اللہ کے پیغمبر جب بھی ہدایت کا پیغام لے کر اس دنیا میں آئے تو شیاطین الانس والجن نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ لوگ نہ ان کی بات مانیں نہ ہدایت قبول کریں؛ بلکہ کفر و شرک کے دلدل میں پھنسے رہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيْطٰنِ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِيْ

بَعْضُهُمْ اِلَى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۗ ﴾ (سورۃ انعام، آیت: ۱۱۲)

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیاطین انسانوں میں سے اور

جنات میں سے بنائے جن میں سے بعض بعض کے دلوں میں چکنی چڑی باتوں کا دوسوہ ڈالتے رہتے تھے؛ تاکہ ان کو دھوکا میں ڈالیں۔

لیکن جب اللہ جل شانہ کی توفیق سے کچھ لوگ ایمان لے آئے تو شیاطین نے دو بارہ کوشش کی کہ ان کو ہدایت کے بعد گمراہی کے جال میں پھنسا دیں، یہود و نصاریٰ اور دوسری بگڑی ہوئی امتوں کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مبعوث فرمایا تو اولاً شیاطین الانس والجن نے کوشش کی کہ کوئی آپ ﷺ کی بات نہ مانے اور نہ کوئی ایمان لائے، مگر اللہ جل شانہ کی طرف سے حضور اکرم ﷺ کے ذریعہ نورِ تو حید کا پھیلنا مقدر ہو چکا تھا، سورہ صف میں ہے:

﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ  
هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ  
وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾ (سورہ صف، آیت: ۸-۹)

ترجمہ: دشمنانِ اسلام چاہتے ہیں کہ نورِ الہی کو اپنی پھونکوں سے بجھادیں، مگر اللہ تعالیٰ اپنی روشنی مکمل فرما کر رہیں گے خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو، اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا ہے؛ تاکہ وہ اس کو تمام ادیانِ باطلہ پر غالب کر دیں خواہ مشرکوں کو کتنا ہی برا معلوم ہو۔

اس لیے تھوڑے ہی عرصہ میں پورے جزیرہ العرب میں اور اس کے بعد دنیا کے دوسرے حصوں میں آپ کا لایا ہوا دینِ حق پھیل گیا، اور بندگانِ خدا کی بڑی تعداد نے کفر و شرک چھوڑ کر آپ کی دعوت پر دینِ حق کو قبول کر لیا، تو شیاطین الانس والجن نے پینتر ابدل کر محنت شروع کی؛ تاکہ آپ کی امت کو ایمان و تقویٰ کے راستے سے ہٹا کر الحاد و شرک اور فسق و فجور کی گھنگھور گھاٹیوں میں پہنچادیں، اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوئے، جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کی پیشین گوئی ہے کہ آپ کی امت کے کچھ لوگ اگلی امتوں کی طرح گمراہی کے جال میں پھنستے رہیں گے، حدیث کی اکثر کتابوں میں حضور اکرم ﷺ

کا یہ ارشاد مروی ہے :

لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شَبْرًا بِشَبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ .

(مشکاۃ المصابیح، ص: ۲۵۸)

جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی امت کے کچھ لوگ گزشتہ امتوں کی بالکل قدم بہ قدم پیروی کریں گے، یعنی جو گمراہی اور بد اعمالیاں یہود و نصاریٰ وغیرہ گمراہ امتوں نے اپنائی ہیں آپ کی امت کے بھی کچھ لوگ ضرور ان کو اپنائیں گے۔

### ادیان سابقہ اور دین اسلام میں فرق

لیکن ادیان سابقہ اور دین اسلام میں دو اعتبار سے فرق ہے — پہلا فرق یہ ہے کہ خاتم النبیین ﷺ سے پہلے چوں کہ سلسلہ نبوت ختم نہیں ہوا تھا اس لیے انبیائے کرام علیہم السلام وقتاً فوقتاً مبعوث ہو کر امم سابقہ کی اصلاح و رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے رہتے تھے، اور اخبار و علماء ان کا تعاون کرتے تھے؛ لیکن خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت پر چوں کہ سلسلہ نبوت ختم ہو چکا ہے؛ اس لیے امت کی اصلاح کی پوری ذمہ داری وارثین انبیاء اور مجددین امت پر ڈالی گئی ہے، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

يَحْمِلُ هَذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلْفٍ عُدُولُهُ يَنْفُونَ عَنْهُ تَحْرِيفَ الْغَالِينَ وَ

اِنْتِحَالَ الْمُبْطِلِينَ وَتَاوِيلَ الْجَاهِلِينَ . (مشکاۃ المصابیح، ص: ۳۶)

ترجمہ: ہر آئندہ نسل میں سے اس علم کے حامل ایسے عادل لوگ ہوتے رہیں گے جو اس سے غلو کرنے والوں کی تحریف، باطل پرستوں کے غلط انتساب اور جاہلوں کی تاویل کو دور کرتے رہیں گے۔

نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَبْعَثُ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ

لَهَا دِينَهَا . (حوالہ سابقہ)

ترجمہ: اللہ جل شانہ ضرور اس امت کے لیے ہر سو (۱۰۰) سال پر ایسے شخص



کو مبعوث فرماتے رہیں گے جو امت کے سامنے ان کا دین نکھار کر پیش کرے گا۔  
اور دوسرا فرق یہ ہے کہ ادیان سابقہ کی حفاظت کی ذمہ داری علماء اور احبار پر ڈالی گئی تھی، جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَ نُورٌ يُحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا  
لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا  
عَلَيْهِ شُهَدَاءَ﴾ (سورہ مائدہ، آیت: ۴۴)

ترجمہ: ہم نے تورات نازل فرمائی تھی جس میں ہدایت اور روشنی تھی، انبیاء جو کہ اللہ کے فرمانبردار تھے اس کے موافق یہود کو حکم دیا کرتے تھے اور اہل اللہ اور علماء بھی اس وجہ سے کہ ان کو اس کتاب (تورات) کی نگہداشت کا حکم دیا گیا تھا اور وہی اس کتاب پر گواہ بھی تھے۔  
اس لیے جب تک علماء اور احبار نے اپنی ذمہ داری محسوس کی؛ ادیان سابقہ محفوظ رہے، اور جب دنیا پرست علماء اور احبار کا غلبہ ہوا تو اللہ کی کتاب میں تحریف ہو کر تمام ادیان سابقہ مسخ ہو گئے۔ اور دین اسلام کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ جل شانہ نے اپنے فضل و کرم سے خود لی ہے؛ چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (سورہ حجر، آیت: ۹)

ترجمہ: بے شک ہم نے قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ اور نگہبان ہیں۔  
اس لیے بحمد اللہ اس کا تو اطمینان اور پورا یقین ہے کہ اہل باطل اس دین کے حسین چہرے کو مسخ کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے، اور قیامت تک یہ دین محمدی اپنی اصلی شکل و صورت میں باقی رہے گا؛ البتہ ایسا ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا کہ اہل باطل نئی نئی رسمیں اور بدعتیں ایجاد کر کے نہ صرف اپنی شقاوت میں اضافہ کریں گے؛ بلکہ بہت سے جاہلوں کی گمراہی کا سبب بھی بنیں گے۔

## رسوم و بدعات رائج ہونے کے اسباب

یہاں یہ بات جان لینی چاہیے کہ تمدن و معاشرت کا ایک فطری اصول ہے کہ جب مختلف

تہذیبوں کا امتزاج ہوتا ہے تو غیر شعوری طور پر ایک تہذیب دوسری تہذیب کو متاثر کرتی ہے، جو قوم اپنے تہذیبی خصائص کے تحفظ کا اہتمام نہیں کرتی وہ اپنے بہت سے امتیازی اوصاف کھو بیٹھتی ہے، خصوصیت کے ساتھ جو تہذیب مفتوح و مغلوب ہو وہ فاتح اور غالب تہذیب کے سامنے سپر ڈال دیتی ہے، مسلمان جب تک غالب اور فاتح رہے اور ان میں اپنے تہذیبی خصائص کے تحفظ کی تہ و تاب تھی اس وقت تک وہ دوسری تہذیبوں پر اثر انداز ہوتے رہے؛ لیکن جب ان کی ایمانی حرارت ٹھنڈی ہو گئی اور ان میں من حیث القوم اپنے خصائص کے تحفظ کا دلولہ نہ رہا تو وہ خود دوسری تہذیبوں سے متاثر ہونے لگے — دورِ جدید میں مسلمانوں کا انگریزی تہذیب سے متاثر ہونا اس کی کافی شہادت ہے — اس اجنبی اثر پذیری کا نتیجہ بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ غیر اقوام کے رسوم و رواج کو دینی حیثیت دیدی جاتی ہے، اور اس کے جواز و استحسان کے ثبوت پیش کیے جاتے ہیں، یہی راز ہے کہ ہر علاقہ کے مسلمانوں میں الگ الگ رسوم و بدعات رائج ہیں، ہندوستان میں جو بدعات رائج ہیں وہ عرب علاقوں میں نہیں، اور مصر و شام کی بہت سی بدعات ہندوستان میں رائج نہیں۔

ہندوستان میں اسلام بڑی تیزی سے پھیلا؛ مگر افسوس ہے کہ ان نو مسلموں کی دینی تعلیم و تربیت کا خاطر خواہ اہتمام نہ ہو سکا، اس لیے جو لوگ ہندو مذہب چھوڑ کر دائرۃ اسلام میں داخل ہوئے وہ اپنے سابقہ رسم و رواج سے آزاد نہ ہو سکے؛ بلکہ ہندو معاشرہ سے شدید اختلاط کی بناء پر ان مسلمانوں میں بھی بہت سی ہندوانہ رسمیں در آئیں؛ چنانچہ شادی اور مرگ کے موقع پر ہندوستان کے مسلمانوں میں جو خلاف شرع رسمیں پائی جاتی ہیں اور جن کو مردوں سے زیادہ عورتیں جانتی ہیں، وہ سب ہندو مذہب کے جراثیم ہیں، جیسا کہ ایک نو مسلم عالم مولانا عبید اللہ سلفی نے ”تحفۃ الہند“ میں تحریر فرمایا ہے۔

”میرا مقصد یہ نہیں کہ خدا نخواستہ ہندوستانی مسلمانوں کی ساری چیزیں ہندوانہ ہیں اور نہ یہ مطلب ہے کہ سارے مسلمان ان میں مبتلا ہیں؛ بلکہ میری مراد ان رسوم و عادات سے ہے جن کا ثبوت ہماری اسلامی شریعت میں نہیں؛ بلکہ ہندو معاشرہ میں ملتا ہے، بہت سے ایسے علاقے جہاں ہندوؤں کی اکثریت تھی، مسلمان وہاں بہت قلیل تعداد میں تھے اور

ان کو اسلامی تعلیم و تربیت کا موقع میسر نہیں آتا تھا، ان کے نام تک ہندوانہ تھے، وہ سر میں چوٹی تک رکھتے تھے، ظاہر ہے جن لوگوں کی یہ حالت ہو وہ بے چارے ہندوانہ بدعات میں مبتلا نہ ہوتے تو اور کربھی کیا سکتے تھے!؟

(بحوالہ اختلاف امت اور صراط مستقیم، ص: ۱۰۹-۱۱۰)

علاوہ ازیں ہمارے اس ملک ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت زیادہ تر صوفیائے کرام کے ذریعہ ہوئی ہے جو اللہ کے بڑے مخلص بندے اور توحید کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے، یہاں کے جن لوگوں نے ان کی دعوت اور ان کی خدا پرستانہ اور پاکبازانہ زندگی سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا تھا، شیطان نے ان کے بارے میں اندازہ کر لیا کہ وہ ان کو اسلام سے برگشتہ کرنے اور کھلے ارتداد میں مبتلا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے گا؛ اس لیے اس نے ان میں گمراہی پھیلانے کے لیے وہ حربہ استعمال کیا جس کا وہ عیسائیوں اور دوسرے بعض طبقوں کو گمراہ کرنے میں کامیاب تجربہ کر چکا تھا، اس نے ان کے دل میں ڈالا کہ یہ بزرگانِ دین: خدا کے لاڈلے ہیں، خدا نے ان کو بہت سے اختیارات سپرد کر دیے ہیں، اور یہ خود حاجت روا اور مشکل کشا ہیں؛ لہذا ان ہی سے اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگو، مصیبتوں اور پریشانیوں میں ان کے نام کا وظیفہ پڑھو، حاجتی بن کر ان کے مزاروں پر جاؤ، ان کی قبروں کا سجدہ کرو، نذریں اور منٹیں مانو، اور ان کے نام کے مرغے بکرے قربان کرو، چادر، گاگر اور پھول مالا چڑھاؤ، یہ تمہاری بگڑی بنا دیں گے اور ناؤ پار لگائیں گے؛ چنانچہ جن لوگوں کی دینی تعلیم و تربیت نہ ہو سکی تھی اور اسلامی توحید کو انہوں نے پوری طرح نہیں سمجھا تھا، انہوں نے اس کو بزرگوں کے ساتھ عقیدت و محبت کا تقاضا سمجھا، اور اس طرح ان کو بت پرستی کا ”اچھا بدل“ بھی مل گیا جس کے وہ اور ان کے باپ دادا ہمیشہ سے عادی تھے — یہ ہے مسلمانوں میں رسوم و بدعات کے رواج کی اجمالی تاریخ اور قبر پرستی اور اولیاء پرستی کے آغاز کی سرگزشت!

## دارالعلوم دیوبند کے قیام سے پہلے رسوم و بدعات کی

### اصلاح کے سلسلہ میں کام کرنے والے ممتاز حضرات

امت محمدیہ میں جب سے اس گمراہی کا آغاز ہوا، علمائے امت اور مصلحین ملت نے اس کے خلاف قلمی اور زبانی جہاد شروع کیا، اور امت کو گمراہیوں سے نکالنے کے لیے بھرپور کوشش شروع فرمائی، ہمارے ملک میں جن اکابرین امت اور ہادیان ملت نے اللہ کی توفیق سے مشرکانہ خیالات و اعمال اور رسوم و بدعات سے مسلمانوں کو بچانے میں نیابتِ رسول کا حق ادا کیا، ان میں تین حضرات سرفہرست ہیں:

ایک: امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی (متوفی ۱۰۳۲ھ)

دوسرے: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ)

تیسرے: حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے پوتے حضرت شاہ اسماعیل شہید (متوفی

سنہ ۱۲۲۶ھ)

امام ربانی کے مکتوبات میں ایسے بہت سے مکتوبات ہیں، جن میں توحید کی تشریح کی گئی ہے، اور شرک کی جن اقسام و انواع میں مسلمان مبتلا تھے یا مبتلا ہونے کا امکان اور اندیشہ تھا ان کے بارے میں تشبیہ کی ہے، دفتر سوم، مکتوب نمبر: ۴۱ میں شرک کی ان سب صورتوں پر خاص طور سے تفصیلی کلام فرمایا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی کے تجدیدی کارناموں کے تقریباً ایک صدی بعد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا اصلاحی اور تجدیدی دور شروع ہوتا ہے، ان کی کتابوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے زمانے میں بھی جاہل مسلمانوں میں شرک کی وباء عام تھی، اس کو دیکھ کر ان کا دل تڑپتا تھا، آپ نے اس کا اظہار اپنی مختلف تصانیف میں کیا ہے، یہاں صرف دو حوالے پیش کیے جاتے ہیں:

تفہیماتِ الہیہ میں ایک جگہ ارقام فرماتے ہیں:

وَمِنْ أَعْظَمِ الْأَمْرَاضِ فِي زَمَانِنَا هَذَا عِبَادَتُهُمْ لِشَيْوِخِهِمْ أَحْيَاءَ وَلِقُبُورِهِمْ  
أَمْوَاتًا ، وَ الْجَهْلَةُ يَقْتَدُونَ بِكُفْرَةِ الْهِنْدِ فِي أَعْمَالِهِمْ . (۶۴/۱)

ترجمہ: ہمارے اس زمانے کا سب سے بڑا روگ یہ ہے کہ جاہل لوگ اپنے پیروں کی  
زندگی میں عبادت کرتے ہیں اور مرنے کے بعد ان کی قبروں کو پوجتے ہیں اور یہ جاہل  
مسلمان اپنے اعمال و افعال میں ہندوستان کے کافروں اور مشرکوں کی پیروی کرتے ہیں۔

اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ مجددانہ شان کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں کہ  
كُلُّ مَنْ ذَهَبَ إِلَى بَلَدَةٍ أَجْمِيرٍ أَوْ إِلَى قَبْرِ سَالَارٍ مَسْعُودٍ أَوْ مَاضَاهَا  
لِأَجْلِ حَاجَةٍ يَطْلُبُهَا فَإِنَّهُ إِثْمٌ إِثْمًا أَكْبَرَ مِنَ الْقَتْلِ وَالزَّوْنَا ، لَيْسَ مِثْلَهُ إِلَّا  
مِثْلُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ الْمَصْنُوعَاتِ أَوْ مِثْلُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللَّاتَ وَالْعُزَّى .

(تفہیمات الہیة: ۲/۳۵)

ترجمہ: جو کوئی اجمیر (خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مزار پر) یا (بہرائچ) سالار  
مسعود غازیؒ کی قبر پر یا اس کے مثل کسی اور مزار، یاد رگاہ پر اپنی کوئی حاجت طلب کرنے  
کے لیے جائے، تو اس نے اتنا بڑا گناہ کیا جو خون ناحق اور زنا سے بھی زیادہ بڑا ہے، اس  
شخص کا حال بالکل ایسا ہے جیسا ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں اور لات و عزی کی  
پرستش کرنے والے کا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے اس پر جلال ارشاد سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان میں ان  
کے زمانہ کے جاہل مسلمانوں میں قبر پرستی اور اولیاء کے مزارات پر جا کے حاجت طلبی کی  
وباء اس درجہ کو پہنچ گئی تھی کہ شاہ صاحب جیسے حکیم و حلیم مصلح کی روح تڑپ اٹھی اور ان کے  
قلب کا غیظ اس طرح ان کی نوکِ قلم پر آ گیا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا وصال ۱۷۰۶ھ میں ہوا ہے، اس کے تقریباً چالیس پچاس  
سال بعد ان کے پوتے شاہ اسماعیل شہید کی اصلاحی جدوجہد کا دور شروع ہوتا ہے، آپ  
نے بھی ہوش سنبھالا تو وہی منظر دیکھا، جس نے ان کے دادا کی روح کو تڑپا دیا تھا؛ بلکہ اس  
سے بھی زیادہ خراب صورتِ حال تھی، آپ نے عوام کی اصلاح کے لیے ایک طرف مواعظ

کا سلسلہ شروع کیا، جن کا خاص موضوع توحید و سنت کی طرف دعوت دینا تھا، تو دوسری طرف اردو زبان میں ایک مستقل کتاب ”تقویۃ الایمان“ تصنیف فرمائی جس میں قبر پرستی وغیرہ شرک کی ان سب شکلوں اور قسموں پر جو جاہل مسلمانوں میں رائج تھیں، اپنے دادا شاہ ولی اللہ صاحب والے جلالی انداز میں؛ بلکہ اپنے جدِ اعلیٰ فاروق اعظمؓ کے فاروقی انداز میں کلام کیا، اللہ ہی جانتے ہیں کہ اس کتاب کے ذریعہ اس کے کتنے بندے شرک کی تاریکیوں سے نکل کر توحید کے اجالے میں آئے اور بدعت کی تاریک راہوں میں بھٹکے ہوئے انسانوں نے سنت کی صاف روشنی میں جنت کا راستہ اپنایا۔

### تقویۃ الایمان کے خلاف پروپیگنڈہ

”تقویۃ الایمان“ کی یہ خالص اسلامی توحید، شاہ صاحب کے کچھ ہم عصر علماء کو ناگوار محسوس ہوئی اور اولیاء کی محبت میں غلو کرنے والوں نے محسوس کیا کہ جو شخص اس کتاب کو دیکھے گا وہ بدعات سے تائب ہو جائے گا؛ مگر ان کے پاس اس کا کوئی توڑ نہیں تھا؛ اس لیے انہوں نے پینترا بدل کر حملہ کیا اور عوام میں خوب پروپیگنڈہ کیا کہ ”تقویۃ الایمان“ کے مصنف نے اپنی اس کتاب میں رسول ﷺ اور اولیاء کرام کی شان میں سخت گستاخیاں کی ہیں؛ تاکہ عوام کتاب اور اس کے مصنف سے بدظن ہو کر اس سے استفادہ کرنا چھوڑ دیں؛ چنانچہ ہندوستان بھر کے اس وقت کے حامیان بدعت نے اس میں حصہ لیا، جن میں ”علمائے بدایوں“ پیش پیش تھے۔ ماہنامہ ”قاران“ کراچی کے فاضل ایڈیٹر جناب ماہر القادری صاحب بدایونی لکھتے ہیں کہ

”اب میں ان علماء کے نام درج کرتا ہوں جن میں اکثر و بیشتر حضرت اسماعیل شہیدؒ کے مسلک کے موافق نہ تھے اور بعض کھل کر مخالف تھے۔ بدایوں میں مفتی ابوالحسن عثمانی، مولوی فضل رسول عثمانی، مولوی علی بخش صدر الصدور، مدراس میں مولوی ارتضنا گوپامٹوی، ناسک میں خان بہادر مولوی عبدالفتاح مفتی، کلکتہ میں قاضی نجم الدین کاکوروی، مراد آباد میں مولوی عبدالقادر چیف، دہلی میں مفتی صدر الدین آزرہ، مولانا

فضل امام خیر آبادی، مولانا فضل حق خیر آبادی، ہنسی فضل عظیم خیر آبادی (فرزند اکبر مولانا فضل امام خیر آبادی) مولوی محمد صالح خیر آبادی، (برادر مولانا فضل امام خیر آبادی) یہ تمام حضرات ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانہ میں منصب افتاء و قضاء اور سررشتہ داری اور صدر الصدور کے عہدوں پر فائز تھے (بریلویت ماہر القادری کی نظر میں، ص: ۱۷)

پھر چودھویں صدی ہجری کے شروع میں پروپیگنڈہ کی اس مہم کا جھنڈا بریلی کے مولوی احمد رضا خاں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا، انہوں نے داعی توحید و سنت شاہ اسماعیل شہید کے خلاف کتابوں کے انبار لگا دیے جن میں ستر ستر وجوہ سے آپ کو کافر ثابت کیا اور اللہ و رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے کا مجرم قرار دیا، تفصیل کے لیے دیکھئے، خاں صاحب کے رسالے الكوكبة الشهابية اور سَلُّ السِّیوفِ الهندية وغیرہ۔

### اکا بردیو بند کے خلاف پروپیگنڈہ

پھر یہی حربہ انہوں نے خاندان ولی اللہی کے علمی و روحانی وارثین اور ان کے خاص مشن دعوت توحید و سنت کے علم بردار اکابر علمائے دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی وغیرہ کے خلاف استعمال کیا، ان حضرات کو خاں صاحب نے ختم نبوت کا منکر، اللہ تعالیٰ کا مُکَدِّب اور رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخیاں کرنے والا قرار دے کر فتویٰ لگایا کہ یہ سب کافر و مرتد اور واجب القتل ہیں، اور جو کوئی ان کے کافر و مرتد ہونے میں شبہ کرے، وہ بھی کافر و مرتد اور واجب القتل ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے ”تمہید الایمان“ اور ”مُحَسِّمُ الحَرَمِین“ وغیرہ)

### پروپیگنڈے کا مقصد

خاں صاحب کا بزرگان دین کو کافر و مرتد کہنا اور اس کا پروپیگنڈہ کرنا بعینہم ایسا ہے جیسا روافض اور شیعہ نعوذ باللہ صحابہ کرام کو کافر و مرتد کہتے ہیں اور شیخین کی شان میں

گستاخی کرتے ہیں۔۔۔ جس کا مقصد عوام کو ان اکابرین سے بدظن کر کے اپنی طرف متوجہ کرنا ہے؛ تاکہ لوگ ان حضرات کی بات پر کان نہ دھریں اور خاں صاحب کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنسے رہیں، ماہ نامہ ”فاران“ کراچی کے فاضل ایڈیٹر جناب ماہر القادری بدایونی اپنی سرگزشت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

”راقم الحروف جس گاؤں میں پیدا ہوا اور پلا بڑھا ہے، وہاں صد فیصد مسلمان بریلوی عقائد رکھتے تھے، ہم بچوں کو بچپن ہی سے یہ بتایا گیا تھا کہ وہابی دُرد شریف نہیں پڑھتے اور رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس سے کد اور عناد رکھتے ہیں، ایسے افتراء پردازوں اور جھوٹی افواہیں پھیلانے والوں کا نہ جانے کیا حشر ہوگا؟ اور دیوبندیوں کے بارے میں یہ کہا جاتا تھا کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی تنقیص کرتے ہیں اور یہ گلابی وہابی ہیں، اور وہابی ہوں یا دیوبندی یہ دونوں گروہ گمراہ ہیں؛ بلکہ کافر ہیں، بریلوی خیال کے علماء کی زبانی یہ باتیں سن کر راقم الحروف کے دل میں اہل حدیث اور دیوبندیوں کے خلاف شدید نفرت بیٹھ گئی تھی، میں کسی کتاب پر علمائے دیوبند کے نام تعظیمی القاب کے ساتھ لکھا ہوا دیکھتا تو ان الفاظ کو کاٹ کر اپنے قلم سے گالیاں لکھ دیتا۔“

(بریلویت ماہر القادری کی نظر میں، ص: ۶۱-۶۲)

یہ تھا پروپیگنڈے کا اثر جس سے ماہر القادری صاحب جیسے حق کے متلاشی تو چھٹکارا پاسکتے تھے؛ لیکن ان پڑھ اور دین سے ناواقف لوگوں کا پروپیگنڈے کے دلدل سے نکلنا مشکل ہے۔

## خاں صاحب کے کچھ حالات

خاں صاحب سرمہ اور فرنیچر کے مشہور شہر ”بریلی“ میں ۱۳/ جون ۱۸۵۶ء مطابق ۱۰/ شوال ۱۲۷۲ھ میں پیدا ہوئے، پیدائشی نام ”محمد“ رکھا گیا، ان کی ماں نے ان کا نام ”امن میاں“، باپ نے ”احمد میاں“ اور دادا نے ”احمد رضا“ رکھا۔

(اعلیٰ حضرت بریلوی ص: ۱، مصنفہ نسیم بستوی)



اور خاں صاحب نے خود اپنا نام عبد المصطفیٰ رکھا، فتاویٰ رضویہ کی جلد یازدہم کے مقدمہ میں ہے:

آپ کی ولادت باسعادت ظہر کے وقت بہ روز شنبہ ۱۰/شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۳/جون ۱۸۵۶ء محلہ: جسولی، شہر: بریلی، یوپی (انڈیا) میں ہوئی، پیدائشی نام: محمد، تاریخی نام: المختار (۱۲۷۲ھ) اور عرف احمد رضا قرار پایا اور خود اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اپنے نام کے ساتھ عبد المصطفیٰ لگا کر غلامی بارگاہِ مصطفیٰ کا نشان قائم کیا۔

(حیات امام اہل سنت، فتاویٰ رضویہ کی جلد یازدہم کا مقدمہ، ص: ۲)

اور ماہر القادری صاحب ”زلزلہ“ نامی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”مولانا بریلوی کی شدت مزاج کا وہ عالم تھا کہ وہابیوں اور دیوبندیوں کو چڑانے کے لیے اپنا نام ”عبد المصطفیٰ“ رکھا؛ حالاں کہ کسی صحابی، تابعی، تابعی، تفسیر، حدیث اور فقہ کے کسی امام کا نام عبد المصطفیٰ یا عبد النبی یا عبد الرسول سننے یا پڑھنے میں نہیں آیا، عقیدت کا یہی وہ غلو ہے، جسے دین میں ناپسندیدہ سمجھا گیا ہے“ (بریلویت ماہر القادری کی نظر میں، ص: ۱۱۰)

اور ان کے معتقدین ان کو ”اعلیٰ حضرت“ سے یاد کرتے ہیں، اس کے علاوہ ان کے معتقدین ان کو فاضل بریلوی، امام اہل سنت اور مجددِ مآۃ حاضرہ وغیرہ بھی کہتے ہیں:

خاں صاحب جسمانی اعتبار سے نحیف اور کمزور اور بہت سے امراض کے شکار تھے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے اعلیٰ حضرت بریلوی، ص: ۲۰، اور حیات اعلیٰ حضرت، ص: ۳۵)

خاں صاحب کا رنگ نہایت کالا تھا؛ اسی لیے حضرت مولانا چاند پوریؒ نے خاں صاحب کے رد میں ایک کتابچہ لکھا ہے، جس کا نام ہے: الطین اللآذب علی الأسود الکاذب (چپکنے والی مٹی کا لے کذاب پر) خاں صاحب کے بھتیجے حسنین رضا صاحب کے بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت آغازِ عمر میں نہایت گندمی رنگ کے مالک تھے؛ لیکن جدوجہد نے آپ کا رنگ تبدیل کر دیا تھا اور ان کے چہرے کی رونق کو ختم کر دیا تھا۔ (اعلیٰ حضرت بریلوی، ص: ۲۰، بحوالہ البریلویہ)

خاں صاحب کا گھرانہ علمی تھا، ان کے والد: نقی علی اور دادا: رضا علی دونوں عالم تھے،

خاں صاحب نے بھی اپنے باپ دادا کی پیروی کرتے ہوئے ابتدائی تعلیم مرزا غلام احمد قادیانی کے بھائی مرزا غلام قادر بیگ سے حاصل کی اور اکثر علوم اپنے والد نقی علی خاں سے پڑھے، خاں صاحب گھر کے خوش حال تھے؛ اس لیے فراغت کے بعد تصنیف و تالیف کے میدان میں قدم رکھا۔

## خاں صاحب کی تیز مزاجی اور دشنام طرازی

خاں صاحب کے مزاج میں انتہائی درجہ کی شدت اور قلم میں بے باکی اور دشنام طرازی تھی، ماہر القادری صاحب ”زلزلہ“ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”علمائے دیوبند کے ان عقائد سے جو کتاب و سنت کے عین مطابق ہیں، بدایوں اور بریلی کے علمائے نے شدید اختلاف کیا، مولانا احمد رضا خان بریلوی تو ساری عمر علمائے دیوبند کی تضحیک و تکفیر ہی کا کام انجام دیتے رہے، ان مسائل میں ان کی شدت اور قلم کے بے باک اور دشنام طراز ہونے کا یہ عالم رہا ہے کہ ”وہابی، قادیانی، دیوبندی، نیچری، چکڑالوی جملہ مرتدین ہیں کہ ان کے مرد یا عورت کا تمام جہاں میں جس سے نکاح ہوگا، مسلم ہو یا کافر، اصلی مرتد انسان ہو یا حیوان، محض باطل اور زنا خالص ہوگا اور اولاد ولد الزنا“۔ (ملفوظات حصہ دوم، ص: ۱۰۰ بحوالہ بریلویت ماہر القادری کی نظر میں ص: ۱۰۹)

اور ”فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں“ نامی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے ماہر القادری صاحب ارقام فرماتے ہیں:

”راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی کے مزاج کی شدت سنجیدگی کی حدود کی پابند نہ تھی، بریلوی مسلک مولانا احمد رضا خان صاحب کی تکفیر کے فتوؤں کی وجہ سے مشہور ہو گیا، واقعہ یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خان ان مسائل و عقائد میں علمائے بدایوں کے مقلد اور خوشہ چیں ہیں، مولانا فضل رسول بدایونی نے مولانا فاضل بریلوی کے پیدا ہونے سے پہلے ”وہابیہ“ کی مخالفت کی تھی، اسی عقیدت اور احترام کی بناء پر مولانا بریلوی نے مولانا فضل رسول بدایونی کے فرزند مولانا محبت رسول عبدالقادر بدایونی

کی شان میں قصیدہ لکھا ہے؛ مگر ”اذانِ ثانی“ کے مسئلہ پر جب علمائے بدایوں نے مولانا احمد رضا خاں صاحب سے اختلاف کیا، تو بریلی سے اس قدر سخت اور کراخت اور اہانت آمیز جوابات دیے گئے کہ علمائے بدایوں کو سرکاری عدالت میں ”ازالہ حیثیتِ عرفی“ کا دعویٰ دائر کرنا پڑا، نواب حامد علی خاں والی رام پور نے بیچ میں پڑ کر اس مقدمہ کو ختم کرایا۔

مولانا فاضل بریلوی اور ان کے معتقد علماء کا خود اپنے مسلک کے علماء کے ساتھ یہ سلوک ہے تو پھر بہ دیگر اں چہ می رسد!! (بریلویت ماہر القادری کی نظر میں، ص: ۷۴)

### خاں صاحب کی تکفیری مہم کی مفصل تاریخ

خاں صاحب کا محبوب مشغلہ علمائے امت کی تکفیر تھا، جس نے چودھویں صدی ہجری میں پورے ہندوستان میں — جو پہلے ایک ملک تھا اور اب تین حصوں میں بٹ گیا ہے اور جس میں دنیا کے سارے ملکوں سے زیادہ مسلمان آباد ہیں — وسیع پیمانہ پر اختلاف و افتراق اور جنگ و جدال کی آگ بھڑکائی تھی؛ اس لیے خاں صاحب کے اس اہم کارنامہ کی مفصل تاریخ پیش کی جاتی ہے۔

مولانا محمد عارف صاحب سنبھلی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء تحریر فرماتے ہیں کہ ”جہاں تک ہمارا علم اور مطالعہ ہے، وسیع پیمانہ پر مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی تکفیری مہم کا جوش و خروش اس وقت شروع ہوا جب ۱۳۱۱ھ میں کانپور کے ایک جلسہ میں — جس کے خاص داعی اور محرک حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ تھے، اور جس میں ہندوستان بھر کے مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے اکابر علماء اور مشاہیر شریک تھے، اور خود مولوی احمد رضا خاں صاحب بھی شریک تھے — ندوۃ العلماء کے نام سے علمائے ہند کی ایک وسیع المقاصد انجمن یا مجلس کے قیام کا فیصلہ کیا گیا“۔

### انجمن ندوۃ العلماء کے خلاف خاں صاحب کی جنگ

مولوی احمد رضا خاں صاحب کسی بات سے ناراض ہو کر جلسہ کے اختتام سے پہلے

ہی واپس ہو گئے، اور ندوۃ العلماء کے خلاف اشتہار بازی اور رسالہ بازی کی ایک طوفانی مہم شروع کر دی، خاں صاحب کے ایک خلیفہ مولوی محمود جان صاحب کا ٹھہیا واڑی نے ان کی ایک منظوم سوانح عمری ”ذکر رضا“ کے نام سے لکھی ہے، اس میں ان کے سب سے بڑے اور درخشاں کارنامہ کی حیثیت سے اس بات کو ذکر کیا ہے کہ

”اعلیٰ حضرت نے ندوہ اور ندوہ والوں کے رد میں بے گنتی اشتہار کے علاوہ سو (۱۰۰)

کے قریب رسالے لکھے اور ندوہ کا نام و نشان مٹا دیا۔“ (ذکر رضا، ص: ۱۱)

مولوی احمد رضا خاں صاحب نے ندوۃ العلماء کے خلاف یہ تکفیری مہم ۱۳۱ھ سے چلانی شروع کی تھی، برسوں تک پورے زور و شور سے یہ گولہ باری ہوتی رہی، یہاں تک کہ حرمین شریفین کے علماء سے بھی ان کے کفر کا فتویٰ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے حاصل کیا اور فتاویٰ الحرمین برجف ندوۃ المین کے نام سے چھپوار کر ہزاروں کی تعداد میں شائع کیا۔ ندوہ والوں کے پاس اگرچہ اصحاب علم و قلم کی فوج کی فوج تھی؛ لیکن ان بریلوی خاں صاحب کے تکفیری اشتہاروں اور رسالوں کی نہ تھمنے والی بارش کو دیکھ کر انہیں بالآخر یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ خیریت اسی میں ہے کہ ان کی باتوں کا کوئی نوٹس نہ لو اور کوئی جواب نہ دو، بس اپنے کام میں لگے رہو۔

## ندوۃ العلماء کے بعد اکابر علمائے دیوبند پر نظر عنایت

اکابر علمائے دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور ان کے رفقاء انگریزی حکومت کے خلاف ۱۸۵۷ء کی جنگ میں شاملی کے محاذ پر ناکام ہو جانے اور پورے ہندوستان پر انگریزوں کا پورا تسلط قائم ہو جانے کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچے؛ بلکہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب میں ڈالا کہ اب اس ملک میں اللہ کے مقدس دین کی خدمت اور حفاظت کا خاص ذریعہ ایسے مدارس ہوں گے، جن میں مخصوص طرز کی دینی تعلیم و تربیت سے وہ افراد تیار کیے جائیں جو رسول اللہ ﷺ کی امانتِ علم و ہدایت کے وارث و امین ہوں، اور دین کو اپنے جان و مال اور ہر چیز سے زیادہ

عزیز سمجھیں اور اپنی زندگیوں اسی کے لیے وقف کر دیں۔

اس منصوبے کے مطابق ان حضرات نے سب سے پہلے ضلع سہارنپور کے قصبہ دیوبند میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا، اللہ نے اس میں برکت دی، اور چند ہی برسوں میں اس شجرہ طیبہ کے یہ ثمرات دیکھنے میں آئے کہ حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی شیخ الہند، حضرت مولانا احمد حسن امر و ہوی اور بعد کے طبقات میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی حکیم الامت، حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری اور حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہم اللہ جیسے حضرات پیدا ہوئے جو علم نبوت کے حامل و وارث ہونے کے ساتھ امت کے لیے ائمہ رشد و ہدایت اور ملت اسلامیہ ہندیہ کے دین و ایمان کے پاسبان بھی تھے۔

دارالعلوم دیوبند میں یہ ٹھوس تعلیمی و تربیتی اور تعمیری کام اخلاص و للہیت اور پوری خاموشی کے ساتھ ہوتا رہا، اس کے فضلاء ملک میں پھیلنے لگے جو جہاں جا کر بیٹھ گیا، اپنے اخلاص و للہیت اور امت کی بے لوث دینی خدمت کی وجہ سے اس خطہ کے مسلمانوں کا مرجع بن گیا، پھر اسی مقصد کے لیے اسی طرز پر مختلف شہروں میں اور بھی متعدد مدرسے ان حضرات نے قائم کیے، یہ سب دارالعلوم دیوبند ہی سے نکلی ہوئی نہریں اور اسی شجرہ طیبہ کی شاخیں تھیں، اور یہ امت مسلمہ ہندیہ کے دینی قلعے اور اسلامی شریعت کی چھاؤنیاں تھیں۔

ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ دارالعلوم دیوبند اور اس کے اکابر کو ملک میں علم و دین کے لحاظ سے ایک خاص مرجعیت اور مرکزیت حاصل ہو گئی اور یہاں کے باخبر اور باشعور مسلمان دارالعلوم دیوبند کو ہندوستان میں دین محمدی کا مرکزی قلعہ سمجھنے لگے۔

ٹھیک اس وقت جب کہ دارالعلوم دیوبند اور اکابر علمائے دیوبند کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقبولیت عامہ کا یہ مقام حاصل ہوا، مولوی احمد رضا خاں صاحب نے — جو تقریباً دس سال سے ندوۃ العلماء کے پیچھے پڑے ہوئے تھے اور اپنے نزدیک ندوہ کی انجمن کو درہم برہم کر کے اس مہم کو سر کر چکے تھے — اپنی نظر عنایت ان اکابر علمائے دیوبند کی طرف پھیر دی، ۱۳۲۰ھ میں ان کی کتاب المعتمد المستند چھپی، جس میں پہلی دفعہ

اکابر جماعتِ دیوبند؛ حضرت مولانا نانوتوی، حضرت گنگوہی وغیرہ کی قطعی تکفیر کی اور لکھا کہ ”یہ ایسے کافر اکفر ہیں کہ جو کو کوئی ان کے کفر میں شک و شبہ کرے وہ بھی قطعی کافر اور جہنمی ہے۔“

## صرف نظر کا فیصلہ

کافی مدت تک تو اکابر دارالعلوم دیوبند کو خاں صاحب کی اس کتاب اور اس میں کیے گئے تکفیری حملے کی اطلاع ہی نہیں ہوئی، پھر غالباً ۱۳۲۳ھ میں مولانا محمد مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ کو جو اس وقت دارالعلوم کے جوان العمر فاضل تھے، کہیں سے اس کا پتا چلا، انہوں نے کسی طرح کتاب حاصل کی اور اپنے استاذ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ مولوی احمد رضا خاں نے اب ہم لوگوں کی طرف رخ کیا ہے، مجھے جواب دینے کی اجازت دی جائے، میں ان سے نمٹ لوں گا، جب مولانا مرتضیٰ حسن صاحب نے زیادہ اصرار کیا تو شیخ الہند ان کو ساتھ لے کر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہوئے جو جماعتِ دیوبند کے مقتدا اور دارالعلوم کے سرپرست تھے، مولانا مرتضیٰ حسن صاحب نے وہی بات حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں عرض کی، حضرت نے فرمایا کہ ارے بھئی! تم کہاں تک اس شخص کی باتوں کا جواب دو گے؟ اور کہاں تک کتابیں لکھو گے؟ وہ تو روز روز نئے الزام گھڑے گا اور کتابوں پر کتابیں لکھے گا اور اشتہاروں پر اشتہار چھاپے گا، اس کو دنیا میں بس یہی کام ہے، شاید یہی اللہ نے اس کے لیے مقدر کر دیا ہے، ندوہ والوں کے ساتھ جو کچھ اس نے کیا ہے وہ سامنے ہے؛ اس لیے میری رائے تو یہی ہے کہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو اور دینی خدمت کے لیے اپنے کام میں لگے رہو، اپنی آخرت کی فکر کرو — بہر حال اس وقت یہی طے پایا کہ خاں صاحب کی ان الزام تراشیوں کا کوئی جواب نہ دیا جائے، اس وقت تک مولوی احمد رضا خاں کے اس فتنہ کا عام مسلمانوں پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا؛ بلکہ کوئی خاص چرچا بھی نہیں ہوا تھا؛ کیوں کہ یہ کتاب المعتمد المستند عربی میں تھی۔

## خاں صاحب کی فریب کاری اور ”حسام الحرمین“ کا فتنہ

غالباً اپنے اس تکفیری فتوے کی بے اثری دیکھ کر خاں صاحب نے ۱۳۲۳ھ کے آخر میں حرمین شریفین کا سفر کیا اور اکابر علمائے دیوبند کی تکفیر کا ایک فتویٰ مرتب کر کے، وہاں کے علمائے کرام اور مفتیانِ عظام کی خدمت میں پیش کیا اور نہایت مکارانہ اور پڑھ فریب انداز میں ان حضرات سے فریاد کی کہ ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں پر بڑا سخت وقت آ گیا ہے، وہاں ارتداد اور زندقہ کی آندھیاں چل رہی ہیں، کچھ لوگ مسلمانوں ہی میں جن کو عوام، علماء اور مشائخ بھی سمجھتے ہیں، ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو نہایت خبیث قسم کے کافرانہ عقیدے رکھتے ہیں، رسول پاک ﷺ کی شان عالی میں گستاخیاں کرتے ہیں، عقیدہ ختم نبوت کے منکر ہیں، اللہ تعالیٰ کو اور اس کے کلام کو معاذ اللہ جھوٹا کہتے ہیں اور لوگ ان کو عالم مولوی سمجھ کر ان کی باتوں کو قبول کر رہے ہیں، ہم غرباء اور ضعفاء سے جہاں تک ہو سکتا ہے ہم اس فتنہ کا مقابلہ کر رہے ہیں، لیکن ہمارے ملک میں اس فتنہ نے طوفانی آندھی اور سیلاب کی شکل اختیار کر لی ہے، آپ حضرات یعنی حرمین شریفین کے علمائے کرام اور مفتیانِ عظام کی مدد کے بغیر اس فتنے کو روکنے میں ہم کامیاب نہیں ہو سکتے، آپ حضرات اللہ کے مقدس شہر مکہ مکرمہ کے اور اس کے رسول علیہ الصلاۃ والسلام کے پاک شہر مدینہ منورہ کے رہنے والے ہیں، ہندوستانی مسلمانوں کے قلوب میں آپ کی خاص عظمت اور وقعت ہے، اگر آپ حضرات ان مرتدین کی تکفیر کے اس فتوے کی تصدیق فرمادیں تو ہمارے ملک کے عام مسلمان اس فتنے سے محفوظ ہو جائیں گے، ورنہ یہ فتنہ ایسا شدید اور طوفانی ہے کہ ان کا ایمان پر قائم اور ثابت رہنا سخت مشکل ہے۔

الغیاث الغیاث یا خیل اللہ ﴿﴾ یا فرسان عساکر رسول اللہ

المدد المدد اے خدا کے لشکر و ﴿﴾ المدد اے لشکر محمدی کے شہسوارو

الغرض مولوی احمد رضا خاں صاحب نے حرمین شریفین کے ان علمائے کرام کے سامنے — جو اصل واقعات اور حالات سے بالکل بے خبر تھے اور روزبان نہ جاننے کی

وجہ سے اکابر جماعت دیوبند کی وہ کتابیں بھی نہیں پڑھ سکتے تھے جن کی طرف مولوی احمد رضا خاں نے انکارِ ختم نبوت اور رسول اللہ ﷺ کی توہین و تنقیص جیسے کافرانہ مضامین منسوب کیے تھے — اپنا جعلی فتویٰ اس انداز میں اس تمہید کے ساتھ پیش کیا کہ گویا ہندوستانی مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت اب بس اسی فتوے سے اور اس پر علمائے حرمین کی تصدیقی مہریں لگ جانے سے وابستہ ہے، اگر یہ نہ ہو تو خدا نخواستہ وہ سب مرتد اور شذھی ہو جائیں گے — خاں صاحب کا یہ مکارانہ پرفریب بیان ”حسام الحرمین“ کی تمہید میں دیکھا جاسکتا ہے۔

حرمین شریفین کے بہت سے نیک دل علماء نے مولوی احمد رضا خاں کی ان پرفریب باتوں کو حقیقت اور واقعہ سمجھا، اور انہوں نے خاں صاحب کے اس تکفیری فتوے پر تصدیقیں لکھ دیں، اور پھر یہی فتویٰ اردو ترجمہ کے ساتھ ”حسام الحرمین“ کے نام سے شائع ہوا، اور پروپیگنڈہ کی پوری طاقت کے ساتھ پورے ملک میں ہنگامہ اور شور برپا کر دیا گیا کہ جماعت دیوبند کے ان اکابر اور مشاہیر — حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی — کے متعلق مکہ، مدینہ کے علماء نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے کہ یہ سب ایسے قطعی کافر اور مرتد ہیں کہ جو شخص ان کے کافر اور جہنمی ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر اور جہنمی ہے، اور ان میں سے ایک ایک کے قتل کرنے میں ہزار کافروں کے مارنے سے زیادہ ثواب ہے۔ مَعَاذَ اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔

### اکابر علمائے دیوبند کی طرف سے مدافعت اور جواب کا فیصلہ

یہ واقعہ ۱۳۲۵ھ کا ہے، میں نے اپنے بعض اکابر سے سنا ہے کہ مولوی احمد رضا خاں کی اس مکارانہ چال نے اور بے پناہ پروپیگنڈوں نے ہندوستانی مسلمانوں میں ایک اضطراب پیدا کر دیا، اور بہت سے وہ لوگ جو مولوی احمد رضا خاں کی بدنام زمانہ فتوے بازی سے بالکل اثر نہیں لیتے تھے، علمائے حرمین کے نام سے اس فتنے میں مبتلا ہو گئے، اور



حالات ایسے ہو گئے کہ خاموشی اور صرف نظر کی کوئی گنجائش نہیں رہی، اور شرعیہ ضروری ہو گیا کہ اس افتراء پردازی کی تردید کی جائے، اور اللہ کے بندوں کو اس فتنے میں مبتلا ہونے سے بچایا جائے۔

اس فتوے میں جن چار بزرگوں کی کتابوں اور تحریروں پر کفر کا حکم لگایا گیا تھا، ان میں سے صرف دو اس وقت بقید حیات تھے، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ، ان دو بزرگوں نے اسی زمانہ میں اپنے اپنے بیانات دیے، جن میں صراحت کے ساتھ لکھا کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے ”حسام الحرمین“ میں ہم لوگوں کی طرف جو عقائد اور جو مضامین منسوب کیے ہیں، وہ ان کا ہم پر محض افتراء اور بہتان ہے، ایسے عقیدے رکھنے والوں کو ہم خود خارج از اسلام سمجھتے ہیں — ان بزرگوں کے یہ بیانات اسی زمانہ میں مختلف رسالوں میں شائع ہوئے تھے؛ بلکہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ کا بیان تو ”بسط البنان“ کے نام سے ایک مستقل رسالہ کی شکل میں بھی شائع ہوا تھا۔

اسی زمانہ میں یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ خاں صاحب اپنے تکفیری فتوے پر حرمین شریفین کے علماء کی تصدیق حاصل کر کے جب ہندوستان لوٹے تو حرمین شریفین کے بعض علماء کو معلوم ہوا کہ اس ہندوستانی مولوی (احمد رضا خان) نے جس تکفیری فتوے پر ہم سے تصدیق کرائی ہے، اس میں دوسرے فریق کے عقائد کے بارے میں غلط بیانی کی گئی ہے، ان لوگوں کے عقیدے ایسے نہیں ہیں، اس پر وہاں کے بعض علمائے کرام نے خود علمائے دیوبند کی طرف رجوع کر کے معاملہ کی تحقیق کرنا ضروری سمجھا؛ چنانچہ مولوی احمد رضا خاں نے اپنے فتوے میں اکابر علمائے دیوبند کی طرف جو عقیدے منسوب کیے تھے، اور اس کے سوا اور بہت سی باتیں جو ان کے بارے میں زبانی ان حضرات سے کہی تھیں، ان سب امور سے متعلق ان حضرات نے سوالات لکھ کر علمائے دیوبند سے ان کا جواب چاہا، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے ان کا مفصل جواب تحریر فرمایا اور وہ جواب حرمین شریفین کے علمائے کرام کے پاس بھیجا گیا، ان تمام حضرات نے ان جوابات پر اطمینان

ظاہر کیا اور لکھا کہ یہی عقیدے اہل سنت والجماعت کے ہیں اور ان میں کوئی بات بھی مسلک اہل سنت والجماعت کے خلاف نہیں ہے۔

یہ سوالات و جوابات ہندوستان اور حرمین شریفین کے علمائے کرام کی تصدیقات کے ساتھ اسی زمانہ میں اردو ترجمہ کے ساتھ کتابی صورت میں **الْمُهَنْدُ عَلَى الْمُفْنِدِ** معروف بہ **التصديقات لدفع التلبیسات** کے نام سے شائع ہو گئے تھے۔

الحمد للہ! ان چیزوں کی اشاعت سے وہ فتنہ جو ”حسام الحرمین“ کی وجہ سے ہندوستان میں برپا ہوا تھا، بڑی حد تک فرو ہو گیا، پھر اسی دور میں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ اور حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوریؒ نے ”حسام الحرمین“ کے مفصل جوابات بھی لکھے جن میں پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ دکھلایا کہ خاں صاحب نے ”حسام الحرمین“ میں اکابر علمائے دیوبند کی طرف جن عقیدوں کو منسوب کیا ہے، ان کی حقیقت جعل اور فریب کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، ان رسالوں نے معاملہ کو اور بھی زیادہ منفتح کر دیا۔

### خاں صاحب: شریف مکہ کی عدالت میں

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ ”شہاب ثاقب“ میں احمد رضا خاں صاحب کے مکرو فریب اور جعل سازی کا حال بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

صاحبو! جب کہ مجدد بریلوی صاحب مکہ معظمہ میں وارد ہوئے، اس کے تھوڑے عرصہ کے بعد ایک محضر طویل جناب شیخ محمد صاحب نقش بندی رام پوری سلمہ کی خدمت میں اس غرض سے پہنچا کہ شریف صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا جائے جس پر بہت سے حضرات کے دستخط اور مہریں تھیں کہ فلان بن فلاں، فلاں شہر کارہنے والا وہاں حاضر ہوتا ہے، یہ محض اعلیٰ درجہ کی خواہشاتِ نفسانی اور بدعاتِ شیطانی میں مبتلا ہے، مسلمانوں کو عموماً اور علمائے کرام اور فضلاء عظام کی خصوصاً تھلیل و تفسیق کرتا ہے، اپنی شہرت اور خیالاتِ فاسدہ کی وجہ سے سیکڑوں علماء کی تکفیر اور سب و شتم میں رسالے لکھ ڈالے ہیں،

عقائد فاسدہ لوگوں میں پھیلاتا رہتا ہے، اس نے زوج کو زوجہ سے، بیٹے کو ماں سے، بھائی کو بھائی سے جدا کر ڈالا ہے، روزانہ نئے نئے فتنے برپا کرتا رہتا ہے، غرض کہ اسی قسم کے مضمون تھے اور کچھ عقائد بھی اس کے اس میں درج تھے، اور مقصد یہ تھا کہ شریف صاحب اس کی تنبیہ اور واقعی قرار سزا دیں۔

الحاصل اس محضر پر حضرت آفندی عبدالقادر شیبی کنجی بردار خانہ کعبہ شریف مطلع ہوئے، اس مضمون کو دیکھتے ہی بھرا گئے، غصہ سے کانپ اٹھے، اور انہوں نے محضر لے لیا، اور کہا کہ میں محضر شریف کو دوں گا، الحاصل وہ محضر شریف صاحب کی خدمت میں پہنچا، شریف صاحب بھی نہایت غضبناک ہوئے اور ارادہ قید کرنے کا کیا، مجھے متعدد صحیح خبروں سے معلوم ہوا ہے کہ اس ارادہ پر شریف صاحب اور شیبی صاحب عزم بالجزم کیے ہوئے تھے، مگر جناب شیخ محمد صاحب اور مولوی منور علی صاحب نے شیبی صاحب کو بہت سمجھایا اور کہا کہ آپ ایسا نہ کریں، بلکہ اس سے اس کے خیالات و عقائد دریافت کر لیں، شاید کہ اس نے ان سے توبہ کر لی ہو — یہ حضرت اگرچہ مجدد بریلوی صاحب سے خود بھی تکلیف شاقہ اٹھائے ہوئے تھے، مگر غیرت قومی نے ان کی گوارا نہ کیا کہ یہ قید خانہ کی سیر کرائے جاویں، ورنہ جملہ اہل ہند کی بدنامی ہوگی، کاش! یہ خیال ان کو دامن گیر نہ ہوتا — الحاصل اس رائے کو جب شیبی صاحب نے مان لیا تو شریف صاحب سے بھی اس پر زور دیا گیا؛ چنانچہ شریف صاحب نے کہا: اُن کے عقائد کے بارے میں اُن سے سوال کرو، چوں کہ کوئی رسالہ مجدد بریلوی صاحب کا اس وقت موجود نہ تھا، اس لیے فقط اس تقریظ کی نسبت جو انہوں نے کسی رام پوری نام کے مولوی کے رسالہ کے اخیر میں لکھی ہے، اس میں ان سے تین سوال قائم کیے گئے۔

اول: یہ کہ تم نے یہ لکھا کہ رسول اللہ ﷺ کو ازل سے ابد تک کی جملہ چیزیں معلوم ہیں۔ دوم: یہ لکھا کہ مثقال ذرہ بھی آپ ﷺ سے غائب نہیں۔ سوم: یہ کہ تم نے آخر تقریظ میں لکھا ہے: وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مَنْ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظّٰهَرُ وَالْبَاطِنُ، ان تینوں باتوں کی تفصیل اور جواب لکھو اور اپنا عقیدہ ظاہر کرو، اور جب تک اس کا جواب نہ

دیدو، اس وقت تک تم کو یہاں سے سفر کرنے کی اجازت نہیں، حالانکہ مجدد بریلوی صاحب حج سے فارغ ہو چکے تھے، مگر اس حکم کے آتے ہی سفر کرنے سے بند کر دیے گئے، اور ایک قسم کی قید میں پڑ گئے، بہت سٹ پٹائے، لینے کے دینے پڑ گئے کہ کہاں آئے تھے جناب مولانا خلیل احمد صاحب سلمہ کی فکر میں یہاں خود ہی پھنس گئے، آٹھ، دس روز تک اسی شش و پنج اور فکر و الم میں رہے کہ کس طرح اس گردابِ بلا سے نکلوں اور کیوں کر چھٹکارا ہو؟! ہندوستان ہوتا تو شریف، شیبی، اہل مکہ سمجھوں کی تکفیر کر کے ایک ہی تلوار سے قتل کر ڈالتا، مگر ہائے کیا کروں؟! حجاز ہے، دوسرا ملک ہے، یہاں آزادی نہیں، افسوس ریل بھی نہیں کہ بھاگ جاؤں، پر بھی نہیں کہ اڑ جاؤں، اگر اقرار کرتا ہوں تو قید خانہ اژدہا جیسا منہ لیے ہوئے تیار ہے، اور اگر انکار کرتا ہوں تو رسالہ مع مہر و دستخط کے موجود ہے، پھر معتقدین کو کیا منہ دکھاؤں گا؟! برسوں کی محنت برباد ہوئی جاتی ہے، مگر جب کوئی صورت خلاصی کی نہ ہوئی تو اپنا اصل پیشہ اور ذاتی عمل کام میں لائے خلط ملط اور گڑبڑ عمل کیا۔

اول سوال کا جواب لکھا کہ ازل وابد سے میری مراد وہ نہیں ہے جو کتبِ دینیہ اور دفاتر کلامیہ میں لیا جاتا ہے، میری مراد ازل سے ابتدائے دنیا ہے، اور ابد سے انتہائے دنیا، ماشاء اللہ، سبحان اللہ!!

صاحبو! ذرا سوچنے کی بات ہے کہ یہ کس قدر فریب دہی اور مکر کی بات ہے!! جب مسائلِ دینیہ خصوصاً عقائد میں لفظ ”ازل“ کا آتا ہے، اس کے یہی معنی ہوتے ہیں: ما لا ابتداء له یعنی جس کی ابتداء نہ ہو، اور اسی لیے خداوند کریم لفظ ازل اور ابدی سے موصوف ہوتا ہے، مجدد صاحب تفسیلِ عالم کے واسطے عقیدہ تحریر کریں، اور ایک من گھڑت معنی اپنے دل میں لے لیں، بھلا اس کا کیوں کر اعتبار ہو سکتا ہے؟ آپ ہی فرمائیں کہ کوئی بولے لفظ آنب (آم) کا، اور اس سے املی مراد لیوے تو کوئی اس کی بات مان سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، مگر ایسا نہ کرتے تو مساواتِ علم رسول ﷺ اور علم الہی کے مواخذہ میں گرفتار بھی ہو جاتے۔

دوسرے سوال کا جواب یہ دیا کہ ”مشقال ذرہ“ نہیں کہا ہے، ترجمہ اردو سے عربی میں

غلط کیا گیا ہے۔

حضرات! ذرا اس مکر اور خداع کو خیال کیجئے، اس عبارت میں لفظ ”ذره بھر“ کا موجود ہے، پھر عربی میں اس کا ترجمہ: مقدار ذرہ و مثقال ذرہ نہیں تو اور کیا ہے؟ دیکھو کتب لغت اور محاورات عرب کو کہ مثقال ذرہ اور اس کے امثال میں لفظ مثقال کے معنی مقدار اور وزن کے ہیں یا نہیں؟ اگر یہ جھوٹ اور فریب نہ کرتے تو چھٹکارا کیوں کر ہوتا؟! حالانکہ خود ان کا اور ان کے مقلدین کا مذہب یہی ہے کہ کوئی چھوٹی اور بڑی چیز رسول مقبول ﷺ سے غائب نہیں، افسوس صد افسوس! کہ مثل ردافض تقیہ پر کمر باندھی اور جھوٹی باتیں بنائیں۔

تیسرے اعتراض کا جواب یہ دیا کہ عبارت میں چھاپہ والوں سے غلطی ہوئی ہے، میں نے یہ لکھا تھا: صَلَّى اللَّهُ عَلَىٰ مَنْ هُوَ مُظْهِرُ الْأَوَّلِ وَالْآخِرِ، مگر لفظ مُظْهِرِ کا رہ گیا۔

حضرات! ذرا غور فرمائیں کہ یہ کیا دھوکا دہی ہے؟ اس جواب سے ہر عاقل ان کا عاجز ہونا اور بغلیں جھانکنا اور فریب دینا سمجھ سکتا ہے، کیا جب رسالہ طبع ہونے کو گیا تھا کاپی کی تصحیح نہیں ہو سکتی تھی؟ ہم نے مانا کہ ایسا ہی ہوا تھا، مگر بعد چھپنے رسالہ کے جب آپ نے دیکھا یا آپ کے معتقدین نے تو غلط نامہ کیوں نہ چھپوا کر ملحق کر دیا تھا، تا کہ اس شرک صریح اور کفر خالص سے بچ جاتے، مگر جس کو نہ حیا ہو نہ جھوٹ بولنے سے کچھ گریز اس کو ایسی باتوں کی کیا پرواہ!؟

الحاصل یہ جوابات مع اظہار ان کے عقائد کے علم غیب میں شریف (مکہ) صاحب تک بعد ایک مدت کے پہنچے، جملہ اراکین سمجھ گئے کہ محض بات بنانا ہے، کیوں کہ تحقیق جو کیا تو جواب غلط تھا، ذرہ بھر کے معنی جس سے پوچھے سمجھوں نے مثقال ذرہ بتائے، ازل اور ابد کے معنی وہ خود ہی جانتے تھے، مگر ان کو اس کلام پر بھی بہت جوش آیا کہ وہ کہتا ہے: ابتدائے عالم سے انتہاء تک کہ جملہ ماکان و مایکون کا علم رسول اللہ ﷺ کو تھا، یہاں تک کہ شیخ شعیب مالکی سے جو آج کل مکہ معظمہ میں سب سے بڑے عالم ہیں، اور حلقہ درس بھی حرم شریف میں ان کے برابر کسی کا نہیں ہوتا ہے، اور نیز شیخ صالح کمال کی جو مجدد بریلوی کے وکیل مفوض اور مختار عام بڑی مشکل سے ہو گئے تھے، گفتگو سخت کی نوبت آئی، شیخ صالح کمال مجدد صاحب کی طرف داری کرتے تھے، اور یہ دونوں علماء (یعنی شیخ شعیبی،

اور شیخ شعیب) جملہ اس کے خیالات و عقائد کا رد بہ دلائل واضح کرتے تھے، اور بالآخر شیخ صالح کو جب کوئی جواب موقع کا نہ بن پڑا، اور ان دونوں نے ان کو الزام دیا کہ اہل ضلال کی طرف داری کرتے ہو؟ اور پہلے بھی تم نے ایسا اور ایسا فلاں وجہ سے کیا تھا، تو رنجیدہ اور کبیدہ خاطر ہو کر شریف صاحب سے ان دونوں حضرات کی بابت کہا کہ آپ کی مجلس میں مجھ کو یہ لوگ اس قدر ذلیل کرتے ہیں، شریف صاحب نے گفتگو کرنے سے ان لوگوں کو منع کر دیا، ان دونوں حضرات نے چاہا کہ اس شخص کو ضرور سزا ہونی چاہیے، تاہم خود عقائد فاسدہ سے توبہ کرے، مگر چونکہ شریف صاحب اپنی مجلس ہی میں جھگڑا دیکھ چکے تھے، انہوں نے فرمایا کہ اس شخص کو جلد یہاں سے نکال دینا چاہیے، تاکہ عوام پر اس کا کوئی اثر قبیح نہ پڑ جائے، چنانچہ وہاں سے حکم آیا کہ تم جلد یہاں سے چلے جاؤ، شریف صاحب کو جو جو طیش اور غضب اس شخص پر تھا، وہ حقارِ مجلس ہی بیان کر سکتے ہیں، مگر بہ خوف انتشار عوام، دوم بغرض رعایائے لاجنبیہ مناسب جانا کہ اس سے تعارض کرنا بہتر نہیں۔

(الشہاب الثاقب، ص: ۲۳-۲۶، کتب خانہ اعزازیہ دیوبند)

## فرنگی محل اور بدایونی علماء کی باری

پھر پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء کے بعد جب مقامات مقدسہ پر یورپ کی اتحادی طاقتوں کا قبضہ ہو گیا، اور خلافت اسلامیہ نزعہ میں آگئی اور ہندوستان میں تحریک خلافت اٹھی، اور یہاں تک کے نوے فیصد سے زیادہ علماء اپنے مسلکی اختلافات کو نظر انداز کر کے مقامات مقدسہ اور خلافت اسلامیہ کی حفاظت کے لیے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے، یہاں تک کہ وہ علمائے بدایوں بھی اس قافلہ میں شریک ہو گئے جو اب تک مولوی احمد رضا خاں کی تکفیری مہم میں ان کے پورے ہم نوار ہے تھے، تو مولوی احمد رضا خاں نے تحریک خلافت میں شریک ہونے والے ان تمام علماء کا نام ”فرقہ گاندھویہ“ رکھا، اور اپنی عادت کے مطابق ان کے خلاف رسالوں اور اشتہاروں کی جنگ شروع کر دی، اور اس جنگ میں اپنا خاص نشانہ حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی

لکھنوی اور علمائے بدایوں کو بنایا۔

## خاں صاحب کے بعد ان کی ذریت کا رویہ

خاں صاحب کا انتقال تو تحریکِ خلافت کے دور (۱۳۲۰ھ) میں ہو گیا؛ لیکن وہ اپنے بعد اپنے اخلاف کی ایک خاص ٹولی چھوڑ گئے جس نے ان کے اس تکفیری کاروبار کو اسی طرح جاری رکھا، اگر کوئی صاحب اس رضا خانی بریلوی تکفیری فتنہ کے حدودِ اربعہ کو جاننا چاہے تو اس کے لیے ان کو اس سلسلہ کی صرف ایک کتاب تَجَانِبُ أَهْلِ السُّنَّةِ عَنْ أَهْلِ الْفِتْنَةِ کا مطالعہ کافی ہوگا — یہ کتاب ہمارے نزدیک خاں صاحب کے تکفیری مشن کا پورا آئینہ اور بریلوی فرقہ کا صحیفہ جامعہ ہے۔

(ضمیمہ بریلوی فتنہ کا نیاروپ، ص: ۲۱۲ تا ۲۲۳)

## خاں صاحب کے زمانہ میں ہندوستان کے حالات

### اور خاں صاحب کی انگریز دوستی

پورے ہندوستان پر انگریزوں کا مکمل قبضہ تو پہلے ہی ہو چکا تھا؛ مگر ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں اور ہندوؤں نے مل کر آزادیِ وطن کے لیے جو آخری کوشش کی تھی وہ بھی ناکام ہو چکی تھی، لال قلعہ پر اسلامی پرچم کے بجائے یونین جیک لہرا ہا تھا، ایک ایک کر کے ہر شخص کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، یا جلا وطن کر دیا گیا تھا، جس نے آزادیِ وطن کے لیے تھوڑی بہت کوشش کی تھی، سیکڑوں علماء ہیں، جنہوں نے دارورسن کی مظلومانہ موت کو لبیک کہا اور جامِ شہادت نوش فرما کر ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئے تو ہندوستان کے طول و عرض پر عیسیٰ مسیح کے مذہب کا جھنڈا لہرانے کے شوق میں عیسائی پادری سانپ بچھو کی طرح ظلمتِ کدہ ہند کے چپہ چپہ میں ریٹننے لگے تھے، ۱۸۵۷ء میں ”لارڈ مین گلشن“ ممبر پارلیمنٹ برطانیہ نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ

”خدا نے ہمیں یہ دن دکھایا ہے کہ سلطنتِ ہندوستان، انگلستان کے زیر نگیں ہے؛ تاکہ عیسیٰ مسیح کی فتح کا جھنڈا ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک لہرائے، ہر شخص کو اپنی تمام تر قوت تمام ہندوستان کو عیسائی بنانے کے عظیم الشان کار کی تکمیل میں صرف کرنی چاہیے، اور اس میں کسی طرح تساہل نہیں کرنا چاہیے۔“ (مقام الحدید، ص: ۵)

یہ تھے ہندوستان کے حالات، ان حالات میں خاں صاحب بریلوی اِغْلَامُ الْأَعْلَامِ بَاکُ هِنْدُوسْتَانِ دَارُ الْإِسْلَامِ نامی کتابچہ لکھ کر اور ہزاروں کی تعداد میں شائع کر کے ہندوستان کو دارالاسلام بنانے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے، خاں صاحب خود اس کتابچہ کے صفحہ: ۲ پر لکھتے ہیں کہ

”ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہما؛ بلکہ علماء ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے مذہب پر ہندوستان دارالاسلام ہے، ہرگز دارالحرب نہیں۔“

غور کرنے کا مقام ہے کہ ایک طرف جابر برطانیہ کے ساتھ جہاد کرنے والوں اور اس کے شدید ترین مخالفین کی بلاوجہ تکفیر کی جارہی ہے تو دوسری طرف اس وقت کے ہندوستان کو جس پر حکومت برطانیہ کا تسلط تھا جو اسلام کے ایک ایک حلقہ کو توڑنے کے درپے تھی، دارالاسلام ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی جارہی ہے، ہر سمجھ دار آدمی اس سے بہ خوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ اگر یہ انگریزوں کے اشارہ پر نہیں ہو رہا تھا تو کیا یہ انگریزوں کی دوستی سے کم تر کوئی چیز تھی؟۔

## خاں صاحب کا وصال

مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی ۲۵/ صفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء دو بج کر اڑتیس منٹ پر دارالعمل سے کوچ کر کے دارالجزاء میں پہنچ گئے۔ اور شہر بریلی میں مدفون ہوئے۔ (اعلیٰ حضرت بریلوی اور سوانح اعلیٰ حضرت وغیرہ)



## خاں صاحب کی تصانیف کا تعارف

اس میں کوئی شک نہیں کہ خاں صاحب کثیر التصانیف اور بڑے لکھاڑ قسم کے آدمی تھے؛ مگر رضا خانی خاں صاحب کی تصانیف کی جتنی تعداد بیان کرتے ہیں، وہ مبالغہ سے خالی نہیں ہے؛ چنانچہ آج تک نہ کسی سوانح نگار نے خاں صاحب کی جملہ تصانیف کا مکمل تعارف پیش کیا ہے، نہ خاں صاحب کی جملہ تصانیف جن کا سوانح نگار تذکرہ کرتے ہیں طبع ہوئی ہیں؛ اس لیے ذیل میں خاں صاحب کی طبع شدہ مشہور تصانیف کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے:

(۱) العطايا النبوية في الفتاوى الرضوية: یہ خاں صاحب کے دارالافتاء سے صادر ہونے والے فتاویٰ اور مسائل کا مجموعہ ہے، جو کئی ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اور یہ خاں صاحب کا سب سے بڑا تصنیفی کارنامہ ہے۔

(۲) کنز الإیمان في ترجمة القرآن: یہ خاں صاحب کا ترجمہ کلام پاک ہے جو عام طور پر دستیاب ہے اور اس کے حاشیہ پر مولوی نعیم الدین مراد آبادی کی تفسیر خزانة العرفان في تفسیر القرآن ہے۔

(۳) احکام شریعت: اس میں مختلف مسائل ہیں اور تین حصوں پر مشتمل ہے۔

(۴) عرفان شریعت: اس میں بھی مختلف مسائل ہیں اور چند حصوں پر مشتمل ہے۔

(۵) فتاویٰ افریقہ: یہ فتاویٰ کا مجموعہ ہے اور اس کا پورا نام السنیة الأنیقة في فتاویٰ

افریقہ ہے۔

(۶) ملفوظات: یہ خاں صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔

(۷) وصایا شریف: اس میں خاں صاحب کے کچھ احوال اور ایک وصیت نامہ ہے۔

(۸) حدائق بخشش: یہ خاں صاحب کے اشعار کا مجموعہ ہے، اس کے کل تین حصے

ہیں؛ لیکن عام طور پر دو حصے دستیاب ہیں تیسرا حصہ جس کو مولوی حسمت علی خاں کے چھوٹے بھائی مولوی محبوب علی خاں لکھنوی نے مرتب کرا کے نابھ پریس نابھ (پنجاب)

سے شائع کیا ہے، وہ عام طور پر نہیں ملتا۔

(۹) مقاماتِ رضا۔

(۱۰) انوارِ رضا۔

(۱۱) ازکارِ حبیبِ رضا: یہ تینوں خاں صاحب کے مقالوں کے مجموعے ہیں۔

(۱۲) حسام الحرمین .

(۱۳) المعتمد المستند.

(۱۴) فتاویٰ الحرمین بر جف ندوة المین: ان تینوں کا تعارف پہلے گزر چکا ہے۔

(۱۵) إهلاك الوهابین علی توهین قبور المسلمین: اس میں قدیم قبرستان کی

جگہ مکان تعمیر کرنے کا حکم بیان کرتے ہوئے، وہابیوں کو خوب برا بھلا کہا گیا ہے۔

(۱۶) سَلُّ السَّيْفِ الهنديّة.

(۱۷) الكوكبة الشهابية: ان دونوں رسالوں میں ندوہ والوں اور حضرت مولانا

شاہ اسماعیل شہیدؒ کا کفر ثابت کیا گیا ہے۔

(۱۸) سُبُلُ الْأَصْفِيَاءِ فِي حَكْمِ الدُّبْحِ لِلْأَوْلِيَاءِ: اس میں اولیا کے نام پر جانور

ذبح کرنے کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

(۱۹) أْبْرُ الْمَقَالِ فِي اسْتِحْسَانِ قُبَلِ الْإِجْلَالِ: اس میں قدم بوسی وغیرہ کے

مستحسن ہونے کا بیان ہے۔

(۲۰) إِقَامَةُ الْقِيَامَةِ عَلَى طَاعِنِ الْقِيَامِ لِنَبِيِّ تَهَامَةَ: اس میں میلاد کے وقت قیام

کرنے کا ثبوت ہے۔

(۲۱) أَعْجَبُ الْإِمْدَادِ فِي مُكْفِرَاتِ حُقُوقِ الْعِبَادِ: اس میں بندوں کے باہمی

حقوق کا بیان ہے۔

(۲۲) بَدَلُ الْجَوَائِزِ عَلَى الدَّعَاءِ بَعْدَ صَلَاةِ الْجَنَائِزِ: اس میں نمازِ جنازہ کے بعد

دعا کرنے کا ثبوت ہے۔

(۲۳) شِفَاءُ الْوَالِدِ فِي صُورِ الْحَبِيبِ وَمَزَارِهِ وَنَعَالِهِ: اس میں یہ ثابت کیا گیا

- ہے کہ نعلین شریفین اور مقامات مقدسہ کے نقشے بنانا اور رکھنا جائز اور باعث برکت ہے۔
- (۲۴) لَمَعَةُ الضُّحَى فِي إِعْفَاءِ اللَّحَى: اس میں ڈاڑھی رکھنے کا وجوب اور منڈانے کی حرمت کو ثابت کیا گیا ہے۔
- (۲۵) مُنِيرُ الْعَيْنِ فِي حُكْمِ تَقْبِيلِ الْإِبْهَامَيْنِ: اس میں اذان و اقامت کے وقت انگوٹھے چومنے کا ثبوت ہے۔
- (۲۶) نَهْجَةُ السَّلَامَةِ فِي تَقْبِيلِ الْإِبْهَامَيْنِ فِي الْإِقَامَةِ: اس میں بھی انگوٹھے چومنے کا ثبوت ہے۔
- (۲۷) النَّهْيُ الْأَكِيدُ عَنِ الصَّلَاةِ وَرَاءَ عِدَايِ التَّقْلِيدِ، مَمْلُوقٌ بِهِ "كَاشِفٌ مَكَانِدِ لَانْدِهِبَا": اس میں غیر مقلدین کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم بیان کیا گیا ہے۔
- (۲۸) إِيْتَانُ الْأُرْوَاحِ لِذِيَارِهِمْ بَعْدَ الرُّوْحِ: اس میں روح کے پرواز کر جانے کے بعد اپنے گھر آنے کا بیان ہے۔
- (۲۹) الْحُجَّةُ الْفَائِحَةُ فِي تَطْيِيبِ التَّعْيِينِ وَالْفَائِحَةُ: اس میں فاتحہ، تیجا اور چالیسواں وغیرہ کا جواز ثابت کیا گیا ہے۔
- (۳۰) إِغْلَامُ الْأَعْلَامِ بِأَنَّ هِنْدُوسْتَانَ دَارُ الْإِسْلَامِ: اس میں حکومت برطانیہ کے زمانہ میں ہندوستان کے دارالحراب ہونے کی نفی اور دارالاسلام ہونے کا اثبات ہے۔
- (۳۱) صَفَائِحُ اللَّجِينِ فِي كَوْنِ التَّصَافِحِ بِكُفَى الْيَدَيْنِ: اس میں دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کا ثبوت ہے اور غیر مقلدین کا رد ہے۔
- (۳۲) جَلِيُّ الصَّوْتِ لِنَهْيِ الدُّعْوَةِ أَمَامَ الْمَوْتِ: اس میں میت کے گھر کھانا کھانے کو ناجائز ثابت کیا گیا ہے۔
- (۳۳) جُمْلُ النُّورِ فِي نَهْيِ النِّسَاءِ عَنِ زِيَارَةِ الْقُبُورِ: اس میں عورتوں کے لیے زیارت قبور کے لیے جانے کو ناجائز ثابت کیا گیا ہے۔
- (۳۴) بَرَكَاتُ الْإِمْدَادِ لِأَهْلِ الْاسْتِمْدَادِ: اس میں اہل اللہ سے استعانت و استمداد کا جواز ثابت کیا گیا ہے۔

(۳۵) سُبْحَانَ السُّبُوْحِ عَنْ عَيْبِ كِذْبٍ مَقْبُوْحٍ ، ملقب بہ ”دو صد تازیانہ بر فرق جھول زمانہ“ اس میں مسئلہ امکان کذب کا ابطال ہے۔

(۳۶) رسالہ تعزیہ داری: اس میں تعزیہ داری کی حرمت کو ثابت کیا گیا ہے۔

(۳۷) خالص الاعتقاد: اس میں ایک تمہید کے بعد حضور اکرم ﷺ کے لیے علم غیب

ثابت کیا گیا ہے، اس کی تمہید کا نام رِمَاْحُ الْقَهَّارِ عَلٰی كُفْرِ الْكُفَّارِ ہے۔

(۳۸) اِيْذَانُ الْاَجْرِ فِيْ اَذَانِ الْقَبْرِ: اس میں دفن کے وقت قبر پر اذان دینے کا

ثبوت ہے۔

(۳۹) الْاِنْتِبَاهُ فِيْ حَلِّ نِدَاءِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ: اس میں نعرہ رسالت کی حلت کو ثابت

کیا گیا ہے۔

(۴۰) الْاَمْنُ وَالْعُلٰى: اس میں حضور اکرم ﷺ کے مختار کل ہونے کو ثابت

کیا گیا ہے۔

(۴۱) تمہیدُ الْاِيْمَانِ: اس میں اکابر علمائے دیوبند کا کفر ثابت کیا گیا ہے۔

(۴۲) الصَّمْصَامُ عَلٰى مُشْكِكِ فِيْ اِيَةِ عُلُوْمِ الْاَرْحَامِ: اس میں علوم مافی

الارحام کو خدا کی ذات کے ساتھ خاص ہونے کا مطلب بیان کیا گیا ہے۔

(۴۳) خْتَمُ النَّبُوَّةِ: اس میں حضور اکرم ﷺ کی خاتمیت کا اثبات ہے۔

(۴۴) اَسْوَاءُ الْعِقَابِ عَلٰى الْمَسِيْحِ الْكُذَّابِ: اس میں غلام احمد قادیانی کے کفر کو

بہ چند وجوہ ثابت کیا گیا ہے۔

(۴۵) الدَّوْلَةُ الْمَكِّيَّةُ بِالْمَادَّةِ الْغَيْبِيَّةِ: اس میں حضور اکرم ﷺ کے لیے علم

غیب ثابت کیا گیا ہے۔

(۴۶) اَنْبَاءُ الْمَصْطَفٰى: اس میں بھی حضور اکرم ﷺ کے لیے علم غیب کو ثابت کیا

گیا ہے۔

## سلسلہ رضا خانیت کی اہم شخصیات کا تعارف

مولوی احمد رضا خاں کے تعارف کے بعد ان کے مکتب فکر کی ترویج و تبلیغ میں ممتاز اور نمایاں کارنامہ انجام دینے والوں کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) مولوی نعیم الدین مراد آبادی

رضا خانیوں کے نزدیک خاں صاحب کے بعد سب سے ممتاز قائد اور رہبر مولوی نعیم الدین مراد آبادی ہیں جو خاں صاحب کے ہم عصر تھے، یہ بھی خاں صاحب کی طرح حامیانِ توحید و سنت سے عداوت رکھتے تھے؛ چنانچہ انہوں نے خاں صاحب کی تائید میں چند کتابیں تحریر کر کے رضا خانیت کو خوب تقویت پہنچائی ہے؛ اسی لیے رضا خانی ان کو اپنا پیشوا سمجھتے ہیں اور صدرُ الافاضل کہتے ہیں، ان کی سب سے اہم تصنیف قرآن کریم کی وہ تفسیر ہے جو خزائنُ العرفان کے نام سے خاں صاحب کے ترجمہ کنز الایمان کے ساتھ شائع ہوئی ہے، دوسری تصنیف اُطیبُ البیان ہے جو تقویۃُ الایمان کے رد میں لکھی گئی ہے، تیسری الکلمۃُ العلیا ہے جس میں حضورِ اکرم ﷺ کے لیے علم غیب کو ثابت کیا گیا ہے اور فتاویٰ صدرُ الافاضل ان کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، انہوں نے مراد آباد میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا، جس کا نام پہلے ”مدرسہ اہل السنۃ“ رکھا تھا پھر بدل کر ”جامعہ نعیمیہ“ کر دیا جو مراد آباد میں آج بھی موجود ہے، اس مدرسہ کے فضلاء اپنے آپ کو نعیمی لکھتے ہیں، ان کی ولادت ۱۸۸۳ء میں اور وفات ۱۹۴۸ء میں ہوئی ہے۔

(۲) مولوی امجد علی اعظم گڈھی

رضا خانیوں میں دوسرے ممتاز قائد مولوی امجد علی ہیں، یہ گھوسی ضلع اعظم گڈھی میں پیدا ہوئے، اور مدرسہ حنفیہ جون پور میں تعلیم حاصل کر کے ۱۳۲۰ھ میں فارغ ہوئے، پھر بریلی میں ایک مدت قیام کر کے خاں صاحب سے خوب استفادہ کیا اور رضا خانیت کی تائید میں چند کتابیں لکھیں، ان کی سب سے اہم کتاب ”بہارِ شریعت“ ہے جو ”بہشتی زیور“ کے مقابلہ میں لکھی گئی ہے، اسی کارنامہ کی وجہ سے رضا خانی ان کو ”صدرُ الشریعہ“ کہتے

ہیں، ان کی وفات ۱۹۴۸ء مطابق ۱۳۶۸ھ میں ہوئی۔

(۳) مولوی حشمت علی پبلی بھتی

تیسرے بے باک اور بد زبان لیڈر مولوی حشمت علی ہیں، ان کی پیدائش لکھنؤ میں ہوئی، ابتدائی تعلیم مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ میں حاصل کی، پھر بریلی آ کر مولوی امجد علی سے بقیہ تعلیم حاصل کی، اور ۱۳۴۰ھ میں فارغ ہو کر رضا خانیت کی ترویج میں منہمک ہو گئے، یہ بہت بد زبان اور فحش گو تھے، حامیان تو حید و سنت کو بہت برا بھلا کہتے تھے؛ اس لیے رضا خانی ان کو ”مظہرِ اعلیٰ حضرت اور غیظ المنافقین“ کہتے ہیں، بالآخر ان کی زبان میں کینسر ہو گیا جس نے ان کو ۱۳۸۰ھ میں موت کے گھاٹ اتار دیا، اور پبلی بھیت میں مدفون ہوئے، ان کی مشہور کتاب ”اصلاحِ بہشتی زیور“ ہے، اور تجانبُ اهل السنۃ کے بارے میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ درحقیقت ان ہی کی تصنیف ہے؛ مگر مصلحیہ مولوی محمد طیب قادری کے نام سے شائع کی گئی ہے۔

(۴) مفتی احمد یار خاں نعیمی بدایونی

چوتھے ممتاز قائد مفتی احمد یار خاں ہیں، انہوں نے ابتدائی تعلیم بدایوں میں حاصل کی، پھر مولوی نعیم الدین مراد آبادی کی خدمت میں حاضر ہو کر تعلیم کی تکمیل کی؛ اس لیے یہ اپنے آپ کو ”نعیمی“ لکھتے ہیں، انہوں نے رضا خانیت کی ترویج میں کئی کتابیں لکھی ہیں، جن میں مشہور یہ ہیں:

(۱) علم القرآن

(۲) نورِ عرفان

(۳) جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ

(۴) رحمتِ الہ بہ وسیلہ اولیاء

(۵) سلطنتِ مصطفیٰ

(۶) فتاویٰ نعیمیہ

ان کی وفات ۱۹۷۱ء میں ہوئی ہے۔

## رضا خانیت و بریلویت

مولوی احمد رضا خاں صاحب نے حامیانِ توحید و سنت کے خلاف جو ہم شہر بریلی سے شروع کی تھی، اس نے بعد میں ایک مستقل مکتبِ فکر کی صورت اختیار کر لی، جس کو رضا خاں کی طرف منسوب کر کے ”رضا خانیت“ اور بریلی کی طرف منسوب کر کے ”بریلویت“ کہا جاتا ہے، اب رضا خانیت اور بریلویت ایک مستقل مکتبِ فکر کا نام ہے، جس کی بنیاد دو اموروں پر ہے: ایک انبیاء و اولیاء کی عقیدت و محبت میں حد سے زیادہ غلو کرنا اور دوسرے رسوم و بدعات کو ضعیف اور کمزور حتیٰ کہ موضوعِ احادیث کا سہارا لے کر جائز و مستحسن گردانا۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اس سے پہلے بھی دین سے ناواقف لوگ شرک آمیز عقائد اور بدعات کی طرف مائل ہوئے ہیں؛ مگر جب مجددِ دینِ ملت اور مصلحِ امت نے ان کو راہِ سنت سے آگاہ کیا تو انہوں نے اس سے توبہ کر لی اور بدعت کو چھوڑ کر راہِ سنت اختیار کر لی؛ کیونکہ اس سے پہلے شرکیہ عقائد اور بدعات کو سندِ جواز نہیں دی گئی تھی؛ لیکن خاں صاحب اور ان کے حامیوں کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے شرکیہ عقائد اور بدعات کو سندِ جواز دے کر ہدایت کی راہیں مسدود کر دیں۔ اب جاہل لوگ ان ہی خرافات و بدعات کو دین سمجھنے لگے ہیں اور حامیانِ توحید و سنت کو نعوذ باللہ کافر و مرتد بلکہ کافروں سے بدتر خیال کرتے ہیں، اس لیے علمائے دین کی سب سے اہم ذمہ داری یہ ہے کہ سنت و بدعت کی حدودِ اربعہ کو اچھی طرح سمجھیں اور لوگوں کو بتائیں کہ فلاں فلاں امور سنت ہیں اور فلاں فلاں چیزیں سنت کے دائرے سے خارج ہیں، ان سے اجتناب کرنا نہایت ضروری ہے۔

## رضا خانیت کی تردید میں کام کرنے والے حضرات

علمائے دیوبند میں سے جن حضرات نے رضا خانیت کی تردید میں کام کیا ہے، ان کی فہرست طویل ہے، ان سب کا تعارف پیش کرنا دشوار ہے، اس لیے ذیل میں صرف ان

حضرات کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے، جنہوں نے اس سلسلہ میں نمایاں اور اہم خدمات انجام دی ہیں اور جن کا پوری امت مسلمہ پر عظیم احسان ہے۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قُدس سِرُّہ آپ قصبہ گنگوہ میں ۶/ ذی قعدہ ۱۲۳۶ھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم گنگوہ ہی میں حاصل کی، اس کے بعد اپنے ماموں کے ہمراہ کرنال تشریف لے گئے، ان سے فارسی کی کتابیں پڑھیں، پھر مولوی محمد بخش رام پوری سے صرف و نحو کی کتابیں پڑھیں، ۱۲۶۱ھ میں دہلی تشریف لے گئے، اور حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی سے اکثر کتابیں اور بعض کتابیں مفتی صدر الدین آزرودہ سے پڑھیں، اور کتب حدیث شاہ عبدالغنی مجددی سے پڑھ کر ۱۲۶۷ھ میں فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی سے بیعت ہو گئے اور خلافت حاصل کی، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کے خلاف شاملی میں جنگ کی، اس جرم میں چھ ماہ جیل میں رہے، رہائی کے بعد درس و تدریس اور رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع فرمایا اور تادم حیات یہ سلسلہ جاری رہا، ۱۲۹۷ھ میں جب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قُدس سِرُّہ کا وصال ہو گیا تو آپ کو دارالعلوم دیوبند کا سرپرست منتخب کیا گیا، ۱۳۱۴ھ میں مظاہر علوم سہارنپور کے بھی سرپرست بنائے گئے، ۹/ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ بہ روز جمعہ اذ ان جمعہ کے بعد آپ کا وصال ہو گیا اور گنگوہ میں ایک باغ میں آسودہ خواب ہیں۔ آپ ہی نے سب سے پہلے رائج الوقت بدعات و خرافات سے لوگوں کو آگاہ کیا، اور دین کو بدعات و خرافات سے نکھار کر اصلی شکل و صورت میں لوگوں کے سامنے پیش کیا؛ اس لیے آپ بلاشبہ چودھویں صدی ہجری کے مجدد ہیں۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمہ اللہ

آپ کی پیدائش ۱۲۶۸ھ میں بریلی میں ہوئی، جہاں آپ کے والد ماجد مولانا



ذوالفقار علی صاحب "سرکاری محکمہ تعلیم سے وابستہ تھے، ابتدائی تعلیم اپنے چچا مولانا مہتاب علی صاحب" سے حاصل کی قدوری اور شرح تہذیب وغیرہ کتابیں پڑھ رہے تھے کہ دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا، آپ اس میں داخل ہو گئے دارالعلوم کے نصاب کی تکمیل کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی سے حدیث کی کتابیں پڑھیں، ۱۲۹۰ھ میں خود بانی دارالعلوم نے آپ کے سرپرستار فضیلت باندھی، ۱۲۹۱ھ میں مدرس چہارم کی حیثیت سے دارالعلوم میں آپ کا تقرر ہوا، جس سے بہ تدریج ترقی کر کے ۱۳۰۸ھ میں صدارت کے منصب پر فائز ہوئے، آپ کے دور صدارت میں دارالعلوم کو عالم گیر شہرت حاصل ہوئی۔

۱۳۳۰ھ میں حضرت شیخ الہند نے ہندوستان سے برطانوی اقتدار کو ختم کرنے کے لیے ایک اسکیم تیار کی، اس سلسلہ میں ۱۳۳۳ھ میں حجاز مقدس کا سفر کیا، غالب پاشا اور انور پاشا سے جو اس وقت ترکی کے وزیر جنگ تھے، ملاقات کر کے بعض اہم امور طے فرمائے، آپ حجاز سے براہ بغداد بلوچستان ہوتے ہوئے سرحد کے آزاد قبائل میں پہنچنا چاہتے تھے کہ اچانک جنگ عظیم کے دوران شریف حسین والی مکہ نے آپ کو گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کر دیا، حضرت شیخ الہند کے ساتھ حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا عزیز گل صاحب وغیرہ کو گرفتار کیا گیا، ان کو پہلے مصر، پھر مالٹا پہنچا دیا گیا، جنگ عظیم ختم ہونے پر آپ کو ہندوستان آنے کی اجازت ملی، ۲۰/ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ کو آپ ممبئی پہنچے، مالٹا سے واپسی کے بعد اگرچہ آپ کی صحت جواب دے چکی تھی اور قوی پیرانہ سالی کی وجہ سے نہایت ضعیف ہو چکے تھے؛ مگر اس کے باوجود آپ نے بڑی شد و مد کے ساتھ سیاسی کاموں میں حصہ لیا، طبیعت اس بارگراں کی متحمل نہ ہو سکی۔ جب حالت زیادہ تشویشناک ہو گئی تو بہ غرض علاج ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے یہاں دہلی لے جایا گیا۔ حکیم اجمل خاں بھی شریک علاج تھے؛ مگر وقت موعود آ پہنچا تھا، ۱۸/ ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ کی صبح کو داعی اجل کو لبیک کہا، جنازہ دہلی سے دیوبند لایا گیا اور اگلے روز "قبرستان قاسمی" میں آپ کو دفن کیا گیا۔

آپ کی فرقی باطلہ کی تردید میں متعدد کتابیں ہیں، رضا خانیت کے رد میں جُھنڈ المقل فی تنزیہ المعزّ والمذل آپ کی مشہور کتاب ہے۔

### حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ

آپ اپنے وطن انیٹھ میں ۱۲۶۹ھ میں پیدا ہوئے، آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، ابتدائی تعلیم انیٹھ اور نانوتہ میں حاصل کی، ۱۲۸۵ھ میں آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، چھ ماہ بعد مظاہر علوم سہارنپور چلے گئے، وہاں سے ۱۲۸۸ھ میں فارغ ہوئے، پھر ۱۲۸۹ھ میں دوبارہ دیوبند تشریف لائے اور فنون کی تکمیل فرمائی، دارالعلوم دیوبند سے علوم و فنون کی تکمیل کے بعد مظاہر علوم سہارنپور میں مدرس ہو گئے۔

۱۲۹۳ھ میں مولوی جمال الدین مدار المہام بھوپال کے اصرار پر آپ کو بھوپال بھیج دیا گیا؛ مگر وہاں آپ کا دل نہ لگا اور چند ماہ کے بعد حج کے لیے چلے گئے، واپسی کے بعد حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی نے آپ کو بھاول پور بھیج دیا، ۱۲۹۷ھ میں آپ نے دوبارہ حج کا ارادہ فرمایا، اس موقع پر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے جن سے آپ کو شرف بیعت حاصل تھا، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی کو لکھا کہ مولوی خلیل احمد حاضر خدمت ہو رہے ہیں، آپ ان کی حالت پر مطلع ہو کر مسرور ہوں گے، حضرت حاجی صاحب نے آپ کی باطنی حالت دیکھی تو بہت خوش ہوئے، اور سر سے دستار اتار کر سر پر رکھ دی اور اسی کے ساتھ اپنی جانب سے تحریری خلافت عطا فرمائی، بعد میں اس اجازت نامہ پر حضرت گنگوہی نے بھی دستخط فرمائے۔

حج سے واپسی کے بعد حضرت گنگوہی نے آپ کو مدرسہ مصباح العلوم بریلی کا صدر مدرس مقرر فرمایا، ۱۳۰۸ھ میں آپ دارالعلوم دیوبند مدرس ہو کر تشریف لائے، ۱۳۱۴ھ میں یہاں سے بہ حیثیت صدر مدرس مظاہر علوم سہارن پور تشریف لے گئے، ۱۳۲۵ھ میں آپ کو مظاہر علوم سہارنپور کا ناظم منتخب کیا گیا، ۱۳۴۴ھ میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے

گئے، ۱۵/ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں آسودہ خواب ہیں۔ آپ کی متعدد تصانیف ہیں، جن میں سب سے مشہور ابوداؤد شریف کی عربی شرح ”بذل المحمود“ ہے اور رضا خانیت کی تردید میں ”براہین قاطعہ“ اور ”المہند علی المہند نہایت عمدہ کتابیں ہیں۔

## حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ

آپ اپنے وطن تھانہ بھون میں ۵/ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ میں پیدا ہوئے، قرآن شریف حافظ حسین علی صاحب سے حفظ کیا، فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں اپنے وطن میں حضرت مولانا فتح محمد صاحب تھانوی سے پڑھیں، ۱۲۹۵ھ کے اواخر میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، ۱۲۹۹ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، تجوید و قراءت مکہ مکرمہ میں قاری محمد عبداللہ صاحب مہاجر کی سے پڑھی، شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی سے بیعت ہوئے اور خلافت پائی اور حضرت گنگوہی نے آپ کی اصلاح فرمائی۔

۱۳۰۰ھ میں پہلے مدرسہ فیض عام کانپور میں صدر مدرس مقرر ہوئے، پھر جامع العلوم کانپور کی مسند صدارت کو زینت بخشی، ۱۳۱۵ھ میں کانپور سے تھانہ بھون آگئے، اور بیعت و ارشاد، تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے، ہزاروں علماء و صلحاء اور عوام و خواص آپ سے بیعت ہوئے، سیکڑوں تصانیف اور مواعظ شائع ہوئے اور بہت بڑی مخلوق نے آپ سے ہدایت پائی۔

۱۵/رجب المرجب ۱۳۶۲ھ کی شب میں آپ کی وفات ہوئی اور تھانہ بھون میں اپنے ذاتی باغ میں حسب وصیت تدفین عمل میں آئی۔ بدعات و خرافات اور رضا خانیت کی تردید میں آپ کے فتاویٰ اور بے شمار مواعظ موجود ہیں۔

## حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری رحمہ اللہ

چاند پور ضلع بجنور آپ کا وطن تھا، ۱۳۰۲ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے، کامیاب استاذ اور مشہور واعظ تھے، مناظرہ میں اپنی مثال آپ تھے، عرصہ دارالازتک مدرسہ امدادیہ درجہ نگہ اور مراد آباد میں صدارت تدریس پر فائز رہے، دارالعلوم دیوبند میں نظامتِ تعلیم کے کچھ دنوں ذمہ دار رہے اور تدریس کے فرائض بھی انجام دیتے رہے، پھر اسفار کی کثرت کی وجہ سے آپ کو شعبہ تبلیغ کا ناظم بنا دیا گیا، ۱۳۵۰ھ میں دارالعلوم سے سبکدوش ہو کر درجہ نگہ (بہار) چلے گئے، وہاں کافی دنوں تک صدارت تدریس پر فائز رہے، اخیر عمر میں اپنے وطن میں قیام پذیر ہو گئے، اور وہیں ۱۳۷۱ھ میں وفات پائی، آپ نے رضا خانیت کے رد میں متعدد رسائل ارقام فرمائے ہیں جو ”رسائل چاند پوری“ کے نام سے مشہور ہیں، آپ کا ذاتی کتب خانہ آٹھ ہزار کتابوں پر مشتمل تھا، جسے ان کے صاحب زادے نے دارالعلوم دیوبند میں منتقل کر دیا۔

## شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ

آپ کا وطن الہ آباد پور، ٹانڈا، ضلع فیض آباد ہے، آپ کے والد محترم مولانا سید حبیب اللہ صاحب بانگر مو ضلع اناؤ میں ہیڈ ماسٹر تھے، وہیں آپ ۱۹/شوال ۱۲۹۶ھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم پرائمری اسکول میں حاصل کرنے کے بعد بارہ سال کی عمر میں (۱۳۰۹ھ) آپ دیوبند تشریف لائے، اور ابتدائی درجہ عربی میں داخلہ لیا ۱۳۱۶ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد والد بزرگ وار کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے، روانگی حجاز سے پہلے حضرت گنگوہیؒ سے آپ بیعت ہو چکے تھے، حجاز پہنچ کر مسجد نبوی میں حدیث شریف کا کامیاب درس دیا، پھر شیخ الہند کے ساتھ گرفتار ہو کر مالٹا چلے گئے، ۱۳۳۸ھ میں مالٹا سے ہندوستان واپس تشریف لائے، یہاں ملکی حالات کے پیش نظر سیاسی امور میں بھرپور حصہ لیا، اور ملک کی آزادی کے لیے

وہ سب کچھ کیا جو ایک محبِ وطن کو کرنا چاہیے، متعدد بار جیل جانا پڑا اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے، جب تک ملک کو آزاد نہیں کر لیا، ملک و ملت نے آپ کو ”شیخ الاسلام“ کے نام سے یاد کیا۔

۱۳۳۶ھ میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی علاحدگی کے بعد دارالعلوم دیوبند کی مسندِ صدارت پر فائز کیے گئے، اور آخر عمر تک اسی عہدہ پر قائم رہے، ۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ میں وفات پائی، اور ”قبرستان قاسمی“ میں آسودہ خواب ہیں، آپ کے ہزاروں شاگرد اور لاکھوں مرید ملک و بیرون ملک میں پھیلے ہوئے ہیں، آپ کی متعدد تصانیف ہیں، رضا خانیت کے رد میں الشہاب الثاقب آپ کی نہایت عمدہ تصنیف ہے۔

### حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

آپ کا وطن سنبھل ہے، وہیں ۱۸/ شوال المکرم ۱۳۲۳ھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم پہلے سنبھل میں اور کچھ دن مدرسہ عبدالرب دہلی میں حاصل کی، پھر دارالعلوم متو میں پڑھا، آخر میں دارالعلوم دیوبند میں دو سال رہ کر ۱۳۴۵ھ میں دورہ حدیث سے فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد امر وہہ کے مدرسہ چلہ میں تین سال درس دیا، چار سال تک دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں شیخ الحدیث رہے، ۱۳۵۳ھ میں بریلی سے ”الفرقان“ کے نام سے ایک ماہ نامہ جاری کیا اور رضا خانیت کی خوب تردید کی، اس کے علاوہ رضا خانیوں سے آپ نے کئی کامیاب مناظرے کیے، اور رضا خانیت کے رد میں متعدد کتابیں لکھیں، جن میں بوارق الغیب نہایت عمدہ کتاب ہے، آپ ۱۳۶۲ھ میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے، اور آخر عمر تک دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے رکن رہے اور ۲۷/ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

### حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ

آپ ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے علاقے میں حاصل کی، پھر

سیالکوٹ اور ملتان کے علماء سے استفادہ کیا، اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند تشریف لائے، اور ۱۳۶۱ھ-۱۹۴۱ء میں حضرت مدنی قدس سرہ سے دورہ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی، ۱۳۷۲ھ سے آخر عمر تک نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے، ۹/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ میں انتقال ہوا، آپ نے رضا خانیت کے رد میں کئی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں؛ بلکہ آپ کی زیادہ تر تصنیفات اسی موضوع پر ہیں اور بہت عام فہم ہیں۔

### رضا خانیت کے رد میں اہم کتابیں

رضا خانیت کے رد میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں سے اہم کتابوں کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے؛ تاکہ طلبہ اس سے استفادہ کریں:

(۱) براہین قاطعہ: یہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی تصنیف ہے، اور ”انوارِ ساطعہ“ کے رد میں لکھی گئی ہے، اس میں پہلے بدعت کی تعریف پھر بدعاتِ مروجہ کی تردید کی گئی ہے۔

(۲) المہند علی المفند: یہ بھی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی تصنیف ہے، اس میں علمائے حریمین شریفین کے ۲۶ سوالوں کے جوابات ہیں۔

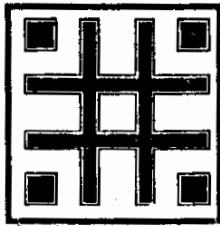
(۳) تنشیط الاذان: یہ بھی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی تصنیف ہے، اس میں اذانِ خطبہ مسجد کے اندر پڑھنے کا ثبوت ہے۔

(۴) جہد المقل: یہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی کی تصنیف ہے اس میں عموم قدرتِ باری تعالیٰ کو ثابت کیا گیا ہے، یعنی امکانِ کذب اور امکانِ نظیر کے مسئلہ پر بحث کی گئی ہے۔

(۵) الشہاب الثاقب: یہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کی تالیف ہے، حسام الحرمین میں مولوی احمد رضا خاں نے اکابر علمائے دیوبند کی طرف جن کفریہ عقائد کی نسبت کی تھی، ان کی تردید کی گئی ہے اور اکابر کی ان عبارتوں کا مطلب بیان

- کیا گیا ہے جن سے خاں صاحب نے دھوکا دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔
- (۶) السحاب المدرار: یہ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری کا رسالہ ہے، اس میں حفظ الایمان، براہین قاطعہ اور تحذیر الناس کی ان عبارتوں کی تشریح و توضیح کی گئی ہے جن کو کاٹ چھانٹ کر خاں صاحب نے اکابر علمائے دیوبند پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا۔
- (۷) الجئنة لأهل السنة: یہ مفتی عبدالغنی صاحب صدر مدرس مدرسہ امینیہ دہلی کی تصنیف ہے، اور رضا خانیت کے رد میں بہت مفصل اور عمدہ کتاب ہے۔
- (۸) بوارق الغیب: یہ مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ کی تصنیف ہے، اور علم غیب کے مسئلہ پر لا جواب کتاب ہے۔
- (۹) ازالة الريب: یہ مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صدر رحمہ اللہ کی تصنیف ہے، اور علم غیب کے مسئلہ پر بہت مفصل کتاب ہے۔
- (۱۰) راہ سنت: یہ بھی مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صدر کی تصنیف ہے، اس میں تمام بدعات مروجہ کی تردید کی گئی ہے۔
- (۱۱) اختلاف امت اور صراط مستقیم: کا وہ حصہ جو دیوبندی بریلوی اختلاف کی وضاحت کرتے ہوئے، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے، یہ رضا خانیت کے رد میں بہترین عام فہم کتاب ہے۔

تَمَّتْ بِالْخَيْرِ



# دوسرا محاضرہ

(سنت و بدعت کی پہچان)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قیام دارالعلوم کے وقت ہندوستان کا عمومی ماحول

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفَى وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ ا  
ہندوستان کی تاریخ میں تیرھویں صدی ہجری مسلمانوں کے لیے انتہائی پر آشوب دور ہے، ایک طرف انگریزوں کی دو سو سالہ حکومت نے مسلمانوں کو دینی اور دنیوی ہر اعتبار سے پستی کی انتہاء تک پہنچا دیا تھا، تو دوسری طرف برادرانِ وطن سے طویل اختلاط نے مسلمانوں کو رسوم و بدعات اور خرافات کا خوگر بنا دیا تھا، کہیں عیسائی پادری اور ہندو پنڈت مسلمانوں کو دین سے برگشتہ کرنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے، تو کہیں جاہل صوفیاء اور جاہ پرست نام نہاد علماء مسلمانوں کی دولتِ ایمانی کو اولیاء کے مزاروں پر بھیڑتے چڑھارہے تھے۔

الغرض ضلالت و گمراہی کا یہ عالم تھا کہ کوئی نیچریت و دہریت کو روشن خیالی سے تعبیر کر رہا تھا تو کوئی رسوم و بدعات و خرافات کو دین کا شعار سمجھ رہا تھا، کوئی حدیث کا منکر تھا، تو کوئی نبوت کا مدعی، ایک طرف عدم تقلید پھیل رہی تھی تو دوسری طرف قبر پرستی اور تعزیہ پرستی کی آندھیاں چل رہی تھیں، اور اسلام کی کسم پرسی کا عالم بالکل ایسا ہو چکا تھا، جیسا



حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت دینِ ابراہیمی کا تھا، حضرت مولانا عاشق الہی صاحب میرٹھی رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں کہ

”۱۲۳۲ھ..... وہ زمانہ تھا جس میں معصیت و بددینی کی گھنگھور گھٹائیں امنڈ امنڈ کر عالم کو محیط ہوتی جاتی تھیں، بطحائی پینمبر کے لگائے ہوئے باغیچہ کو ویران کرنے کی کوشش میں صرف دشمن ہی نہیں؛ بلکہ دوست نما اصحاب بھی لگے ہوئے تھے، بھولے بھالے مسلمان زمانہ کی روش کے ایسے غلام بن چکے تھے کہ قومی رسم اور برادرانہ رواج ان کو جس کروٹ لٹاتا، وہ لیٹتے اور جس پہلو بٹھاتا وہ بیٹھتے تھے، دین کی بے خبری جس کو جہالت کہا جاتا ہے، اکثر ایمان لائے ہوئے دلوں اور اسلام کا کلمہ پڑھی ہوئی زبانوں پر بھی اس قدر چھائی ہوئی تھی، جس طرح برسات کے موسم میں سیاہ اور گنجان بادل آفتاب پر چھا جاتے ہیں اور دن کو رات بنا چھوڑتے ہیں۔

غرض کچھ ایسی کایا پلٹی اور ظلمت برسی ہوئی تھی کہ بددینی کا نام دین تھا اور بربادی کا نام شادی، جہل کا نام علم تھا اور خرافات اور شعبدہ بازی کا نام کشف و کرامت۔“  
(تذکرۃ الرشید، حصہ اول، ص: ۹)

آگے تحریر فرماتے ہیں کہ

”جس طرح کسی زمانہ میں اہل عرب نے بیعت اللہ — زَاذَہَا اللہ شَرَفًا — کو ایام سال کی مقدار پر بتوں سے سجایا اور نیکو کاری سمجھا تھا، اسی طرح ہندوستان میں بددینی و بد عقیدگی کے گویا روزانہ نئے مختصرہ خیالات جزو اسلام بنائے جاتے، اور تائید دین متین سمجھی جاتی تھی، کسی طرف نیچریت کا غلبہ تھا اور کسی جانب اعتزال و دہریت کا، کہیں رفض و تشیع کا زور تھا اور کہیں خروج کا، ایک جانب عدم تقلید پھیل رہی تھی تو دوسری طرف قرآنیت اور مرزائیت کا بیج پڑ رہا تھا، یہاں ڈھولک و ستار کھڑک رہے تھے، تو وہاں بازاری عورتوں کے گانے پر وجود و حال گرم تھا، یہاں گور پرستی و تعزیہ پرستی ہو رہی ہے تو وہاں اولیاء اللہ کی توہین اور بدزبانی، غرض افراط و تفریط نے وہ مٹی خراب کر رکھی تھی کہ الامان! اور اعتدال سے محرومیت نے وہ ناس مار رکھا تھا کہ الحفیظ!“ (حوالہ سابقہ، ص: ۱۰)

تاریخ ہند کے اس تاریک ترین زمانہ میں اور ضلالت و گمراہی کے اس سیاہ ترین دور میں صادق و مصدوق ﷺ کی پیشین گوئی کے موافق مسلمانان ہند کی رشد و ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے دو شخصوں کا انتخاب فرمایا، ایک قاسم العلوم والخیرات حضرت اقدس مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قُدس سِرُّہ اور دوسرے فقیہ النفس قطب الارشاد حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قُدس سِرُّہ جن میں سے اول الذکر نے اسلام کا خارجی حملوں سے دفاع کرتے ہوئے، اصول دین کو نکھار کر لوگوں کے سامنے پیش کیا اور دشمنان اسلام کو ہر میدان میں شکست فاش دی، اور آخر الذکر نے داخلی اصلاحات کرتے ہوئے فروع دین کو رسوم و بدعات سے نکھار کر مسلمانان ہند کے سامنے صحیح شکل و صورت میں پیش کیا، اور مسلمانوں کو راہ سنت سے آگاہ فرمایا۔

### احیائے سنت اور حضرت گنگوہی قُدس سِرُّہ

ہمارے اس محاضرہ کا موضوع چونکہ ”سنت و بدعت“ ہے؛ اس لیے حضرت گنگوہی قُدس سِرُّہ کی داخلی اصلاحات کی قدرے تفصیل پیش کی جاتی ہے؛ تاکہ معلوم ہو جائے کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قُدس سِرُّہ نے احیائے سنت کے لیے کس طرح محنت کی تھی جو اس قدر بار آور ہوئی کہ پورے ہندوستان کا نقشہ بدل دیا گیا، اور جہاں بدعت و ضلالت کی تیز تند آندھیاں چل رہی تھیں، وہاں سنت و ہدایت کی پڑ بہار ہوائیں چلنے لگیں۔

حضرت گنگوہی نے داخلی اصلاحات کا فریضہ انجام دینے سے پہلے اپنے آپ کو علم و عمل اور اتباع سنت نبویہ کے زیور سے آراستہ کیا، اس طرح آپ کی ذات مبارکہ جہاں لوگوں کے لیے نمونہ عمل تھی، وہاں آپ کی بات اس قدر وقیع سمجھی جاتی تھی کہ دوست اور دشمن سبھی اس کو ماننے پر مجبور تھے۔

## پہلی امتیازی شان

اصلاح کے سلسلہ میں آپ کا طرزِ عمل یہ تھا کہ جس کی اصلاح مقصود ہوتی تھی، اس کی حیثیتِ عرفی کا پورا الحاظ رکھتے ہوئے، اس طرح نکیر فرماتے تھے کہ اس کو ناگوار معلوم نہ ہو، اور اظہارِ حق اور احیائے سنت کے وقت طعن و تشنیع اور تحقیر و تذلیل سے کلی اجتناب فرماتے تھے، چاہے مخاطب آپ سے چھوٹا اور کم رتبہ ہی کیوں نہ ہو؛ کیوں کہ مخالف پر طعن و تشنیع کرنا، اس کو حقیر و ذلیل سمجھنا، اکثر و بیشتر حق بات قبول کرنے سے اس کو روک دیتا ہے، اس سلسلہ کا ایک واقعہ پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ آپ کے طرزِ عمل کی اچھی طرح وضاحت ہو جائے، اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اصلاح کا یہ طریقہ کتنا موثر اور مفید ہوتا ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ پہلے میلاد وغیرہ بدعات کے سلسلہ میں نرم گوشہ رکھتے تھے، قطب الارشاد حضرت گنگوہی قدس سرہ کی اصلاحی کوششوں سے آپ نے مضبوط موقف اختیار کیا ہے، جانین سے اس سلسلہ میں کافی لمبی مکاتبت ہوئی ہے جو ”تذکرۃ الرشید“ وغیرہ کتابوں میں موجود ہے، اس کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت تھانوی کے تمام شکوک و شبہات کا کس قدر خندہ پیشانی سے ازالہ فرمایا، اور حضرت تھانوی پر کتنا عظیم احسان فرمایا ہے، خود حضرت تھانوی قدس سرہ ”یادیاں“ میں اس کی تفصیل یوں بیان فرماتے ہیں کہ

”میں مدت تک مسائلِ اختلافیہ میں اہل الحق و اہل البدعت کے متعلق باوجود صحتِ عقیدہ کے — الحمد للہ — ایک غلطی میں مبتلا رہا اور اس غلطی پر بہت سے خیالات اور بہت سے اعمال متفرع رہے یعنی بعض اعمال رسمہ مثلاً مجلس متعارف میلاد شریف و امثالہ سے جو محققین بعض مفاسد کی وجہ سے عوام الناس کو مطلقاً اور ان عوام الناس کے ساتھ خواص کو بھی روکتے ہیں — ان مفاسد کو تو میں ہمیشہ مذموم اور ان کے مباشر کو ہمیشہ مذموم سمجھتا تھا اور یہ صحتِ عقیدہ کی تھی اور عوام الناس کو ہمیشہ ان مفاسد پر متنبہ کرتا رہتا

تھا؛ لیکن یہ بات میرے خیال میں جم رہی تھی کہ علت نہی کی وہ مفاسد ہیں، جہاں علت نہ ہوگی معلول بھی نہ ہوگا، پس خواص جو کہ ان مفاسد سے مبرا ہیں، ان کو روکنے کی ضرورت نہیں، اور اسی طرح عوام الناس کو بھی علی الاطلاق روکنے کی حاجت نہیں؛ بلکہ ان کو نفسِ اعمال کی اجازت دے کر ان کے ان مفاسد کی اصلاح کر دینا چاہیے؛ بلکہ اس اجازت دینے میں یہ ترجیح اور مصلحت سمجھتا تھا کہ اس طریق سے تو عقیدہ کی بھی اصلاح ہو جائے گی، جس کا فساد مدار نہی ہے، اور بالکل منع کرنے میں عوام مخالف سمجھیں گے اور عقیدہ کی اصلاح بھی نہ ہوگی — ایک مدت اس حالت میں گزر گئی اور باوجود دائمی درس و تدریس فقہ و حدیث وغیرہما کے کبھی ذہن کو اس کے خلاف کی طرف انتقال والتفات نہیں ہوا، حضرت قدس اللہ سرہ کا شکر یہ کہ زبان سے ادا کروں کہ خود ہی غایتِ رافت و شفقت سے مولوی منور علی صاحب در بھنگوی مرحوم سے اس امر میں میری نسبت تائیف ظاہر فرمایا۔

اور اسی غلطی کے شعبوں میں سے ایک شعبہ یہ بھی واقع ہوا تھا کہ بعضے درویشوں سے جن کی حالت کا انطباق شریعت پر تکلف سے خالی نہ تھا — میں نے بہ خیال خُذْ مَا صَفَا وَ دَعْ مَا كَدِرْ بعض اذکار و اشغال کی تلقین بھی حاصل کر لی تھی اور آمد و رفت اور صحبت کا بھی اتفاق ہوتا تھا، اور لزوم مفاسد کی نسبت وہی خیال تھا کہ خواص کے عقائد خود درست ہوتے ہیں وہاں مفسدہ لازم نہیں، اور عوام کو حق و باطل پر تقریر متنبہ کرتے رہنا رفعِ مفسدہ کے لیے کافی ہے، سو حضرت نے خصوصیت کے ساتھ اس پر بھی تائیف ظاہر فرمایا — غایتِ کرم یہ قابلِ ملاحظہ ہے کہ جیسا حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ غایتِ کرم و حیا سے بالمشافہ کسی پر عتاب نہ فرماتے تھے، اسی طرح حضرت قُدَسَ سِرُّہُ نے باوجود حاضری کَرْمَہُ بَعْدَ مَرَّةٍ کے بالمشافہ کبھی اس سے تعرض نہیں فرمایا، اور اس سے زیادہ لطف و کرم یہ کہ اگر کبھی کسی نے اعتراض کیا تو میرے فعل میں تاویل اور اس کو مجملِ کسین پر محمول فرمایا۔

اور اسی غلطی کی ایک فرع یہ تھی کہ حضرت پیر و مرشد قبلہ و کعبہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تقریر در بابِ ممانعتِ تنازع و اختلافِ مسائلِ معہودہ میں اجمالاً ارشاد فرمائی

اور مجھ کو اس کی تفصیل کا حکم دیا؛ چونکہ میرے ذہن میں وہی خیال جما ہوا تھا، اس کی تفصیل بھی اسی کے موافق عنوان سے چیز تحریر میں لایا، اور حضرت حاجی صاحبؒ کے حضور میں اس کو سنایا چونکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو — بہ وجہ لزوم خلوت و قلت اختلاط مع العوام و بناء برغلبہ حسن ظن — عوام کی حالت اور جہالت اور ضلالت پر پورا التفات نہ تھا، لامحالہ اس مفصل تقریر کو پسند فرمایا اور کہیں کہیں اس میں اصلاح اور کمی بیشی بھی فرمائی، اور ہر چند کہ وہ عنوان میرا تھا، مگر چونکہ اصل معنون حضرتؒ نے از خود ارشاد فرما کر قلم بند کرنے کا حکم دیا تھا، لہذا حضرت نے اس تقریر کو اپنی ہی طرف سے لکھوایا اور خود اپنے دستخط و مہر سے مزین فرمایا، اور اپنی طرف سے اشاعت کی اجازت دی جو بہ عنوان ”فیصلہ بہفت مسئلہ“ شائع کر دیا گیا، جس کو بعض کم سمجھوں نے اپنی بدعات کا مؤید سمجھا، و انہی لہم ذلك؟! کیوں کہ ان مفاسد کا اس میں بھی صراحتہ رد ہے، صرف خوش عقیدہ، خوش فہم لوگوں کو البتہ رخصت و وسعت اس میں مذکور ہے، جس کا مبنی وہی خیال مذکور ہے کہ عوام کے مفاسد کا خواص پر کیوں اثر پڑے۔

غرض حضرت قدس اللہ سرہ نے اس سب کے متعلق مولوی منور علی صاحب سے تذکرہ فرمایا، مولوی صاحب نے احقر سے ذکر کیا تو حضرت کے قوت فیضان سے اجمالاً تو مجھ کو فوراً اپنی غلطی پر تائب ہو گیا؛ لیکن زیادہ بصیرت کے لیے میں نے اس بارے میں مکاتبت کی بھی ضرورت سمجھی؛ چنانچہ چند بار جانین سے تحریرات ہوئیں اور وہ تحریرات سوانح میں چھپ چکی ہیں۔

بالجملہ نتیجہ یہ ہوا کہ مجھ کو بصیرت و تحقیق کے ساتھ اپنی غلطی پر بفضلہ تعالیٰ اطلاع ہو گئی، اور اس پر اطلاع ہونے سے ایک بابِ عظیم علم کا جو کہ مدت تک مغلق تھا مفتوح ہو گیا، جس کا مُلخص یہ ہے کہ مدارِ نبی فی الواقع فسادِ عقیدہ ہی ہے؛ لیکن فسادِ عقیدہ عام ہے خواہ فاعل اس کا مباشر ہو، خواہ اس کا سبب ہو، پس فاعل اگر جاہل عامی ہے تو خود اسی کا عقیدہ فاسد ہوگا، اگر وہ خواص میں سے ہے تو گو وہ خود صحیح العقیدہ ہو؛ مگر اس کے سبب سے دوسرے عوام کا عقیدہ فاسد ہوگا اور فساد کا سبب بننا بھی ممنوع ہے اور گو تقریر سے اس

فساد پر تنبیہ عوام کی ممکن ہے؛ مگر کل عوام کی اس سے اصلاح نہیں ہوتی، اور نہ سب تک اس کی تقریر پہنچتی ہے، پس اگر کسی عامی نے اس خاص کا فاعل ہونا سنا، اور اصلاح کا مضمون اس تک نہ پہنچا، تو یہ شخص اس عامی کے ضلال کا سبب بن گیا، اور ظاہر ہے کہ اگر ایک کی ضلالت کا بھی کوئی شخص سبب بن جائے تو برا ہے، اور ہر چند کہ بعض مصلحتیں بھی فعل میں ہوں؛ لیکن قاعدہ یہ ہے کہ جس فعل میں مصلحت اور مفسدہ دونوں مجتمع ہوں اور وہ فعل شرعاً مطلوب بالذات نہ ہو، وہاں اس فعل ہی کو ترک کر دیا جائے گا؛ پس اس قاعدہ کی بناء پر ان مصلحتوں کی تحصیل کا اہتمام نہ کریں گے؛ بلکہ ان مفسدہ سے احتراز کے لیے اس فعل کو ترک کر دیں گے؛ البتہ جو فعل ضروری ہے اور اس میں مفسدہ پیش آویں، وہاں اس فعل کو ترک نہ کریں گے؛ بلکہ حتی الامکان ان مفسدہ کی اصلاح کی جاوے گی؛ چنانچہ احادیثِ نبویہ و مسائلِ فقہیہ سے یہ سب احکام و قواعد ظاہر ہیں، ماہر پر مخفی نہیں۔“

(یادیا راں، ص: ۷-۱۰)

## دوسری امتیازی شان

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کی اصلاح امت کے سلسلہ میں دوسری امتیازی شان یہ تھی کہ آپ غلط اور منکربات کو بالکل برداشت نہیں کرتے تھے، ملامت کی پروا کیے بغیر جو بات آپ قرآن و حدیث کی روشنی میں حق سمجھتے تھے، اس کا برملا اور کھلم کھلا اظہار فرماتے تھے، اور ایسا طرز اختیار فرماتے تھے کہ کسی کو آپ کے عمل سے غلط فہمی نہ ہو؛ چنانچہ جب حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی ”کارسالہ فیصلہ ہفت مسئلہ“ جو درحقیقت حضرت تھانویؒ کا لکھا ہوا ہے، حضرت گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں کسی نے پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ

”اسے حمام میں جھونک دو“ — کسی نے کہا کہ اپنے شیخ کا رسالہ حمام میں جھونک رہے ہیں! فرمایا کہ شیخ کے ہاتھ پر ہم نے جو بیعت کی ہے، وہ تصوف میں کی ہے، فقہ میں نہیں کی ہے، فقہ میں وہ ہمارے تابع ہیں“ (۱) (مجالس حکیم الاسلام، ص: ۱۲۹)

(۱) ضیاء القلوب میں حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے حضرت گنگوہیؒ کے

الحاصل قطب الارشاد مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ نے جہاں خیر خواہی کے ساتھ مسلمانوں کو بدعات مروجہ سے آگاہ کیا، وہاں ایسا عملی نمونہ بھی پیش فرمایا کہ کسی کو آپ کے عمل سے حق و باطل اور سنت و بدعت کے سمجھنے میں ادنیٰ التباس و اشتباہ نہ ہو۔

## احیائے سنت اور اکابرین دارالعلوم دیوبند

اور انہی دو بنیادی باتوں کو حضرت گنگوہیؒ کے بعد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف

== کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، اس سے حضرت گنگوہیؒ کے ارشاد کی مکمل تائید ہوتی ہے۔

آپ لکھتے ہیں کہ

”و نیز ہر کس ازیں فقیر محبت و عقیدت و ارادت دارد، مولوی رشید احمد صاحب سلمہ و مولوی محمد قاسم سلمہ را کہ جامع جمیع کمالات علوم ظاہری و باطنی اند بجائے من فقیر راقم اوراق، بلکہ بہ مدارج فوق از من شمارند، اگر چه بظاہر معاملہ برعکس شد کہ اوشاں بجائے من، و من بہ مقام اوشاں شد“ (ضیاء القلوب، ص: ۶۰)

ترجمہ: اور نیز ہر شخص جو اس فقیر سے محبت و عقیدت اور ارادت رکھتا ہے، وہ مولوی رشید احمد صاحب سلمہ اور مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ کو جو تمام کمالات علوم ظاہری اور باطنی کے جامع ہیں، مجھ فقیر راقم الحروف کی جگہ بلکہ بہ درجہ او پر خیال کرے، اگر چه بہ ظاہر معاملہ برعکس ہو گیا ہے کہ وہ میری جگہ اور میں ان کی جگہ ہو گیا۔

نیز حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے رسالہ ”فیصلہ ہفت مسئلہ“ کے آخر میں جو وصیت فرمائی ہے، اس سے بھی حضرت گنگوہیؒ کے ارشاد کی تائید ہوتی ہے، آپ وصیت فرماتے ہیں کہ

”اور اس تمام تحقیق کے بعد بھی فقیر کی یہ وصیت ہے کہ ظلیات میں اپنے علم و تحقیق پر وثوق نہ کریں، اور اہل اللہ کی صحبت و خدمت اختیار کریں، خصوصاً عزیزی مولوی رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے وجود بابرکت کو، ہندوستان میں غنیمت کبریٰ و نعمت عظمیٰ سمجھ کر ان سے فیوض و برکات حاصل کریں کہ مولوی صاحب موصوف جامع کمالات ظاہری اور باطنی کے ہیں“۔

(فیصلہ ہفت مسئلہ، ص: ۱۲)

علی صاحب تھانویؒ نے اپنا کراہیائے سنت کے سلسلہ میں وہ کارہائے نمایاں انجام دے جو محتاج بیان نہیں — اور حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ اجل محدث جلیل حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ نے ایک طرف حضرت گنگوہیؒ کے ایماء پر ”براہین قاطعہ“ تصنیف فرما کر بدعاتِ مروجہ سے لوگوں کو آگاہ کیا تو دوسری طرف علمائے حرمین شریفین کے چھبیس سوالوں کے جواب باصواب تحریر فرما کر مسلک دارالعلوم کی ایسی وضاحت فرمائی کہ حرمین شریفین اور مصر و شام کے علماء نے نہ صرف خراج تحسین پیش کیا؛ بلکہ تصدیقات سے بھی اس کو مزین کیا — اور قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ قدس سرہ کا چونکہ قیام دارالعلوم کے بعد بہت جلد انتقال ہو گیا تھا، اس لیے آپ داخلی اصلاحات کی طرف خصوصی توجہ نہ فرما سکے؛ لیکن خارجی حملوں سے اسلام کا دفاع کرتے ہوئے آپ نے اصول دین کو نکھارا ہے، وہ آپ کی اتنی عظیم خدمت ہے کہ اس کا کوئی بدل پیش نہیں کیا جاسکتا — اور حامیان بدعت نے جب ان اکابر پر بے بنیاد الزام لگا کر ان کو بدنام کرنے کی ناکام کوشش کی تو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ نے اپنی مایہ ناز کتاب ”الشہاب الثاقب“ تصنیف فرما کر حامیان بدعت کی جعل سازی کو عالم آشکارا کر دیا، اور مذکورہ چاروں اکابر کی طرف جو غلط عقیدے منسوب کیے گئے تھے، ان کی مکمل تردید کر کے لوگوں کے دلوں میں ان کی عقیدت کو راسخ فرما دیا — اور جب حامیان بدعت نے یہ پروپیگنڈہ شروع کیا کہ دیوبندی خدا کو جھوٹا کہتے ہیں تو شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمہ اللہ نے جُھنڈ المقل فی تنزیہ المعز والمذل لکھ کر اس کی مکمل تردید فرمائی۔

یہ ہیں دارالعلوم دیوبند کے اکابر کی اہیائے سنت کے سلسلہ میں خدماتِ جلیلہ اور انہی اکابر کے نقش قدم پر چل کر قرآن و حدیث کی روشنی میں لوگوں کو حق و باطل اور سنت و بدعت سے آگاہ کرنا دارالعلوم دیوبند کا بنیادی مقصد ہے ۔

یوں سینہ گیتی پر روشن اسلاف کا یہ کر دار رہے  
آنکھوں میں رہیں انوارِ حرم، سینہ میں دل بے دار رہے



## بدعت کے اسباب اور علماء کی ذمہ داریاں

سنت و بدعت کی حقیقت جاننے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ امت میں بدعات کیسے پھیلتی ہیں؟ اور اس سلسلہ میں علمائے حقانی کی کیا ذمہ داری ہے؟

### (۱) جہالت

امت میں جو بدعات پھیلتی ہیں، اس کے متعدد اسباب و محرکات ہیں، ان میں سب سے اہم سبب جہالت ہے، یعنی لوگوں کا دین سے ناواقف ہونا اور بدعت کی قباحت کو نہ پہچاننا؛ کیونکہ بدعت میں گو نہ ظاہری خوبی اور نمائشی حسن ہوتا ہے، ناواقف آدمی اس کی ظاہری خوبی اور نمائشی حسن کو دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے اور باطن میں جو خرابیاں ہوتی ہیں، اس کی طرف اس کی نظر نہیں جاتی، لہذا علمائے حقانی کا یہ فریضہ ہے کہ بدعات میں جو خرابیاں ہیں، وہ لوگوں کو بتائیں اور بدعات سے بچنے کی لوگوں کو تاکید کریں۔

### (۲) غیروں کی تقلید

بدعات کے پھیلنے کا دوسرا اہم سبب غیروں کی تقلید ہے، تمدن و معاشرت کا یہ ایک فطری اصول ہے کہ جب مختلف تہذیبوں کا امتزاج ہوتا ہے تو غیر شعوری طور پر ایک تہذیب دوسری تہذیب کو متاثر کرتی ہے؛ اس لیے جو قوم اپنے تہذیبی خصائص کے تحفظ کا اہتمام نہیں کرتی، وہ اپنے بہت سے امتیازی اوصاف کھو بیٹھتی ہے، خصوصاً جو تہذیب مفتوح و مغلوب ہوتی ہے، وہ فاتح اور غالب تہذیب کے سامنے سپر ڈال دیتی ہے، مسلمان جب تک غالب و فاتح رہے اور ان میں اپنے تہذیبی خصائص کے تحفظ کی توجہ نہ رہی، اس وقت تک وہ دوسری تہذیبوں پر اثر انداز ہوتے رہے؛ لیکن جب ان کی ایمانی حرارت ٹھنڈی پڑ گئی اور ان میں مِنْ حَيْثُ الْقَوْمِ اپنے خصائص کے تحفظ کا ولولہ نہ رہا تو وہ خود دوسری تہذیبوں سے متاثر ہونے لگے اور جدید میں مسلمانوں کا انگریزی

تہذیب سے متاثر ہونا، اس کی کافی شہادت ہے — اس سلسلہ میں علماء پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو اسلامی تہذیب سے آگاہ کریں اور اس کی خوبیاں سمجھائیں اور دوسری تہذیبوں سے دور رہنے کی تاکید کرتے رہیں۔

### (۳) شہرت پسندی

بدعات کے شیوع کا تیسرا سبب حب جاہ اور شہرت پسندی کا جذبہ ہے، یہ ایک نفسیاتی بیماری ہے کہ لوگ ہر نئی چیز کو — بہ شرطے کہ اس پر کوئی خوش نما غلاف چڑھادیا گیا ہو — دوڑ کر اُچکتے ہیں، اس لیے شہرت پسندی کے خواہاں دین میں جدتیں پیدا کرتے اور بدعتیں ایجاد کرتے رہتے ہیں؛ اس لیے علمائے حقانی کا فرض منصبی ہے کہ جاہ پرست علماء اور شہرت پسند صوفیاء کی ایجاد کردہ بدعتوں سے لوگوں کو آگاہ کریں۔

### (۴) مد اہمکت

بدعات کے پھیلنے کا چوتھا سبب مُدَاہَنَتٌ فِی الدِّینِ ہے یعنی علماء کا غلط اور منکر باتوں پر نکیر نہ کرنا، اور چشم پوشی سے کام لینا کیوں کہ جب علماء غلط اور منکر باتوں پر نکیر نہیں کریں گے اور چشم پوشی سے کام لیں گے تو معتقدین سکوت کو جواز پر محمول کر کے اُن منکرات پر بے جھجک عمل شروع کر دیں گے؛ اس لیے علمائے حقانی پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ خیر خواہی کے جذبہ سے شفقت و مہربانی کے ساتھ لوگوں کو بھلی باتوں سے اور سنت سے آگاہ کریں، اور بدعات و منکرات پر نکیر کرتے رہیں، ارشادِ بانی ہے:

﴿وَلَتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ

عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (سورہ آل عمران، آیت: ۱۰۴)

ترجمہ: تم میں ایک جماعت ضرور ایسی ہونی چاہیے، جو خیر کی طرف بلا لیا کرے اور نیک کام کرنے کو کہا کرے اور برے کاموں سے روکا کرے اور ایسے ہی لوگ پورے کامیاب ہیں۔

## (۵) اتباعِ ہوی

بدعات کے پھیلنے کا ایک اہم سبب اتباعِ ہوی یعنی خواہشِ نفس کی پیروی ہے، دنیا میں جتنی قومیں گمراہ ہوئی ہیں ان کا واحد سبب اتباعِ ہوی ہے؛ اس لیے شریعت نے لوگوں کو خواہشِ نفس کی پیروی کرنے سے سختی کے ساتھ روکا ہے؛ مگر پھر بھی وقتاً فوقتاً کچھ لوگ ایسے پیدا ہوتے رہتے ہیں، جو خواہشِ نفس کی پیروی کر کے خود بھی گمراہ ہوتے ہیں، اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں؛ اس لیے علمائے حقانی کا یہ فریضہ ہے کہ لوگوں کو گمراہ جماعتوں سے آگاہ کرتے رہیں، اور ان کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں کی تردید میں کوتاہی نہ کریں۔

## سنت و بدعت کی بحث

سنت کی اہمیت و فضیلت اور بدعت کی قباحت و شناعیت اظہر من الشمس ہے، ارشادِ ربانی ہے:

﴿ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴾ (سورہ آل عمران، آیت: ۳۱)

ترجمہ: آپ فرمادیجیے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دیں گے، اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے اور مہربان ہیں۔

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ﴾ (سورہ نساء، آیت: ۸۰)

ترجمہ: جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جو شخص روگردانی کرے سو ہم نے آپ کو ان کا نگراں بنا کر نہیں بھیجا۔

اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا

أَعْمَالَكُمْ﴾ (سورہ محمد، آیت: ۳۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو، اور (اللہ اور رسول کی مخالفت کر کے) اپنے اعمال کو برباد مت کرو۔

نیز ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَنْهَاكُمْ عَنْهُ فَأَنْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ

اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ (سورہ حشر، آیت: ۷)

ترجمہ: اور رسول تم کو جو کچھ دیں اس کو لے لو اور جس چیز سے تم کو روکیں اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو! بے شک اللہ تعالیٰ (مخالفت کرنے پر) سخت سزا دینے والا ہے۔

ان تمام آیات سے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت، اتباع اور امتثال امر کی اہمیت اور تاکید صاف معلوم ہوتی ہے، اور اللہ کے رسول ﷺ کے طریقہ کو چھوڑ کر دوسروں کا چلایا ہوا طریقہ اپنانا خواہ کلی طور پر ہو یا کسی خاص بات میں ممنوع ہے۔ ارشادِ باری ہے:

﴿إِنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ

عَنْ سَبِيلِهِ، ذَلِكَمُ وَصَّيْتُكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (أنعام، آیت: ۱۵۳)

ترجمہ: اور یہ دین میرا راستہ ہے، جو سیدھا ہے، پس تم اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی، اس کا تم کو اللہ نے تاکید دیا ہے؛ تاکہ تم دوسری راہوں سے بچو۔

نیز ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ

الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾

(سورہ نساء، آیت: ۱۱۵)

ترجمہ: اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا، اس کے بعد کہ اس کے سامنے ہدایت کا راستہ ظاہر ہو چکا ہے، اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے پر چلے گا

تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی۔

ان آیات قرآنی سے معلوم ہوا کہ راہ خداوندی، طریقہ نبوی اور سوا و اعظم کی روش کو چھوڑ کر کوئی اور روش اپنانا خواہ عقائد میں ہو یا اعمال میں، درجہ بہ درجہ نہایت ناپسندیدہ عمل ہے۔

قرآن کریم کے علاوہ احادیث شریفہ میں بھی سنت کی اہمیت اور بدعت کی قباحت کو مختلف انداز سے سمجھایا گیا ہے، ذیل میں چند حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وصیت کی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَوْصِيكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا، فَإِنَّهُ  
مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ  
الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمُهْدِيِّينَ، تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُوا عَلَيْهَا  
بِالنَّوَاجِدِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحَدَّثَاتِ الْأُمُورِ؛ فَإِنَّ كُلَّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ  
بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ. (مشکاۃ شریف، ص: ۳۰)

ترجمہ: میں تم کو تاکید حکم دیتا ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا اور امیر کی بات سننے اور اس کی اطاعت کرنے کا، اگرچہ وہ حبشی غلام ہو؛ کیوں کہ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا، وہ بہت اختلافات دیکھے گا، پس تم لازم پکڑو میری سنت کو اور ہدایت مآب خلفائے راشدین کی سنت کو، مضبوطی سے تھام لو اس کو اور ڈاڑھوں سے پکڑ لو اس کو، اور نئی نئی باتوں سے بچو؛ کیونکہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

(۲) اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ، وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ، وَشَرُّ  
الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا، وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ. (مشکاۃ شریف، ص: ۲۷)

ترجمہ: بہترین بات اللہ کا کلام (قرآن مجید) ہے، اور بہترین طریقہ زندگی محمد

ﷺ کا طریقہ زندگی ہے، اور بدترین چیز بدعات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبِي، قِيلَ: وَمَنْ أَبِي؟ قَالَ: مَنْ

أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبِي. (حوالہ بالا)

ترجمہ: میری پوری امت جنت میں داخل ہوگی؛ مگر جس نے انکار کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کس نے انکار کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَا بَنِيَّ إِنْ قَدَرْتَ أَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ وَلَيْسَ فِي قَلْبِكَ غَشٌّ لِأَحَدٍ

فَأَفْعَلْ، ثُمَّ قَالَ: يَا بَنِيَّ! أَوْ ذَلِكَ مِنْ سُنَّتِي وَمَنْ أَحَبَّ سُنَّتِي فَقَدْ

أَحَبَّنِي وَمَنْ أَحَبَّنِي كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ. (مشكاة شريف، ص: ۳۰)

ترجمہ: اے بیٹے! اگر تو قدرت رکھتا ہے کہ صبح اور شام اس حال میں کرے کہ تیرے دل میں کسی شخص کی طرف سے کھوٹ اور کدورت نہ ہو تو ایسا کر، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بیٹے! یہ میری سنت ہے، اور جو شخص میری سنت سے محبت کرتا ہے، بے شک وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور جو مجھ سے محبت کرتا ہے، وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِي عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِي فَلَهُ أَجْرُ مِائَةِ شَهِيدٍ. (حوالہ بالا)

ترجمہ: جس نے میری سنت کو مضبوطی سے تھاما؛ جب کہ میری امت میں بگاڑ پیدا ہو

چکا ہو تو اس کے لیے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔

(۶) امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تَرَكَتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا، كِتَابُ اللَّهِ وَسُنَّةُ

رَسُولِهِ. (مشکوٰۃ شريف، ص: ۳۱)

ترجمہ: میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں؛ جب تک تم دونوں کو مضبوطی سے

تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو گے، وہ دو چیزیں اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہیں۔

(۷) نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ وَقَرَّ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ أَعَانَ عَلَى هَذْمِ الْإِسْلَامِ . (حوالہ بالا)

ترجمہ: جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی بے شک اس نے اسلام کو ڈھانے میں مدد کی۔

(۸) اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا يَقْبَلُ اللَّهُ لِصَاحِبِ بِدْعَةٍ صَوْمًا وَلَا صَلَاةً وَلَا صَدَقَةً وَلَا حَجًّا وَلَا  
عُمْرَةً وَلَا جِهَادًا وَلَا صَرْفًا وَلَا عَدْلًا، يَخْرُجُ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا تَخْرُجُ

الشَّعْرَةَ مِنَ الْعَجِينِ . (سنن ابن ماجہ، ص: ۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بدعتی کا نہ تو روزہ قبول فرماتے ہیں، نہ نماز، نہ صدقہ، نہ حج، نہ عمرہ، نہ جہاد، نہ کوئی فرض عبادت، نہ نفل عبادت، وہ اسلام سے اس طرح نکل جاتا ہے، جس طرح گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکل جاتا ہے۔

(۹) نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

مَا أَحَدَتْ قَوْمٌ بِدْعَةً إِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ ، فَتَمَسَّكَ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ

مِنْ إِحْدَاثِ بِدْعَةٍ . (مشکاۃ شریف، ص: ۳۱)

ترجمہ: جب کوئی قوم کوئی بدعت ایجاد کرتی ہے تو اس کے مثل سنت اٹھالی جاتی ہے، پس چھوٹی سے چھوٹی سنت پر عمل کرنا کوئی بدعت ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔

(۱۰) ایک اور روایت میں ہے:

مَا ابْتَدَعَ قَوْمٌ بِدْعَةً فِي دِينِهِمْ إِلَّا نَزَعَ اللَّهُ مِنْ سُنَّتِهِمْ مِثْلَهَا ، ثُمَّ لَا

يُعِيدُهَا إِلَيْهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ . (حوالہ بالا)

ترجمہ: جب کوئی قوم اپنے دین میں کوئی بدعت گھڑ لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بہ قدر سنت ان سے چھین لیتے ہیں، پھر قیامت تک اس کو ان کی طرف واپس نہیں لوٹاتے۔

(۱۱) عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ أَحَدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ. متفقٌ عليه

(مشکاۃ شریف، ص: ۲۷)

ترجمہ: جس نے ہمارے اس دین میں ایسی چیز ایجاد کی جو اس میں سے نہیں ہے، وہ مردود ہے۔

(۱۲) حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الْمَدِينَةُ حَرَامٌ مَا بَيْنَ عَيْرٍ إِلَى ثَوْرٍ فَمَنْ أَحَدَثَ فِيهَا حَدَثًا أَوْ آوَى  
مُحَدِّثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ  
صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. (مشکاۃ، ص: ۲۳۸، باب حرم المدینۃ)

ترجمہ: مدینہ منورہ مقامِ عمیر سے مقامِ ثور تک حرم ہے، پس جس نے اس میں کوئی بدعت ایجاد کی یا کسی بدعتی کو پناہ دی، تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور لوگوں کی سب کی لعنت ہے، نہ اس کی فرض عبادت قبول کی جاتی ہے، نہ نفل عبادت۔

ان ارشادات سے ہر شخص بہ خوبی اندازہ کر سکتا ہے کہ شریعت کی نگاہ میں سنت کی کتنی اہمیت ہے، اور بدعت کتنی مبعوض و مذموم چیز ہے۔

## بدعت کی قباحت کی وجوہ

رہا یہ سوال کہ بدعت اس قدر مبعوض کیوں ہے؟ اس پر اکابر امت نے طویل کلام کیا ہے، یہاں اختصار کے ساتھ چند وجوہ پیش کی جاتی ہیں:

### پہلی وجہ

بدعت کی نحوست اور تاریکی لوگوں کو سنت کے نور سے محروم کر دیتی ہے، جیسا کہ حدیث نمبر: ۹، اور ۱۰، سے ظاہر ہے، یہی وجہ ہے کہ حامیانِ بدعت جتنا بدعت کا اہتمام کرتے ہیں، اتنا سنت کا نہیں کرتے۔



## دوسری وجہ

بدعت کے علاوہ آدمی جو بھی گناہ کرتا ہے، اُسے یہ احساس ہوتا ہے کہ میں ایک غلط کام کر رہا ہوں، وہ اس پر پشیمان ہوتا ہے اور اس سے توبہ کر لیتا ہے؛ مگر بدعت ایسا منحوس گناہ ہے کہ کرنے والا اس کو گناہ ہی نہیں سمجھتا؛ بلکہ نیکی سمجھتا ہے؛ اس لیے اس کو اپنی غلطی کا کبھی احساس نہیں ہوتا اور مرتے دم تک توبہ سے محروم رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے گنہ گاروں کو توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے؛ مگر بدعت کے مریض کو کبھی شفا نہیں ہوتی، اِلَّا یہ کہ خدا تعالیٰ کی خاص رحمت اس کی دست گیری کرے، اور اس کی برائی اس کے سامنے کھل جائے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ حَجَبَ التَّوْبَةَ عَنْ كُلِّ صَاحِبٍ بِدْعَةٍ ، رواه الطَّبْرَانِي فِي  
الْأَوْسَطِ . (مَجْمَعُ الزَّوَائِدِ : ۱/۱۸۹)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر بدعتی سے توبہ کو روک دیا ہے۔

## تیسری وجہ

دین اسلام کی تکمیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہو چکی، اور وہ تمام باتیں جن سے حق تعالیٰ شانہ کا قرب اور رضا حاصل ہو سکتی تھی، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دیا، اب جو شخص دین کے نام پر کوئی بدعت گھڑ کر لوگوں کو اس کی دعوت دیتا ہے، وہ گویا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین نعوذ باللہ ناقص اور ادھورا ہے، اور آپ نے احکام خداوندی پہنچانے میں خیانت کی ہے، اور قرب و رضائے خداوندی کا جو راستہ اس بے وقوف کو معلوم ہوا ہے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہیں ہوا، یا وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ شریعت کا جو فہم اور منشائے خداوندی کا جو ادراک اس کو ہوا ہے وہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نہ تابعین عظام کو، الغرض جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام نے نہیں کیا، آج جو شخص اس کو عبادت اور دین بتاتا ہے وہ نہ صرف سلف

صالحین پر؛ بلکہ آنحضرت ﷺ کی فہم و ادراک پر حملہ کرتا ہے، اور اپنی فہم کو ان کی فہم پر ترجیح دیتا ہے، ابن ماجہوں کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک کو فرماتے ہوئے سنا کہ

مَنْ ابْتَدَعَ فِي الْإِسْلَامِ بِدْعَةً يَرَاهَا حَسَنَةً فَقَدْ زَعَمَ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَانَ الرِّسَالَةَ لِأَنَّ اللَّهَ يَقُولُ: ﴿هُوَ الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ فَمَا لَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ دِينًا، فَلَا يَكُونُ الْيَوْمَ دِينًا. (الاعتصام: ۱/۴۹)

ترجمہ: جو شخص دین اسلام میں کوئی بدعت ایجاد کرتا ہے اور اس کو اچھا سمجھتا ہے، وہ گمان کرتا ہے کہ محمد ﷺ نے احکام خداوندی کے پہنچانے میں خیانت کی ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، پس جو بات اس وقت دین نہیں تھی، وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتی۔

## چوتھی وجہ

بدعت کے مذموم و مبغوض ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ بدعت سے دین میں تحریف و تغیر لازم آتا ہے، پس جو لوگ بدعات ایجاد کرتے ہیں، وہ دراصل دین اسلام کے چہرے کو مسخ کرتے ہیں اور اس میں تحریف و تغیر کرتے ہیں اور دوسروں کے لیے تحریف و تبدیل کا راستہ کھولتے ہیں، حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنِّي فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ مِنْ مَرَّ عَلَيَّ شَرِبَ ، وَمَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ أَبَدًا ، لِيَرِدَنَّ أَقْوَامٌ أَعْرَفُهُمْ وَ يَعْرِفُونِي ، ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ ، فَأَقُولُ : إِنَّهُمْ مِنِّي ، فَيَقَالُ : إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أُحَدِّثُوا بِعَدِكَ ، فَأَقُولُ سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيْرَ بَعْدِي ، متفق عليه .

(مشكاة شريف، ص: ۴۸۸، باب الحوض والشفاعة)

ترجمہ: بے شک میں تمہارا پیش رو ہوں گا حوض کوثر پر، جو شخص میرے پاس آئے گا وہ اس کا پانی پئے گا، اور جو اس کا پانی پئے گا وہ کبھی پیاسا نہیں ہوگا، یقیناً کچھ لوگ میرے پاس آئیں

گے جن کو میں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے، پھر میرے اور ان کے درمیان آڑ کر دی جائے گی تو میں کہوں گا: یہ تو میرے آدمی ہیں، مجھے جواب دیا جائے گا کہ آپ نہیں جانتے انہوں نے آپ کے بعد کیا ایجاد کیا، پس میں کہوں گا: خدا کی پھٹکاران لوگوں پر جنہوں نے میرے بعد میرے دین کو بدل ڈالا!

سُحَقًا سُحَقًا لِمَنْ غَيْرَ بَعْدِي: سے معلوم ہوا کہ بدعت گھڑ لینے سے دین میں تحریف و تغیر لازم آتا ہے؛ اس لیے شریعت کی نگاہ میں کفر و شرک کے بعد سب سے زیادہ مغضوب چیز بدعت ہے۔

## سنت و بدعت کی تعریفات

سنت کی اہمیت اور بدعت کی قباحت پہچاننے کے بعد اب دونوں کی تعریفات اور اقسام اور ان کو پہچاننے کے لیے قواعد و ضوابط کا جاننا ضروری ہے، طلبہ کے لیے سب سے اہم بحث یہی ہے؛ اس لیے اس کو قدرے تفصیل سے لکھا جاتا ہے، طلبہ کو چاہیے کہ اس کو بغور پڑھیں اور یاد کریں!

## سنت کے لغوی معنی

لفظ سنت کا مادہ ہے، سین اور دو (۲) نون، اس مادہ کے اصلی معنی ہیں: جَوْرِيَانُ الشَّيْءِ وَاطْرَادُهُ<sup>(۱)</sup> فِي سَهْوَلَةٍ<sup>(۲)</sup> کسی چیز کا بہنا اور آسانی کے ساتھ جاری ہونا، یہ مادہ جہاں جہاں پایا جاتا ہے سب جگہ یہ بنیادی معنی ضرور موجود ہوتے ہیں، مثلاً:

(۱) سَنَنْتُ الْمَاءَ (ن) سَنَا عَلَيَّ وَجْهِي: میں نے اپنے چہرے پر آہستہ آہستہ پانی گرایا جو سہولت کے ساتھ بہتا چلا گیا۔

(۲) نیز جب آپ لوہے کو سان پر چلا کر تیز کرتے ہیں تو کہتے ہیں: سَنَنْتُ

(۱) اِطْرَادُ الْاَنْهَارِ: جاری ہونا. (۲) مقایس اللغة لابن فارس، مادة: سن. ۱۴

الْحَدِيدَةَ (ن) سَنَا: میں نے سان سے لوہا تیز کیا یعنی لوہے کو سان پر چلایا۔  
 (۳) رَجُلٌ مَسْنُونٌ الْوَجْهِ: کتابی یعنی لمبو ترے چہرے والا آدمی، كَانَ اللَّحْمَ  
 قَدْ سُنَّ عَلَيَّ وَجْهَهُ: گویا گوشت اس کے چہرے پر بہا دیا گیا ہے۔  
 (۴) حَمًا مَسْنُونًا: بد بودار کیچڑ، كَأَنَّهُ قَدْ صُبَّ صَبًّا: گویا اس میں خوب پانی  
 انڈیلا گیا ہے۔

(۵) اِمَضِ عَلَيَّ سُنَّتِكَ وَسُنَّتِكَ: اپنی روش پر چلتا رہ۔  
 (۶) كَمَا جَاءَتْ: جَاءَتْ رِيحُ عَلَيَّ سَنَائِنَ: ہو ایک ہی انداز پر چلتی رہی۔  
 (مقاييس اللغة ، مادة: سنّ)  
 (۷) قرآن کریم میں متعدد جگہ سنك اللہ کا ذکر آیا ہے، جس کے معنی ہیں عادت  
 جاریہ، علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

هِيَ الْعَادَةُ الَّتِي تَتَضَمَّنُ أَنْ يَفْعَلَ فِي الثَّانِي مِثْلَ مَا فَعَلَ بِنَظِيرِهِ فِي  
 الْأَوَّلِ. (مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۰/۱۳)

ترجمہ: سنت وہ عادت ہے جس میں یہ بات پائی جائے کہ دوسرے معاملہ میں بھی  
 ایسا ہی فیصلہ کرے، جیسا کہ اس کی نظیر میں پہلی بار کیا تھا۔

خود علامہ نے اپنی اس عبارت کا خلاصہ یہ نکالا ہے کہ يَحْكُمُ فِي الْأُمُورِ  
 الْمُتَمَثِّلَةِ بِأَحْكَامِ مُتَمَثِّلَةٍ: ایک جیسے معاملات میں ایک جیسے فیصلے کرنے کا نام  
 ”عادت“ ہے، پس عادت جاریہ میں جو لفظ ”جاریہ“ ہے، وہ ”صفت کاشفہ“ ہے۔

(۸) سنت کے مشہور معنی ہیں سیرت اور طریقہ، خالد بن زہیر ہڈی کہتا ہے:

فَلَا تَجْزَ عَنْ مِنْ سُنَّةٍ أَنْتَ سِرْتَهَا  
 فَأَوْلَ رَاضٍ سُنَّةٍ مَنْ يُسِيرُهَا

(مقاييس اللغة)

ترجمہ: تو ہرگز نہ گھبرا کسی ایسے طریقہ سے جس پر تو چل رہا ہے؛ کیوں کہ کسی طریقے  
 کو سب سے پہلے وہی شخص پسند کرتا ہے، جو اس پر چلتا ہے۔

الغرض اس مادہ کے مختلف استعمال آپ کے سامنے ہیں، سب میں جاری ہونے اور چلتے رہنے کے معنی قدرے مشترک ہیں، اور یہ سب لغوی معنی ہیں۔

## سنت کے اصطلاحی معنی

سنت کے اصطلاحی معنی تین ہیں:

(۱) فن حدیث اور اصول فقہ کی اصطلاح میں سنت ان باتوں کو کہتے ہیں: جو نبی کریم ﷺ سے مروی ہیں، خواہ وہ آپ کے ارشادات ہوں، یا آپ ﷺ کا کیا ہوا کوئی کام ہو، یا آپ کی فرمائی ہوئی کوئی تائید ہو، اور متقدمین کے نزدیک تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال و افعال بھی سنت کے مصداق میں داخل تھے، اور یہی احناف کی رائے ہے؛ لیکن متاخرین نے امام شافعیؒ کی رائے سے متاثر ہو کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال و افعال کو سنت سے خارج کر دیا، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں کتاب الاعتصام بالکتاب و السنۃ کے شروع میں تحریر فرماتے ہیں:

و المراد ..... بالسنۃ ما جاء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من أقوالہ و أفعالیہ و تقریرہ و ما هم بفعلہ ، و السنۃ فی أصل اللغۃ الطریقۃ ، و فی اصطلاح الأصولیین و المحدثین ما تقدم .

(فتح الباری: ۱۳/۲۳۵)

ترجمہ: سنت سے مراد وہ چیزیں ہیں جو نبی کریم ﷺ سے مروی ہیں، یعنی آپ کے اقوال و افعال اور آپ کی تائیدات اور وہ چیزیں جن کے کرنے کا آپ ﷺ نے ارادہ فرمایا، اور سنت کے اصل لغوی معنی ہیں: طریقہ۔ اور اصولی حضرات اور محدثین کے نزدیک سنت کے معنی وہ ہیں جو پہلے بیان ہو چکے۔

اور علامہ ابواسحاق شاطبی مالکی رحمہ اللہ ”الموافقات“ میں ارقام فرماتے ہیں کہ  
يُطْلَقُ لَفْظُ السُّنَّةِ عَلَى مَا جَاءَ مَنْقُولًا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْخُصُوصِ مِمَّا لَمْ يُنْصَ عَلَيْهِ فِي الْكِتَابِ الْعَزِيزِ .

ترجمہ: سنت کا لفظ ان امور کے لیے بولا جاتا ہے جو صرف نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں اور قرآن پاک میں ان کو بیان نہیں کیا گیا۔

نور الانوار میں ہے:

السُّنَّةُ: تُطْلَقُ عَلَى قَوْلِ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِعْلِهِ وَ سُكُوتِهِ وَعَلَى اقْوَالِ الصَّحَابَةِ وَ أفعالِهِمْ. (ص: ۱۷۵)

ترجمہ: سنت کا اطلاق رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل اور سکوت پر ہوتا ہے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال و افعال پر بھی۔

### وجہ تسمیہ

اور نبی کریم ﷺ کے اقوال و افعال و تقریرات کو سنت اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ امت میں جاری ہوتے ہیں یعنی امت کے لیے وہ ایک معمول اور دستور العمل ہیں، اصول فقہ کی کتابوں کے آغاز میں جو چار اصول شرع کا تذکرہ آتا ہے، جن میں دوسرا نمبر سنت کا ہے، اس سے سنت کے یہی معنی مراد ہیں۔

(۲) علم فقہ کی اصطلاح میں سنت احکام خمسہ (فرض، واجب، سنت، حرام اور مکروہ تحریمی) میں سے ایک حکم ہے، پس فقہائے کرام کے نزدیک سنت وہ حکم شرعی ہے جو فرض اور واجب نہ ہو، اور آنحضرت ﷺ نے یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کیا ہو۔ مراقی الفلاح میں ہے:

وَالسُّنَّةُ لُغَةً: الطَّرِيقَةُ وَلَوْ سَيِّئَةً، وَاصْطِلَاحًا: الطَّرِيقَةُ الْمَسْلُوكَةُ فِي الدِّينِ مِنْ غَيْرِ لُزُومٍ. (طحاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۳۵)

ترجمہ: سنت کے لغوی معنی ہیں: طریقہ۔ اگرچہ برا ہو، اور اصطلاح میں ایسے دینی طریقہ کو کہا جاتا ہے جس کو لازم قرار دیئے بغیر اپنایا گیا ہو۔

اور دستور العلماء میں ہے:

وَالسُّنَّةُ بِضَمِّ الْأَوَّلِ وَتَشْدِيدِ الثَّانِي فِي اللُّغَةِ: الطَّرِيقَةُ مَرْضِيَّةٌ أَوْ غَيْرُ

مَرْضِيَّةٌ، وَفِي الشَّرْعِ : هِيَ الطَّرِيقَةُ الْمَسْلُوكَةُ الْجَارِيَةُ فِي الدِّينِ مِنْ غَيْرِ الْفِتْرَاضِ وَلَا وَجُوبٍ سِوَاءِ سَلَكِهَا الرَّسُولُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَوْ غَيْرُهُ مِمَّنْ هُوَ عَلَّمَ فِي الدِّينِ . (دستور العلماء: ۱۸۴/۲)

ترجمہ: سنت (پہلے حرف کے ضمہ اور دوسرے حرف کی تشدید کے ساتھ) لغت میں طریقہ کو کہا جاتا ہے، خواہ پسندیدہ ہو یا نا پسندیدہ اور شریعت میں وہ اپنایا ہو یا رائج دینی طریقہ ہے جو فرض اور واجب نہ ہو، خواہ اس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنایا ہو یا آپ کے علاوہ ایسی شخصیت نے اپنایا ہو جو دین میں ممتاز درجہ رکھتا ہو۔ (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو اپنایا ہو)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

وَ السُّنَّةُ عِنْدَ الْحَنْفِيَّةِ مَا فَعَلَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ أَوْ صَحْبُهُ بَعْدَهُ . (ص: ۳۶)

ترجمہ: احناف کے نزدیک سنت وہ عمل ہے جس کو حضور اکرم ﷺ نے کیا ہو یا آپ ﷺ کے بعد آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا ہو۔

## وجہ تسمیہ

اور فرض و واجب کے علاوہ احکام شرعیہ کو سنت؛ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بھی امت میں رائج اور معمول بہا ہوتے ہیں۔

(۳) اور عرف شرع میں سنت ان اقوال و اعمال اور عقائد کو کہا جاتا ہے جن کو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنایا ہے، حافظ ابن رجب حنبلی "ارشاد نبوی: عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ" کی وضاحت کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

وَ السُّنَّةُ هِيَ الطَّرِيقُ الْمَسْلُوكُ فَيَشْتَمِلُ ذَلِكَ التَّمَسُّكُ بِمَا كَانَ عَلَيْهِ هُوَ وَخُلَفَاؤُهُ الرَّاشِدُونَ مِنَ الْإِعْتِقَادَاتِ وَالْأَعْمَالِ وَالْأَقْوَالِ وَهَذِهِ هِيَ السُّنَّةُ الْكَامِلَةُ وَلِهَذَا كَانَ السَّلْفُ قَدِيمًا لَا يُطْلَقُونَ إِسْمَ

السُّنَّةُ إِلَّا عَلَىٰ مَا يَشْمَلُ ذَلِكَ كُلُّهُ. (جامع العلوم والحکم، ص: ۱۸۹)

ترجمہ: سنت وہ طریقہ ہے جس کو اپنایا گیا ہو، پس یہ ارشادِ نبوی ان عقائد اور اعمال و اقوال کو مضبوطی سے تھامنے کو شامل ہوگا، جن پر آپ علیہ السلام اور آپ کے خلفائے راشدین گامزن تھے اور یہی سنتِ کاملہ ہے؛ اسی لیے اسلافِ قدیم زمانہ میں لفظِ سنت کا اطلاق ایسے معنی پر کرتے تھے، جو ان سب باتوں کو شامل ہو۔

اور علامہ شاطبی مالکی رحمہ اللہ سنت کے مختلف معنی بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

وَيُطَلَّقُ أَيْضًا فِي مُقَابَلَةِ الْبِدْعَةِ، فَيُقَالُ: "فُلَانٌ عَلَىٰ سُنَّةٍ" إِذَا عَمِلَ عَلَىٰ وَفَّقِ مَا عَمِلَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ ذَلِكَ مِمَّا نُصِّ عَلَيْهِ فِي الْكِتَابِ أَوْلَىٰ، وَيُقَالُ: "فُلَانٌ عَلَىٰ بِدْعَةٍ" إِذَا عَمِلَ عَلَىٰ خِلَافِ ذَلِكَ.

وَيُطَلَّقُ أَيْضًا لَفْظُ السُّنَّةِ عَلَىٰ مَا عَمِلَ عَلَيْهِ الصَّحَابَةُ، وَجِدَ ذَلِكَ فِي الْكِتَابِ أَوْ السُّنَّةِ أَوْ لَمْ يُوجَدْ؛ لِكُونِهِ اتِّبَاعًا لِسُنَّةٍ ثَبَّتَ عِنْدَهُمْ لَمْ تُنْقَلْ إِلَيْنَا أَوْ اجْتِهَادًا مُجْتَمِعًا عَلَيْهِ. (الموافقات: ۴/۴)

ترجمہ: نیز سنت کا لفظ بدعت کے مقابلے میں بھی بولا جاتا ہے؛ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ”فلاں سنت پر ہے“ جب وہ نبی کریم ﷺ کے عمل کے موافق کام کرے، چاہے وہ کام قرآن پاک میں صراحتاً بیان کیا گیا ہو، یا بیان نہ کیا گیا ہو، اور کہا جاتا ہے کہ ”فلاں بدعت پر ہے“ جب وہ اس کے خلاف کام کرے۔ نیز لفظِ سنت کا اطلاق اس کام پر بھی ہوتا ہے جس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا ہے، چاہے وہ کام کتاب و سنت میں صراحتاً موجود ہو یا صراحتاً موجود نہ ہو؛ کیوں کہ وہ کام ایسی سنتِ نبوی کی اتباع کی وجہ سے ہوگا جو ان کے نزدیک ثابت ہے، اور ہم تک وہ سنت منقول ہو کر نہیں پہنچی یا متفق علیہ اجتہاد کی بناء پر ہوگا۔

محدث عصر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نور اللہ مرقدہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ارشاد: الْوَتْرُ لَيْسَ بِحَتْمٍ كَصَلَاتِكُمْ الْمَكْتُوبَةِ لَكِنَّ سُنَّ رَسُولِ اللَّهِ



صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی وضاحت کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

لَا يَصِحُّ أَنْ يَسْتَدِلَّ بِهَذَا عَلَى أَنَّ الْوَتْرَ لَيْسَ بِوَاجِبٍ لِأَنَّ لَفْظَ  
السُّنَّةِ فِي تَعْيِيرِ الشَّرِيعَةِ يُرَادُ بِهَا الطَّرِيقَةُ الْمَسْلُوكَةُ ، لَا السُّنَّةُ  
الَّتِي اصْطَلَحَ عَلَيْهَا فَفَهَاءُ الْأُمَّةِ ، فَإِنَّ الْإِطْلَاقَ بِالْمَعْنَى الْمُصْطَلَحِ  
مُسْتَحَدَّثٌ ، رُبَّمَا نَجِدُ إِطْلَاقَ السُّنَّةِ عَلَى الْفَرَائِضِ الْمُتَّفِقِ عَلَيْهَا ،  
وَنَظَائِرُهَا كَثِيرَةٌ جِدًّا . (معارف السنن: ۱۷۹/۴)

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس ارشاد سے یہ استدلال کرنا درست نہیں ہے کہ وتر واجب نہیں بلکہ سنت ہے؛ اس لیے کہ عرف شرع میں لفظ سنت سے مراد ایسا طریقہ ہوتا ہے جس کو اپنایا گیا ہو، سنت کے وہ معنی مراد نہیں جو فقہائے امت نے وضع کیے ہیں کیوں کہ سنت کا اصطلاحی معنی میں استعمال حادث ہے، اور بہت سی جگہ ہم دیکھتے ہیں کہ سنت کا اطلاق متفق علیہ فرائض پر کیا جاتا ہے، اور اس کی نظیریں بے شمار ہیں۔

اور حضرت مولانا یوسف صاحب لدھیانوی تحریر فرماتے ہیں کہ

”سنت: طریقہ کو کہتے ہیں، پس عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات اور عادات میں آنحضرت ﷺ نے جو طریقہ اپنایا وہ سنت ہے، اور اس کے خلاف بدعت ہے“  
(اختلاف امت اور صراط مستقیم: ۱/۹۵)

الغرض یہ سنت کے شرعی معنی ہیں اور عَلَيكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ میں سنت کے یہی معنی مراد ہیں، اور بدعت کے مقابلہ میں جب سنت کا لفظ بولا جاتا ہے تو یہی معنی مراد ہوتے ہیں، اور اس سے پہلے سنت کے جو معنی بیان کیے گئے ہیں، وہ فقہائے کرام کی مخصوص اصطلاح ہے۔

معجم لغة الفقهاء<sup>(۱)</sup> میں ہے:

﴿السُّنَّةُ: بِضَمِّ أَوَّلِهِ وَفَتْحِ ثَانِيهِ، ج: سُنَنٌ: الطَّرِيقَةُ وَالسِّيَرَةُ .

(۱) یہ محمد رواس قلعہ جی اور حامد صادق قینبی کی ترتیب دی ہوئی عربی اور انگریزی ڈکشنری ہے، اور ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی سے شائع ہوئی ہے۔ ۱۲

- (۱) عِنْدَ الْأُصُولِيِّينَ: مَا أُثِرَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ مِنْ قَوْلٍ أَوْ فِعْلٍ أَوْ تَقْرِيرٍ  
وَ عِنْدَ الْمُحَدِّثِينَ: مَا أُثِرَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ مِنْ قَوْلٍ أَوْ فِعْلٍ أَوْ تَقْرِيرٍ أَوْ  
صِفَةٍ ، عَلَى هَذَا فَالْسُّنَةُ إِمَّا قَوْلِيَّةٌ وَإِمَّا فِعْلِيَّةٌ وَإِمَّا تَقْرِيرِيَّةٌ وَإِمَّا وَصْفِيَّةٌ  
(۲) الطَّرِيقَةُ الْمَشْرُوعَةُ فِي الدِّينِ ضِدُّ الْبِدْعَةِ.  
(۳) مَا كَانَ فِي مَشْرُوعِيَّةِ دُونَ الْوَاجِبِ وَفَوْقِ الْمَنْدُوبِ.

(معجم لغة الفقهاء، ص: ۲۵۰)

ترجمہ: سنت (پہلے حرف کے ضمہ اور دوسرے حرف کے فتح کے ساتھ) کے معنی ہیں  
طریقہ اور سیرت۔

- (۱) اور اصولیوں کے نزدیک سنت وہ قول یا فعل یا تا سید ہے، جو رسول اللہ ﷺ  
سے منقول ہے، اور محدثین کے نزدیک وہ قول یا فعل یا تا سید یا وصف ہے، جو رسول اللہ  
ﷺ سے منقول ہے، اس تعریف پر سنت یا تو قولی ہوگی یا فعلی یا تا سیدی یا وصفی۔  
(۲) سنت وہ طریقہ ہے جو دین میں مشروع ہے، بدعت کی ضد۔  
(۳) سنت وہ حکم شرعی ہے جو واجب سے ادنیٰ اور مندوب سے اعلیٰ ہے۔

## وجہ تسمیہ

حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے اقوال و افعال اور عقائد کو سنت اس لیے کہا  
جاتا ہے کہ امت کے لیے یہ باتیں دستور العمل ہیں، پس ان کا رواج اور چلن ہوا؛ اس لیے  
ان کو سنت کا نام دیا گیا۔

## بدعت کے لغوی معنی

ب، د، ع: کے بنیادی لغوی معنی دو (۲) ہیں:

- (۱) کسی چیز کو بغیر سابق نمونہ کے بنانا اور شروع کرنا، کہا جاتا ہے: أَبْدَعْتُ الْقَوْلَ:  
میں نے انوکھی بات کہی، اور أَبْدَعْتُ الْفِعْلَ: میں نے نیا کام شروع کیا، ارشاد خداوندی

ہے: ﴿بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾: اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو بغیر سابق نمونہ کے پیدا کیا، نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ﴾: میں کوئی انوکھا (بالکل نیا) رسول نہیں ہوں، اور امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

الْبِدْعَةُ كُلُّ شَيْءٍ عَمِلَ عَلَى غَيْرِ مِثَالٍ سَبَقَ. (مرقاۃ: ۱/۲۱۶)

ترجمہ: بدعت ہر وہ نئی چیز ہے، جو سابق نمونہ کے بغیر بنائی گئی ہو۔

اور مغرب میں ہے:

الْبِدْعَةُ: اسْمٌ مِّنْ ابْتِدَاعِ الْأَمْرِ: إِذَا ابْتَدَأَهُ وَ أَحْدَثَهُ. (مغرب: ص ۳۰)

بدعت: ابتداء کا اسم ہے اور ابْتِدَاعِ الْأَمْرِ کے معنی ہیں: ابتداء کرنا اور ایجاد کرنا۔

(۲) کسی چیز کا ختم ہو جانا اور تھک جانا، کہا جاتا ہے: أَبْدَعَتِ الرَّاحِلَةُ: اونٹنی تھک گئی

اور ہلاک ہو گئی، حدیث شریف میں ہے:

إِنَّ رَجُلًا آتَاهُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنِّي أَبْدَعْتُ بِي فَأَحْمِلْنِي.

(ابوداؤد، کتاب الادب)

ترجمہ: ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول!

میری اونٹنی ہلاک ہو گئی اور میں بے سہارا ہو گیا ہوں، پس آپ مجھے کوئی سواری عنایت

فرمائیے۔

## بدعت کے اصطلاحی معنی

بدعت کے اصطلاحی معنی علمائے امت نے مختلف انداز سے بیان کیے ہیں، مگر وہ

صرف تعبیر کا فرق ہے، سب کی عبارتوں کا خلاصہ ایک ہے، ذیل میں چند تعریفات پیش کی

جاتی ہیں، ان کو بہ غور ملاحظہ فرمائیں:

(۱) امام نووی رحمہ اللہ نے بدعت کے اصطلاحی معنی یہ بیان کیے ہیں:

إِحْدَاثُ مَا لَمْ يَكُنْ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(مرقاۃ: ۱/۲۱۶)

ترجمہ: ایسی چیز ایجاد کرنا جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں نہیں تھی۔

(۲) اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے یہ تعریف کی ہے:

الْبِدْعَةُ: مَا أُحْدِثَ وَ لَمْ يَكُنْ لَهُ أَصْلٌ فِي الشَّرْعِ . (فتح الباری، ۱۳/۲۵۳)

ترجمہ: بدعت وہ چیز ہے جو نئی شروع کی گئی ہو اور شریعت میں اس کی کوئی اصل نہ ہو۔

(۳) امام شافعی علیہ الرحمۃ نے بدعت کی تعریف اس طرح کی ہے:

مَا أُحْدِثَ يُخَالِفُ كِتَابًا أَوْ سُنَّةً أَوْ أَثْرًا أَوْ إِجْمَاعًا فَهَذِهِ بَدْعَةٌ

الضَّلَالِ . (حوالہ بالا)

جو چیز کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ یا آثار صحابہ یا اجماع امت کے خلاف ایجاد کی گئی

ہو وہ بدعتِ ضلالہ ہے۔

(۴) اور حافظ ابن رجب حنبلیؒ لکھتے ہیں:

المُرَادُ بِالْبِدْعَةِ: مَا أُحْدِثَ مِمَّا لَا أَصْلَ لَهُ فِي الشَّرِيعَةِ يَدُلُّ عَلَيْهِ،

أَمَّا مَا كَانَ لَهُ أَصْلٌ مِنَ الشَّرْعِ يَدُلُّ عَلَيْهِ فَلَيْسَ بِبِدْعَةٍ وَإِنْ كَانَ

بِدْعَةً لُغَةً. (جامع العلوم والحکم، ص: ۱۹۳)

ترجمہ: بدعت سے مراد ایسی نئی بات ہے جس کی شریعت میں کوئی ایسی اصل نہ ہو جو اس

پر دلالت کرے، رہی وہ بات جس کی شریعت میں کوئی ایسی اصل ہو جو اس پر دلالت کرتی ہو تو وہ

شرعاً بدعت نہیں ہے، اگرچہ لغوی معنی کے اعتبار سے بدعت ہے۔

(۵) اور امام راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں:

وَالْبِدْعَةُ فِي الْمَذْهَبِ: إِيرَادُ قَوْلٍ لَمْ يَسْتَنْ قَائِلُهَا أَوْ فَاعِلُهَا فِيهِ

بِصَاحِبِ الشَّرِيعَةِ وَ أَمَائِلِهَا الْمُتَقَدِّمَةِ وَ أَصُولِهَا الْمُتَقَنَّةِ.

(مفردات القرآن، ص: ۳۷)

ترجمہ: دین میں بدعت کے معنی ہیں: ایسی بات پیش کرنا جس کا کہنے والا یا کرنے

والا صاحب شریعت کے نقش قدم پر نہ چلا ہو اور شریعت کی سابق مثالوں اور اس کے محکم

اصولوں پر گامزن نہ ہو ہو۔

(۶) اور حافظ بدرالدین عینی ارقام فرماتے ہیں:

وَالْبِدْعَةُ فِي الْأَصْلِ : إِحْدَاثُ أَمْرٍ لَمْ يَكُنْ فِي زَمَنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (عمدة القاری، ۵/۳۵۶)

ترجمہ: بدعت اصل میں ایسی چیز کے ایجاد کرنے کو کہتے ہیں، جس کا وجود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نہ ہو۔

(۷) علامہ ابواسحاق شاطبیؒ بدعت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الْبِدْعَةُ طَرِيقَةٌ فِي الدِّينِ مُخْتَرَعَةٌ تُضَاهِي الشَّرِيعَةَ يُقْصَدُ بِالسُّلُوكِ عَلَيْهَا مَا يُقْصَدُ بِالطَّرِيقَةِ الشَّرِيعَةِ. (الاعتصام، ۱/۳۷)

بدعت: دین میں ایجاد کیا ہوا وہ طریقہ ہے جو شریعت کے مشابہ ہو اور اس پر عمل کرنے کا مقصد وہی ہو جو شرعی طریقہ کا ہوتا ہے (یعنی فلاح دارین کے قصد سے اس پر عمل کیا جائے)

(۸) اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ لکھتے ہیں:

”بدعت کہتے ہیں ایسا کام کرنا جس کی اصل کتاب و سنت اور قرآن مشہود لہا بالخیر میں نہ ہو اور اس کو دین اور ثواب کا کام سمجھ کر کیا جائے“ (فوائد عثمانی بر ترجمہ شیخ الہند، ص: ۷۱۸)

(۹) اور مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ لکھتے ہیں:

”بدعت ان چیزوں کو کہتے ہیں جن کی اصل شریعت سے ثابت نہ ہو یعنی قرآن مجید اور احادیث شریفہ میں اس کا ثبوت نہ ملے اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ اور تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں اس کا وجود نہ ہو اور اس کو دین سمجھ کر کیا یا چھوڑا جائے“ (تعلیم الاسلام، حصہ چہارم، ص: ۲۷)

ان تمام تعریفوں کا حاصل یہ ہے کہ بدعت ایسے نئے دینی کام کو کہتے ہیں جس کے جواز کی کوئی دلیل شرعی نہ ہو، یعنی قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس شرعی میں سے کوئی اس کے جواز پر دلالت نہ کرے — اور امام نوویؒ اور حافظ بدرالدین عینیؒ نے جو یہ فرمایا

ہے کہ ”بدعت ایسی چیز کے ایجاد کرنے کو کہتے ہیں جس کا وجود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نہ ہو“ اس سے وجود خارجی مراد نہیں ہے؛ بلکہ وجود شرعی مراد ہے، اور وجود شرعی نام ہے ”دلیل جواز کے ہونے“ کا، پس جس چیز کا جواز حضور اکرم ﷺ کے قول و عمل یا تقریر سے صراحتاً یا اشارہً ثابت نہ ہو سکے، اس کا وجود شرعی قیامت تک نہیں ہو سکتا، اور جس چیز کا جواز آپ کے قول و عمل یا تقریر سے ثابت ہے، اس کا وجود شرعی رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہو چکا، چاہے اس کا ظہور بعد میں ہوا ہو؛ لہذا حافظ بدر الدین عینیؒ اور امام نوویؒ کی بیان کردہ تعریف کا حاصل بھی یہی ہے کہ بدعت ایسے نئے دینی کام کو کہتے ہیں جس کے جواز کی کوئی دلیل شرعی نہ ہو؛ چنانچہ فریق مخالف کے مشہور عالم مولوی محمد صالح صاحب بھی بدعت کی یہی تعریف کرتے ہیں کہ

(۱۰) اصطلاح شرع میں بدعت اس چیز کو کہتے ہیں جو امورِ دینیہ سے سمجھی جائے؛ مگر کسی دلیل شرعی سے اس کا ثبوت نہ ملتا ہو، نہ کتاب سے نہ احادیثِ نبویہ سے، نہ اجماع مجتہدین سے، نہ قیاس شرعی سے (تحفۃ الاحباب، ص: ۹۵)

## وجہ تسمیہ

بدعت کے اصطلاحی معنی اس کے دو لغوی معنی میں سے پہلے معنی سے ماخوذ ہیں۔

## لفظ بدعت کا استعمال

اوپر بدعت کے جو معنی بیان کیے گئے ہیں، وہ اصطلاحی معنی ہیں؛ یعنی شرعی معنی ہیں اور احادیثِ نبویہ میں جہاں کہیں لفظ بدعت آیا ہے، وہاں یہی معنی مراد ہیں؛ مگر قرونِ اولیٰ میں کبھی ہر نئی بات کو بدعت کہہ دیا جاتا تھا، خواہ اس کے جواز کی دلیل ہو یا نہ ہو، جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا تراویح کے بارے میں یہ ارشاد:

نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هَذِهِ : یہ کتنی اچھی بدعت ہے۔

یہ لفظ بدعت کا لغوی معنی میں استعمال ہے اور بدعت لغوی بدعت شرعی سے عام ہے،

امام شافعی رحمہ اللہ نے اسی عام معنی کا لحاظ کر کے بدعت کی دو قسمیں کی ہیں: ایک بدعت محمودہ اور دوسری بدعت مذمومہ، فتح الباری میں ہے:

قَالَ الشَّافِعِيُّ: الْبِدْعَةُ بَدْعَتَانِ : مَحْمُودَةٌ وَ مَذْمُومَةٌ ، فَمَا وَافَقَ  
السُّنَّةَ فَهُوَ مَحْمُودٌ وَمَا خَالَفَهَا فَهُوَ مَذْمُومٌ. (۲۵۳/۱۳)

ترجمہ: امام شافعی نے فرمایا کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں: بدعت محمودہ اور بدعت مذمومہ، پس جو سنت کے موافق ہو وہ محمود ہے اور جو سنت کے خلاف ہو وہ مذموم ہے۔

اور علامہ عز الدین بن عبدالسلام نے اسی عام معنی کو پیش نظر رکھ کر بدعت کی پانچ قسمیں کی ہیں: (۱) واجب (۲) حرام (۳) مندوب (۴) مکروہ (۵) اور مباح۔

محدث جلیل حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ ”براہین قاطعہ“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”تمام علماء اول سے آخر تک متفق ہیں اس بات پر کہ بدعت لغت میں امر جدید کو کہتے ہیں، اور کتب شرعیہ میں جو اطلاق اس لفظ پر ہوتا ہے تو کسی جگہ تو اس کے معنی یہ لیتے ہیں کہ جو امر بعد فخر عالم علیہ السلام کے حادث ہو مطلقاً خواہ محمود ہو یا مذموم اعمیٰ اس کے جواز کی دلیل شرع میں موجود ہو یا نہ ہو، اس کی دو قسمیں کرتے ہیں: قسم اول کو محمود کہ جس کی دلیل جواز کی شرع میں ہے، دوسری مذموم کہ دلیل اس کے جواز کی نہیں، پس اول کو بدعت حسنہ نام رکھتے ہیں اور ملحق بالسنہ جانتے ہیں، اور دوسری قسم بدعت ضلالہ ہے، پس یہ حد بدعت کی عام کہلاتی ہے — اور کسی جگہ بدعت کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جو امر حادث ہو خلاف طریقہ مرضیہ شارع علیہ السلام کے، یعنی اس کے جواز کی دلیل شریعت میں نہ ہو اور یہ معنی خاص ہیں اور کتب شرعیہ میں اس سے ہی بحث ہوتی ہیں“

(براہین قاطعہ، ص: ۳۰)

الحاصل عام معنی یعنی لغوی معنی کے اعتبار سے بدعت کبھی اچھی ہوتی ہے اور کبھی بری مگر خاص معنی یعنی شرعی اصطلاح کے اعتبار سے بدعت کبھی اچھی نہیں ہوتی، ہمیشہ فقیح ہوتی ہے۔

## بدعتِ اعتقادی اور بدعتِ عملی

بدعتِ شرعی کی دو قسمیں ہیں: ایک بدعتِ اعتقادی اور دوسری بدعتِ عملی، اعتقادی بدعت یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ ایسے عقائد و نظریات اختیار کرے جو آنحضرت ﷺ اور سلفِ صالحین کے عقائد و نظریات کے خلاف ہوں، جیسے حضورِ اکرم ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ ﷺ عالم الغیب، حاضر و ناظر اور مختارِ کل ہیں، اسی طرح شیعہ، خوارج، معتزلہ، قدریہ اور جبریہ وغیرہ گمراہ فرقوں کے عقائدِ باطلہ، یہ سب اعتقادی بدعات ہیں، اور یہ سب فرقے شرعی اصطلاح میں اہل بدعت ہیں اصولِ حدیث کی کتابوں میں ان کے لیے یہی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔

اور عملی بدعت یہ ہے کہ عقیدہ تو درست ہو اور ایسے اعمال اختیار کرے جو آنحضرت ﷺ اور سلفِ صالحین سے منقول نہیں ہیں، جیسے مزاروں کو پختہ بنانا، ان پر گنبد تعمیر کرنا اور قبروں پر چراغ روشن کرنا وغیرہ۔

## بدعتِ حقیقی اور بدعتِ اضافی

علامہ ابواسحاق شاطبی رحمہ اللہ نے بدعتِ شرعی کی ایک اور اعتبار سے دو قسمیں کی ہیں: ایک بدعتِ حقیقی، دوسری بدعتِ اضافی — بدعتِ حقیقی وہ ہے جو اصولِ شریعت کے بالکل خلاف ہو، جیسے حضورِ اکرم ﷺ کو عالم الغیب، حاضر و ناظر اور مختارِ کل جاننا، پختہ مزارات بنانا وغیرہ — اور بدعتِ اضافی وہ ہے جو من وجہ جائز ہو اور من وجہ ناجائز ہو یعنی ذات کے اعتبار سے جائز ہو؛ مگر کیفیات و قیودات کی وجہ سے ناجائز ہو، جیسے مروجہ میلاد کہ فی نفسہ حضورِ اکرم ﷺ کی ولادتِ مبارکہ اور سیرتِ طیبہ کا تذکرہ کرنا امرِ محمود ہے؛ مگر مروجہ طریقے پر ناجائز اور بدعت ہے، اسی طرح تیجا، ساتواں، دسواں اور چالیسواں کہ فی حدّ ذلّتہ ایصالِ ثواب جائز ہے؛ مگر ایصالِ ثواب کے لیے دنوں کی تعیین بدعت ہے۔



## بدعات کو پہچاننے کے اصول

بدعت کی تعریف و تقسیم کے بعد ذیل میں چند اصول ذکر کیے جاتے ہیں، جن سے بدعات کو پہچاننے میں مدد ملے گی۔

(۱) جس فعل کا سبب اور محرک حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں موجود ہو اور کوئی مانع بھی نہ ہو، اس کے باوجود نہ حضور اکرم ﷺ نے اس کو کیا ہو، نہ صحابہ کرام کو اس کے کرنے کا حکم دیا ہو، نہ ترغیب دی ہو، تو ایسا کام کرنا بدعت ہے، جیسے مروجہ میلاد کا سبب (یعنی حضور اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت) اس وقت موجود تھا اور صحابہ کرام کو آپ ﷺ سے گہرا عشق اور عقیدت و محبت تھی؛ لیکن اس کے باوجود نہ کسی نے آپ ﷺ کا یوم ولادت منایا نہ حضور اکرم ﷺ نے اس کا حکم دیا، جب سبب اور محرک موجود تھا اور میلاد کا مروجہ طریقہ موجود نہیں تھا تو بعد میں قیاس و اجتہاد سے ثابت کرنے کی نہ ضرورت ہے نہ گنجائش ہے۔ اسی طرح آپ کی دو ازواج مطہرات حضرت خدیجہ الکبریٰ اور حضرت زینب ام المساکین اور آپ ﷺ کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ اور آپ ﷺ کی تین صاحبزادیاں حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم، اور جملہ صاحبزادے آپ کی زندگی میں اس دار فانی سے رحلت کر گئے؛ مگر آپ ﷺ نے نہ ان کا تیجا لیا، نہ ساتواں، نہ دسواں، نہ چالیسواں کیا، تو بعد میں ان امور کے ایجاد کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

(۲) شریعت نے جو چیز مطلق رکھی ہے اس میں اپنی طرف سے قیود لگانا بدعت ہے، مثلاً شریعت نے زیارت قبور کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں کیا، پس کسی بزرگ کی قبر پر جانے کے لیے ایک وقت مقرر کر لینا اور اس کو ضروری سمجھنا بدعت ہوگا۔

اسی طرح شریعت نے آنحضرت ﷺ، بزرگان دین اور عام مسلمانوں کے ایصالِ ثواب کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں کیا، آدمی جب چاہے ایصالِ ثواب کر سکتا ہے؛ لہذا اس کے لیے خاص خاص اوقات اور خاص خاص صورتیں تجویز کرنا اور ان کی پابندی کو

ضروری سمجھنا بدعت ہوگا۔

(۳) مطالبات شرعیہ کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جس کی روح اور قالب یا معنی اور صورت دونوں کو شریعت نے متعین کر دیا ہے، جیسے نماز کہ روح اس کی ذکر اللہ ہے، جیسا کہ ﴿اقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾ سے واضح ہے، اور اس کے ساتھ نماز کے قالب اور ظاہری صورت کو بھی شریعت نے متعین کر دیا ہے کہ ہر رکعت میں قیام کے ساتھ ایک رکوع اور دو سجدے ہوں گے وغیرہ وغیرہ، اس قسم کے مطالبات میں روح اور معنی کے ساتھ ظاہری صورت بھی چونکہ مطلوب ہے؛ اس لیے ظاہری صورت میں کسی قسم کی ترمیم یا اضافہ کرنا بدعت ہوگا۔

اس کے برخلاف شرعی مطالبات کی دوسری قسم وہ ہے جس کی روح کا مطالبہ کر کے قالب اور صورت کے متعلق آزادی بخشی گئی ہے، مثلاً جہاد کی روح اعلاء کلمۃ اللہ اور کفر و شرک کی شوکت و قوت کا ازالہ ہے؛ لیکن شریعت نے جہاد کی کوئی خاص صورت متعین نہیں فرمائی ہے، عہد نبوت میں صحابہ کرامؓ جہاد کے فریضہ کو تلوار اور تیر و کمان وغیرہ آلات و ذرائع اختیار کر کے ادا کرتے تھے؛ لیکن موجودہ دور میں جنگ کے آلات بدل گئے، آج ایٹم بم اور میزائل و راکٹ وغیرہ نئے آلات حرب استعمال ہونے لگے ہیں؛ لہذا جو شخص ان جدید آلات حرب کو استعمال کر کے جہاد کا فریضہ انجام دے گا، وہ یقیناً شریعت کے مطالبہ کی تعمیل کرنے والا ہوگا، اس پر یہ الزام نہیں لگایا جاسکتا ہے کہ نئے آلات حرب استعمال کر کے بدعت کا ارتکاب کر رہا ہے۔

(۴) جو کام بذات خود مستحب اور مندوب ہے؛ مگر اس کا ایسا التزام کرنا کہ رفتہ رفتہ اس کو ضروری سمجھا جانے لگے اور اس کے تارک کو ملامت کی جانے لگے تو وہ کام مستحب کے بجائے بدعت بن جاتا ہے، مثلاً سلام پھیرنے کے بعد داہنی جانب گھوم کر مقتدیوں کی طرف متوجہ ہونا سنت ہے؛ مگر اس کا ایسا التزام کرنا کہ لوگ اس کو ضروری سمجھنے لگیں، اور تارک کو ملامت کرنے لگیں تو یہ مستحب عمل بدعت ہو جائے گا، یا مثلاً نماز جمعہ کی پہلی رکعت میں ﴿سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ اور دوسری رکعت میں ﴿هَلْ أَتَاكَ

حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ ﴿﴾ پڑھنا مسنون ہے؛ مگر اس کا ایسا التزام کرنا کہ لوگ اس کو ضروری سمجھنے لگیں اور تارک کو ملامت کرنے لگیں تو یہ مسنون عمل بدعت بن جائے گا۔

(۵) جو کام فی نفسہ جائز ہے، اگر اس کے کرنے میں کفار و فجار اور گمراہ لوگوں کی مشابہت لازم آئے تو اس کا ترک اولیٰ ہوگا؛ کیوں کہ بہت سی احادیث میں آنحضرت ﷺ نے کفار و فجار کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے، اس قاعدے سے معلوم ہوا کہ تمام وہ اعمال و افعال جو اہل بدعت کا شعار بن جائیں، ان کا ترک لازم ہے بشرطیکہ وہ اعمال فرض اور واجب نہ ہوں، حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ مرقات شرح مشکاۃ میں ارقام فرماتے ہیں کہ

إِنَّ كُلَّ سُنَّةٍ تَكُونُ شِعَارَ أَهْلِ الْبِدْعَةِ تَرُكُهَا أَوْلَىٰ. (مرقاۃ، ۴/۶۳)

ترجمہ: ہر وہ کام جو اہل بدعت کا شعار ہو اس کا ترک کرنا اولیٰ ہے۔

اللَّهُمَّ أَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَأَرِزُقْنَا اتِّبَاعَهُ، وَأَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَأَرِزُقْنَا اجْتِنَابَهُ، وَأُحِينَا عَلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ، وَأُمِتْنَا عَلَى الدِّينِ الْقَوِيمِ، وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيمِ، وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ، بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ.

تَمَّتْ بِالْخَيْرِ



# تیسرا محاضرہ

(علم غیب، حاضر و ناظر اور نور و بشر کا مسئلہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ اَمَّا بَعْدُ:

دوسرے محاضرہ میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں: (۱) بدعتِ اعتقادی (۲) اور بدعتِ عملی۔ بدعتِ اعتقادی یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ ایسے عقائد و نظریات اختیار کرے جو آنحضرت ﷺ اور سلف صالحین کے عقائد و نظریات کے خلاف ہوں، جیسے حضور اکرم ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ ﷺ عالم الغیب، حاضر و ناظر اور مختار کل ہیں — اور بدعتِ عملی یہ ہے کہ عقیدہ تو درست ہو؛ البتہ اعمال ایسے اختیار کرے جو آنحضرت ﷺ اور سلف صالحین سے منقول نہیں ہیں، جیسے مزاروں کو پختہ بنانا، ان پر گنبد تعمیر کرنا اور قبروں پر چراغ روشن کرنا، وغیرہ، اس محاضرے میں رضا خانی فرقہ کے کچھ اعتقادی بدعات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

[۱]: علم غیب کا مسئلہ

”علم غیب“ مرکبِ اضافی ہے اس کو سمجھنے کے لیے اس کے دونوں اجزاء کو الگ الگ سمجھنا ضروری ہے، علم کی حقیقت تو سبھی حضرات جانتے ہیں؛ البتہ غیب کی وضاحت ضروری ہے، جو درج ذیل ہے:

## غیب کی تعریف

”غیب اور مغیب“ دونوں غَابَ يَغِيبُ کے مصدر ہیں اور غَابَ الشَّيْءُ عَنْ فُلَانٍ کے معنی ہیں پوشیدہ ہونا، پس غیب کے لغوی معنی ہیں: ایسی چیز جو ہم سے پوشیدہ ہو، اس کی جمع غُيُوبٌ آتی ہے، اور مَغِيبٌ کی جمع مَغِيبَاتٌ ہے۔ قاموس میں ہے:

الْغَيْبُ مَا غَابَ عَنْكَ.

ترجمہ: غیب وہ چیز ہے جو آپ سے پوشیدہ ہو۔

اور مُغْرَبٌ میں ہے:

الْغَيْبُ مَا غَابَ عَنِ الْعُيُونِ وَإِنْ كَانَ مُحْصَلًا فِي الْقُلُوبِ.

ترجمہ: غیب وہ ہے جو نگاہوں سے اوجھل ہو، چاہے وہ دلوں میں موجود ہو۔

اور عرفِ شرع میں غیب ہر وہ چیز ہے جو بندوں سے پوشیدہ ہے حافظ عماد الدین اسماعیل بن کثیر؛ سُدِّي مفسر کے حوالے سے ابن عباس، ابن مسعود رضی اللہ عنہما اور نبی کریم ﷺ کے کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

أَمَّا الْغَيْبُ: فَمَا غَابَ عَنِ الْعِبَادِ مِنْ أَمْرِ الْجَنَّةِ وَ أَمْرِ النَّارِ وَ مَا ذَكَرَ فِي الْقُرْآنِ. (تفسیر ابن کثیر: ۱/۴۱)

ترجمہ: غیب: وہ ہے جو بندوں سے پوشیدہ ہو، جیسے جنت اور دوزخ کے حالات اور جو کچھ قرآن پاک میں بیان کیا گیا ہے۔

## ایک شبہ کا جواب

غیب کی اس تعریف پر کسی کو اگر یہ شبہ ہو کہ جنت اور دوزخ وغیرہ کے حالات تو ہمیں معلوم ہیں ان کو غیب کہنا کیوں کر درست ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وحی والہام کے ذریعہ جن امورِ غیبیہ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو مطلع فرمایا ہے، اور انبیائے کرام کے بتلانے سے ہم ان کو جانتے ہیں، وہ سب چیزیں ہم سے پوشیدہ ہیں، جو اس ظاہرہ سے ہم

ان کا ادراک کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے؛ اس لیے ان کو غیب کہنا درست ہے قرآن پاک میں بھی ایسی چیزوں کو غیب کہا گیا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

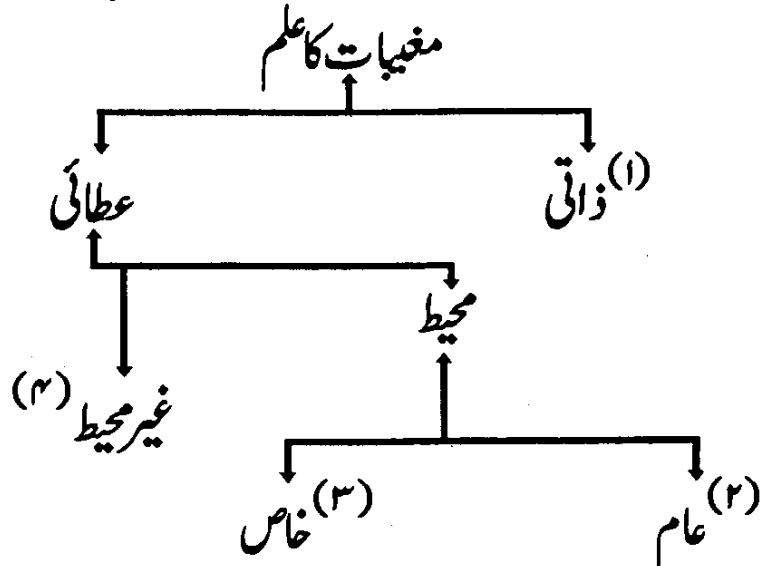
﴿الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ﴾ (سورہ بقرہ، آیت: ۳)

”جو یقین کرتے ہیں بے دیکھی چیزوں کا“ (یعنی جو چیزیں ان کے عقل و حواس سے مخفی ہیں، جیسے دوزخ، جنت ملائکہ وغیرہ ان سب کو اللہ اور رسول کے ارشاد کی وجہ سے حق اور یقینی سمجھتے ہیں) (فوائد عثمانی ”برترجمہ شیخ الہند“)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جن امور غیبیہ کے کچھ احوال ہم جانتے ہیں، ان کو بھی غیب ہی کہا جائے گا؛ کیوں کہ وہ ہم سے پوشیدہ ہیں اور ان کے کچھ حالات کا ہمیں جو علم ہے وہ انبیائے کرام علیہم السلام کے توسط سے ہے اور انبیائے کرام کو وحی والہام کے ذریعہ حاصل ہوا ہے، حواس کا اس میں کوئی دخل نہیں۔

## مغیبات کے جاننے کی چار قسمیں اور ان کے احکام

مغیبات کے جاننے کی بنیادی قسمیں دو ہیں: (۱) ذاتی (۲) اور عطائی، پھر عطائی کی دو قسمیں ہیں: (۱) محیط (۲) اور غیر محیط، پھر محیط کی دو قسمیں ہیں: (۱) عام (۲) اور خاص، پس مغیبات کے جاننے کی کل چار قسمیں ہوں گی: (۱) ذاتی (۲) عطائی محیط عام۔ (۳) عطائی محیط خاص (۴) اور عطائی غیر محیط، نقشہ درج ذیل ہے:



## تمام قسموں کی مختصر وضاحت

(۱) ”علم ذاتی“ خانہ زاد علم کو کہتے ہیں، یعنی ایسا علم جو کسی کا عطا کیا ہوا نہ ہو۔  
 (۲) ”علم عطائی“ وہ علم ہے جو کسی ہستی کا عطا کیا ہوا ہو۔ (۳) ”علم محیط عام“ ازل سے  
 ابد تک تمام چیزوں کے علم کلی کو کہتے ہیں۔ (۴) ”علم محیط خاص“ ابتدائے آفرینش  
 سے جنت و جہنم میں داخل ہونے تک کی تمام چیزوں کے علم کلی کو کہتے ہیں، یعنی جب سے  
 اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا کیا ہے اس وقت سے لے کر جنتیوں کے جنت میں اور  
 دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہونے تک کی تمام چیزوں کا ایسا تفصیلی علم کہ کائناتِ حاضرہ  
 اور غائبہ کی کوئی چیز مخفی اور پوشیدہ نہ رہے۔ (۵) اور علم غیر محیط سے مراد صرف بعض  
 مغیبات کا علم ہے، یعنی غیب کی صرف ان باتوں کا علم جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص  
 بندوں کو وحی والہام کے ذریعہ مطلع فرمایا ہے۔ اس مختصر وضاحت کے بعد چاروں  
 قسموں کی تفصیل پیش کی جاتی ہے:

### (۱) علم ذاتی

جو تو میں اللہ کو تمام مخلوقات کا خالق اور سارے عالم اور پوری کائنات کو اس کی مخلوق  
 مانتی ہے، وہ سب یہ بھی تسلیم کرتی ہیں کہ کسی بھی مخلوق میں جو صفت ہے وہ خالق کی عطا کی  
 ہوئی ہے، یہاں تک کہ مشرکین جو اپنے دیوتاؤں کے لیے الوہیت اور مستقل تصرف کی  
 قدرت کا عقیدہ رکھتے ہیں، وہ بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے دیوتاؤں کو یہ صفات اور یہ  
 کمالات خدا ہی نے عطا کیے ہیں؛ کیوں کہ جن کا وجود ہی خانہ زاد نہیں ہے؛ بلکہ عطائے  
 غیر ہے ان کے اوصاف و کمالات ذاتی اور خانہ زاد کیسے ہو سکتے ہیں؟۔

اسی بناء پر یہ حقیقت بالکل مسلم ہے کہ کسی بھی بندے اور بزرگ ہستی کو ایک ذرہ کا  
 بھی ”ذاتی علم“ حاصل نہیں ہے، لہذا جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ رسول اللہ ﷺ کو یا کسی  
 نبی یا ولی کو کسی بھی ذرہ کا ذاتی علم تھا یا ہے، تو بالاتفاق مشرک ہے، مولوی احمد رضا خاں

بریلوی لکھتے ہیں کہ

”علم ذاتی“ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اس کے غیر کے لیے محال ہے، جو اس میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرہ سے کم تر سے کم تر غیر خدا کے لیے مانے، وہ یقیناً کافر و مشرک ہے۔ (خالص الاعتقاد، ص: ۲۲، بحوالہ بریلوی فتنہ کانیا روپ)

## (۲) علم عطائی محیط عام

اسی طرح تمام اسلامی فرقے اس کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ تمام غیوب کا علم محیط اللہ جل شانہ نے کسی فرشتے یا نبی یا ولی کو عطا نہیں فرمایا، لہذا جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ رسول اللہ ﷺ کو تمام مغیبات کا علم محیط حاصل تھا، اور عالم غیب کی کوئی چیز جس طرح اللہ سے مخفی نہیں ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ سے بھی مخفی نہیں تھی، اور اللہ تعالیٰ کے علم غیب اور رسول اللہ ﷺ کے علم غیب میں بس ”ذاتی“ اور ”عطائی“ کا فرق تھا تو ایسا عقیدہ رکھنے والا بھی بلاشبہ مشرک اور کافر ہے، ملا علی قاریؒ موضوعات کبیر میں ارقام فرماتے ہیں کہ مَنِ اعْتَقَدَ تَسْوِيَةَ عِلْمِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ يُكْفَرُ إِجْمَاعًا كَمَا لَا يَنْخَفِي (ص: ۱۱۹) جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے علم میں برابری کا عقیدہ رکھے اس کو بالاتفاق کافر قرار دیا جائے گا، جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

اور خان صاحب بریلویؒ ”خالص الاعتقاد“ میں لکھتے ہیں:

علم ذاتی اور علم بالاستیعاب محیط تفصیلی یہ اللہ عز و جل کے ساتھ خاص ہیں (ص: ۳۲) پھر آگے اسی صفحہ پر لکھتے ہیں:

ہم نہ علم الہی سے مساوات مانیں، نہ غیر کے لیے علم بالذات جانیں، اور عطائے الہی سے بھی بعض علم ہی ملنا مانتے ہیں، نہ کہ جمیع۔

(خالص الاعتقاد، ص: ۲۳، بحوالہ بوارق الغیب اور بریلوی فتنہ کانیا روپ)



### (۳) علم عطائی محیطِ خاص

اہل سنت والجماعت کے نزدیک کسی بھی نبی یا ولی کو اس قسم کا علم نہیں دیا گیا ہے؛ مگر رضا خانی رسول اللہ ﷺ کے لیے اس قسم کا علم ثابت کرتے ہیں، خاں صاحب بریلوی کہتے ہیں:

”حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو تمام مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ کا علم تھا، اور ابتدائے آفرینش عالم سے لے کر جنت و نار کے داخلہ تک کا کوئی ذرہ حضور ﷺ کے علم سے باہر نہیں۔“ (انباء، مصطفیٰ، ص: ۴، ملخصاً) — یہی قسم اختلافی اور نزاعی ہے۔

### (۴) علم عطائی غیر محیط

اس قسم کا علم غیر خدا کے لیے ثابت ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام اور پیغمبرانِ عظام کو وحی کے ذریعہ غیب کی کچھ باتوں سے آگاہ فرمایا ہے؛ مگر کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم کسی کو عطا نہیں فرمایا؛ اس لیے یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ انبیائے کرام اور پیغمبرانِ عظام کو اللہ تعالیٰ نے وحی والہام کے ذریعہ غیب کی جن باتوں سے آگاہ فرمایا ہے، صرف انہی باتوں کو وہ جانتے ہیں، کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے، یہی قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور یہی تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔

## مدعیانِ علم غیب کے دلائل

### پہلی دلیل

مفتی احمد یار خاں ”جاء الحق“ میں اپنے عقیدے کو مدلل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظَلِّعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ﴾  
(سورہ آل عمران، آیت: ۱۷۹) اور اللہ کی شان یہ نہیں ہے کہ اے عام لوگو! تم کو غیب کا علم

دے، ہاں اللہ جن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے۔  
تفسیر بیضاوی میں اس آیت کے ماتحت ہے: خدا تعالیٰ تم میں سے کسی کو علم غیب نہیں  
دینے کا کہ مطلع کرے اس کفر و ایمان پر جو کہ دلوں میں ہوتا ہے؛ لیکن اللہ اپنی پیغمبری کے  
لیے جس کو چاہتا ہے جن لیتا ہے، پس اس کی طرف وحی فرماتا ہے اور بعض غیب کی ان کو  
خبر دیتا ہے، یا ان کے لیے ایسے دلائل قائم فرماتا ہے جو غیب پر راہبری کریں۔  
تفسیر خازن میں ہے: لیکن اللہ جن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے  
ان کو خبردار کرتا ہے بعض علم غیب پر۔

اس آیت کریمہ اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ خدا کا خاص علم غیب پیغمبر پر ظاہر ہوتا  
ہے، بعض مفسرین نے فرمایا کہ بعض غیب اس سے مراد علم الہی کے مقابلے میں بعض، اور  
کل مَا كَانْ وَمَا يَكُونُ بھی خدا کے علم کا بعض ہے۔ (جاء الحق، ص: ۲۸-۲۹)

## جواب

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ انبیائے کرام علیہم السلام کو وحی والہام کے ذریعہ  
غیب کی باتوں پر مطلع فرماتے ہیں، لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قیامت تک کے  
ذرہ ذرہ کا کسی نبی کو تفصیلی علم دے دیا گیا ہو — نیز مفسرین کرام کی جو عبارتیں خان  
صاحب نے اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کی ہیں، ان میں سے ایک سے بھی ان کا مدعا  
ثابت نہیں ہوتا، اور ”بعض غیب“ کا صاف اور واضح مفہوم بعض جزئیات کا علم ہے نہ کہ اللہ  
کے علم کا بعض۔

## دوسری دلیل

احمد یار خاں ”جاء الحق“ میں لکھتے ہیں:

﴿ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ ﴾ (سورہ

جن، آیت: ۲۶-۲۷) تو اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ

رسولوں کے۔ (جاء الحق، ص: ۵۵)

اس کے بعد تفسیر کبیر، تفسیر عزیزی، خازن اور روح البیان کی عبارتیں جو ان کے مدعا کے سراسر خلاف ہیں، نقل کر کے لکھتے ہیں:

”اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ خدائے قدوس کا خاص علم غیب حتیٰ کہ قیامت کا علم بھی حضور علیہ السلام کو عطا فرمایا گیا، اب کیا شے ہے جو علم مصطفیٰ علیہ السلام سے باقی رہ گئی“ (جاء الحق، ص: ۵۶)

## جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ اسی آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قُلْ إِنْ أَدْرَىٰ أَقْرَبٌ مَّا تُوْعَدُونَ أَمْ يَجْعَلُ لَهُ رَبِّي أَمَدًا﴾

(سورہ جن، آیت: ۲۵)

ترجمہ: آپ فرمادیجئے کہ میں نہیں جانتا کہ آیا نزدیک ہے وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، یا میرے رب نے اس کے لیے کوئی مدت دراز مقرر کر رکھی ہے۔

﴿مَّا تُوْعَدُونَ﴾ سے بعض مفسرین کے نزدیک ”عذاب“ اور بعض کے نزدیک ”قیامت“ مراد ہے، کچھ بھی ہو، کوئی چیز مَآكَانَ وَمَا يَكُونُ میں سے ضرور ایسی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ اس حقیقت کو ظاہر فرمادیں کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے، پھر یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ بالکل متصل اور پیوستہ یہ واضح کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو سب غیب کی باتیں بتادی ہیں، جن میں عذاب یا قیامت کا علم بھی داخل ہے، پس ﴿غَيْبٍ﴾ سے کلی غیب مراد لینا نصوص قطعہ کے خلاف ہے۔

## تیسری دلیل

احمد یار خاں لکھتے ہیں:

﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ، وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا﴾

(سورہ نساء، آیت: ۱۱۳)

ترجمہ: اور تم کو سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے، اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے — (جلالین) اٰی مِنْ الْاَحْکَامِ وَ الْغَيْبِ یعنی احکام اور علم غیب (تفسیر کبیر) اللہ نے آپ پر قرآن اتارا، اور حکمت اتاری، اور آپ کو ان کے بھیدوں پر مطلع فرمایا، اور ان کی حقیقتوں پر واقف کیا۔ (خازن) یعنی شریعت کے احکام اور دین کی باتیں سکھائیں اور کہا گیا ہے کہ آپ کو علم غیب میں سے وہ باتیں سکھائیں جو آپ نہ جانتے تھے اور کہا گیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کو چھپی چیزیں سکھائیں، اور دلوں کے راز پر مطلع فرمایا، اور منافقین کے نکر و فریب آپ کو بتا دیئے۔ (مدارک) دین اور شریعت کے امور سکھائے، اور چھپی ہوئی باتیں، دلوں کے راز بتائے۔

تفسیر حسینی ”بحر الرائق“ سے اسی آیت کے ماتحت نقل فرماتے ہیں: یہ مَا كَانُ وَمَا يَكُونُ کا علم ہے، کہ حق تعالیٰ نے شبِ معراج میں حضور علیہ السلام کو عطا فرمایا؛ چنانچہ معراج کی حدیث میں ہے کہ ہم عرش کے نیچے تھے کہ ایک قطرہ ہمارے حلق میں ڈالا، پس ہم نے سارے گزشتہ اور آئندہ کے واقعات معلوم کر لیے (جامع البیان) یعنی آپ کو وہ سب باتیں بتادیں جو قرآن کے نزول سے پہلے آپ نہ جانتے تھے۔

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو تمام آئندہ اور گزشتہ واقعات کی خبر دیدی گئی، کلمہ ”ما عربی زبان میں عموم کے لیے ہوتا ہے، تو آیت سے یہ معلوم ہوا کہ شریعت کے احکام، دنیا کے سارے واقعات، لوگوں کے ایمانی حالات وغیرہ جو کچھ بھی آپ کے علم میں نہ تھا؛ سب ہی بتا دیا، اس میں یہ قید لگانا کہ اس سے مراد صرف احکام ہیں، اپنی طرف سے قید ہے، جو قرآن و حدیث اور امت کے عقیدے کے خلاف ہے۔ (جاء الحق، ص: ۴۹-۵۰)

جواب

اس استدلال کا سارا مدار اس بات پر ہے کہ کلمہ ”ما عربی زبان میں عموم کے لیے ہوتا

ہے؛ حالانکہ یہ صحیح نہیں، سید شریف جرجانی حنفی مَنْ اور مَا وغیرہ اسماء موصولہ کے بارے میں صراحت کے ساتھ لکھتے ہیں:

قُلْنَا: الْمَوْصُولَاتُ لَمْ تَوْضَعْ لِلْعُمُومِ بَلْ هِيَ لِلْجِنْسِ تَحْتَمِلُ الْعُمُومَ وَ  
الْخُصُوصَ (شرح مواقف، ص: ۷۲۳، مطبوعہ نول کشور)

ترجمہ: ہم کہتے ہیں کہ اسماء موصولہ عموم کے لیے وضع نہیں کیے گئے؛ بلکہ یہ جنس کے لیے وضع کیے گئے ہیں، جو عموم اور خصوص دونوں کا احتمال رکھتے ہیں۔

علاوہ ازیں اس استدلال میں درج ذیل خامیاں ہیں:

(۱) جلالین شریف میں: اَيُّ مِنَ الْأَحْكَامِ وَالْغَيْبِ هِيَ، خال صاحب نے لفظ مِنْ کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے، الْغَيْبِ کا ترجمہ علم غیب کر دیا ہے؛ حالانکہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو بعض احکام اور غیب کی کچھ باتیں سکھائیں جو آپ نہیں جانتے تھے، کیوں کہ تمام احکام شرعیہ اس آیت کے نزول کے وقت آپ ﷺ کو نہیں سکھائے گئے تھے، بہت احکام اس کے بعد نازل ہوئے ہیں۔

(۲) تفسیر حسینی، کمال الدین حسین واعظ کاشفی کی تفسیر ہے، جو ”انوار سہیلی“ اور ”اخلاق محسنی“ کے مصنف ہیں، ان کی یہ تفسیر بالکل غیر معتبر ہے؛ اس لیے اس کی بات کسی کے لیے حجت نہیں ہو سکتی، عقیدہ کے اثبات کے لیے دلیل قطعی چاہیے خود خال صاحب لکھتے ہیں کہ ”جب علم غیب کا منکر اپنے دعوے پر دلیل قائم کرے تو چار باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے (۱) وہ آیت قطعی الدلالة ہو جس کے معنی میں چند احتمال نہ نکل سکتے ہوں، اور حدیث ہو تو متواتر ہو۔ (جاء الحق، ص: ۴۰)

## مدعیان علم غیب کا احادیث سے استدلال

پہلی حدیث

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قَامَ فِينَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا مَا تَرَكَ شَيْئًا يَكُونُ فِي مَقَامِهِ ذَلِكَ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا حَدَّثَ بِهِ ، حَفِظَهُ مَنْ حَفِظَهُ وَ نَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ (مشکاۃ شریف، کتاب الفتن، ص: ۴۶۱)

ترجمہ: ایک بار رسول اکرم ﷺ ہم میں (خطبہ دینے کے لیے) کھڑے ہوئے، آپ ﷺ نے اپنے اس قیام میں قیامت تک ہونے والی کوئی چیز نہیں چھوڑی، جس کو آپ ﷺ نے بیان نہ کیا ہو، یاد رکھا اس کو جس نے یاد رکھا اور بھول گیا وہ جو بھول گیا۔

## دوسری حدیث

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قَامَ فِينَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا، فَأُخْبِرْنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتَّى دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ، وَ أَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ ؛ حَفِظَ ذَلِكَ مَنْ حَفِظَهُ وَ نَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ. (مشکاۃ شریف، ص: ۵۰۶، باب بدء الخلق،)

ترجمہ: ایک بار نبی کریم ﷺ نے ہم میں کھڑے ہو کر ہم کو خبر دی ابتدائے آفرینش سے جنتیوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہونے تک کے احوال کی، یاد رکھا اس کو جس نے اس کو یاد رکھا، اور بھول گیا وہ جو بھول گیا۔

## تیسری حدیث

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قَامَ فِينَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيبًا بَعْدَ الْعَصْرِ ، فَلَمْ يَدَعْ شَيْئًا يَكُونُ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا ذَكَرَهُ حَفِظَهُ مَنْ حَفِظَهُ وَ نَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ. (مشکاۃ شریف، ص: ۴۳۷، باب الامر بالمعروف)

ترجمہ: ایک دن عصر کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر ہمارے سامنے خطبہ دیا، پس قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا، اس میں سے کوئی چیز آپ ﷺ نے

نہیں چھوڑی جس کو آپ نے بیان نہ کیا ہو، یاد رکھا اس کو جس نے یاد رکھا، اور بھول گیا جو بھول گیا۔

## چوتھی حدیث

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
 فَرَأَيْتُهُ (عَزَّ وَجَلَّ) وَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفَيْ حَتَّى وَجَدْتُ بَرْدَ أُنَامِلِهِ  
 بَيْنَ ثَدْيَيْ، فَتَجَلَّى لِي كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ. (مشکاۃ شریف، ص: ۷۲)  
 ترجمہ: پس میں نے اللہ جل شانہ کو دیکھا کہ اپنا دستِ قدرت میرے دونوں  
 شانوں کے درمیان رکھا، حتیٰ کہ اس کے آثار کی لذت اور ٹھنڈک میں نے اپنے سینہ میں  
 محسوس کی، پس ہر چیز میرے لیے روشن ہو گئی اور میں نے پہچان لیا۔

## پانچویں حدیث

حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
 إِنَّ اللَّهَ رَفَعَ لِي الدُّنْيَا فَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهَا وَالِى مَا هُوَ كَائِنٌ فِيهَا إِلَى يَوْمِ  
 الْقِيَامَةِ كَأَنَّمَا أَنْظُرُ إِلَى كَفِّي هَذَا. (حلیۃ الأولیاء: ۶/۱۰۱، لأبی نعیم)  
 ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے دنیا کو پیش فرمایا، پس میں دنیا کو اور اس میں  
 قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے، اس کو اس طرح دیکھ رہا ہوں، جیسے میں اپنی اس ہتھیلی کو  
 دیکھ رہا ہوں۔

ان احادیث کو نقل کر کے احمد یار خاں لکھتے ہیں:

”ان احادیث سے اتنا معلوم ہوا کہ تمام عالم حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے سامنے  
 اس طرح ہے جیسے اپنی کفِ دست — خیال رہے کہ عالم کہتے ہیں ماسوی اللہ کو، تو عالم  
 اجسام، عالم ارواح، عالم امر، عالم امکان، عالم ملائکہ، عرش و فرش غرض کہ ہر چیز پر حضور  
 علیہ السلام کی نظر ہے، اور عالم میں لوح محفوظ بھی ہے جس میں سارے حالات ہیں —

دوسرے یہ معلوم ہوا کہ اگلے پچھلے سارے واقعات پر بھی اطلاع رکھتے ہیں۔

(جاء الحق، ص: ۶۷)

## الزامی جواب

اس استدلال کا الزامی جواب ان کی بیان کردہ شرطوں کے مطابق تو یہ ہے کہ مذکورہ حدیثوں میں سے کوئی حدیث متواتر نہیں ہے؛ لہذا ان احادیث کو دلیل کے طور پر پیش کرنا فریب دہی کے سوا کیا ہے؟ کیوں کہ احمد یار خاں خود لکھتے ہیں:

”جب علم غیب کا منکر اپنے دعوے پر دلیل قائم کرے تو چار باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے: (۱) وہ آیت قطعی الدلالة ہو، جس کے معنی میں چند احتمال نہ نکل سکتے ہوں، اور حدیث ہو تو متواتر ہو“۔ (جاء الحق، ص: ۴۰)

## تحقیقی جواب

اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ مذکورہ حدیثوں میں سے پہلی تینوں حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک خطبہ میں قیامت تک ہونے والے بڑے بڑے واقعات اور فتنے اور قیامت کی نشانیاں بیان فرمائیں، ان میں سے کچھ باتیں لوگوں کو یاد رہیں اور کچھ بھول گئے۔ خود حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وَاللَّهِ! مَا أَذْرِي أَنَسِي أَصْحَابِي أَمْ تَنَاسَوْا؟ وَاللَّهِ! مَا تَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَائِدِ فِتْنَةٍ إِلَى أَنْ تَنْقُضِيَ الدُّنْيَا يَبْلُغُ مَنْ مَعَهُ ثَلَاثَ مِائَةٍ فَصَاعِدًا إِلَّا قَدْ سَمَّاهُ لَنَا بِاسْمِهِ وَاسْمِ أَبِيهِ وَاسْمِ قَبِيلَتِهِ. رواه أبو داؤد. (مشكاة شريف، كتاب الفتن، ص: ۴۶۳)

ترجمہ: اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ آیا میرے ساتھی بھول گئے یا اپنے آپ کو بھولا ہوا ظاہر کرتے ہیں؟ قسم بہ خدا! رسول اللہ ﷺ نے اختتام دنیا تک کسی ایسے فتنہ انگیز کو نہیں چھوڑا جس کے چیلوں کی تعداد تین سو یا تین سو سے زائد ہوگی کہ آپ ﷺ نے ہمارے



سامنے اس کا نام اس کے باپ کا نام اور اس کے قبیلے کا نام نہ ذکر کیا ہو۔

ابوداؤد کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ میں جو باتیں بیان فرمائی تھیں، وہ فتن اور علاماتِ قیامت کے قبیل سے تھیں، دنیا بھر کی چیزوں کا ذکر نہیں کیا تھا؛ کیوں کہ یہ عقلاً ممکن نہیں ہے۔

اور چوتھی حدیث میں کُلُّ شَيْءٍ سے تمام چیزیں مراد نہیں ہیں؛ بلکہ صرف احکامِ شرعیہ اور امورِ دینیہ مراد ہیں، جیسا کہ اسی حدیث کے سیاق و سباق سے واضح ہوتا ہے، پوری حدیث بہت طویل ہے، اس کا نقل کرنا طوالت سے خالی نہیں؛ اس لیے صرف مفید مطلب حصہ کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنا خواب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کو بہترین صورت میں دیکھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: محمد! میں نے عرض کیا: حاضر ہوں میرے رب! اللہ نے دریافت فرمایا: مقررینِ بارگاہِ عالی کن امور میں بحث و مباحثہ کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: مجھے علم نہیں — تین مرتبہ یہ سوال و جواب دہرائے گئے — پھر میں نے اللہ جل شانہ کو دیکھا کہ اپنا دست (قدرت) میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا حتیٰ کہ اس کے آثار کی لذت اور ٹھنڈک میں نے اپنے سینہ میں محسوس کی، پس ہر چیز میرے لیے روشن ہو گئی، اور میں نے پہچان لیا، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: محمد! میں نے عرض کیا: حاضر ہوں میرے رب! اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا: مقررینِ بارگاہِ عالی کن امور پر بحث کر رہے ہیں؟ میں نے جواب دیا: گناہوں کو مٹانے والی چیزوں کے بارے میں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ کیا ہے؟ میں نے جواب دیا: (نماز کے لیے) جماعتوں کی طرف قدم بڑھانا، نماز کے بعد مسجدوں میں بیٹھنا اور ناگوار یوں کے وقت اچھی طرح وضو کرنا، اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا: پھر کن امور میں (بحث کر رہے ہیں؟) میں نے جواب دیا: جنت کے بلند درجات (تک پہنچانے والی چیزوں) کے بارے میں، اللہ تعالیٰ نے پوچھا: وہ کیا ہیں؟ میں نے جواب دیا: (بھوکوں کو) کھانا کھلانا، نرم گفتگو کرنا، اور لوگ جب سوئے ہوئے ہوں

نماز پڑھنا۔ (مشکاۃ شریف، ص: ۷۲)

اللہ جل شانہ اور حضور اکرم ﷺ کے اس مکالمہ سے معلوم ہوا کہ کُلُّ شَيْءٍ سے مراد وہ امور دینیہ ہیں جن کے بارے میں مقررین بارگاہِ عالی بحث کر رہے تھے، نہ کہ دنیا بھر کی تمام چیزیں — اور صرف امور دینیہ مراد لینے اور علم کلی کی نفی کرنے میں کوئی تنقیص نہیں، جیسا کہ رضا خانیوں کا خیال ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب (جن کی علمی سیادت و قیادت فریقین کے نزدیک مسلم ہے) تفہیماتِ الہیہ میں لکھتے ہیں:

ثُمَّ لِيُعْلَمَ أَنَّهُ يَجِبُ أَنْ يُنْفَى عَنْهُمْ صِفَاتُ الْوَاجِبِ جَلَّ مَجْدُهُ مِنَ الْعِلْمِ  
بِالْغَيْبِ وَالْقُدْرَةِ عَلَى خَلْقِ الْعَالَمِ إِلَى غَيْرِ ذَلِكَ وَ لَيْسَ ذَلِكَ بِنَقْصٍ.

(تفہیماتِ الہیہ، ص: ۲۴)

ترجمہ: پھر جاننا چاہیے کہ واجب اور ضروری ہے کہ حضراتِ انبیائے کرام سے واجب جل مجدہ کی صفات کی نفی کی جائے یعنی علم غیب اور جہاں کے پیدا کرنے پر قدرت وغیرہ کی نفی اور اس میں کوئی تنقیص نہیں ہے۔

پھر چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

وَ إِنِ اسْتَدِلَّ بِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ : فَتَجَلَّى لِي كُلُّ شَيْءٍ ، قُلْنَا :  
هُوَ بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهِ تَعَالَى فِي التَّوْرَةِ : ﴿ تَفْصِيلاً لِكُلِّ شَيْءٍ ﴾ وَ الْأَصْلُ

فِي الْعُمُومَاتِ التَّخْصِيصُ بِمَا يُنَاسِبُ الْمَقَامَ . (حوالہ سابقہ، ص: ۲۵)

ترجمہ: اور اگر حضور اکرم ﷺ کے ارشاد: فَتَجَلَّى لِي كُلُّ شَيْءٍ سے استدلال کیا جائے تو ہم جواب دیں گے کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد ایسا ہی ہے جیسا کہ تورات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ تَفْصِيلاً لِكُلِّ شَيْءٍ ﴾ اور اصل عمومات میں مقام کے مناسب تخصیص کرنا ہے۔

اور پانچویں روایت کا جواب یہ ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی سعید بن سنان رہاوی ہے، جو نہایت ضعیف اور کمزور ہے، علامہ نور الدین علی بن ابی بکر ہیثمی نے مجمع الزوائد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ وَرِجَالُهُ وَتَقُوا عَلَى ضَعْفِ كَثِيرٍ فِي سَعِيدِ بْنِ سِنَانَ الرَّهَاقِيِّ.

(مجمع الزوائد: ۸/۲۸۷)

ترجمہ: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اور اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے، سعید بن سنان رهاوی کے بہت زیادہ ضعیف ہونے پر اتفاق کرتے ہوئے۔

اور حافظ علی متقی حنفی نے ”کنز العمال“ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: وَسَنَدُهُ ضَعِيفٌ: اس کی سند ضعیف ہے۔ (کنز العمال: ۶/۹۵) الحاصل یہ روایت نہایت ضعیف ہے، اور ضعیف روایت کی حضور ﷺ کی طرف نسبت کرنا، پھر اس سے نصوص قطعیہ کے خلاف عقیدہ ثابت کرنا ہرگز جائز نہیں، خود خاں صاحب بریلوی لکھتے ہیں:

”حدیث ماننے اور حضور اکرم ﷺ کی طرف نسبت کرنے کے لیے ثبوت چاہیے، بے ثبوت نسبت جائز نہیں“۔ (عرفان شریعت: ۳/۲۷)

## اہل سنت کا عقیدہ اور دلائل

تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام اور پیغمبرانِ عظام کو وحی والہام کے ذریعہ غیب کی بہت سی باتوں سے آگاہ فرمایا ہے؛ مگر کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم کسی کو عطا نہیں فرمایا؛ اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں کہ آپ ﷺ کو تمام ممکنات حاضرہ اور غائبہ کا علم عطا کیا گیا ہے، اور نہ یہ کہنا صحیح ہے کہ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ کا علم حاصل تھا، اور ابتدائے آفرینش سے لے کر جنت و نار کے داخلہ تک کا کوئی ذرہ حضور اکرم ﷺ کے علم سے باہر نہیں، نیز قرآن پاک میں تمام مخلوقات سے عموماً اور حضور اکرم ﷺ سے خصوصاً علم غیب کی نفی کی گئی ہے؛ اس لیے کسی نبی یا ولی کے لیے علم غیب ثابت کرنا نصوص قطعیہ کے خلاف ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ ، وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُنْعَثُونَ ﴾ (سورہ نمل، آیت: ۶۵)

ترجمہ: آپ فرمادیجیے کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں ہے، ان میں سے کوئی بھی غیب نہیں جانتا، سوائے اللہ تعالیٰ کے، اور (اسی وجہ سے) ان مخلوقات کو یہ خبر نہیں کہ وہ کب دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔

نیز ارشاد خداوندی ہے:

﴿ قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ ، وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ ﴾ (سورہ أنعام، آیت: ۵۰)

ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے نہیں کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں، اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔  
نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ، وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَأَسْتَكْثِرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسْنِيَ السُّوءُ ﴾ (أعراف، آیت: ۱۸۸)

ترجمہ: آپ فرمادیجیے کہ میں نہ اپنی جان کے بھلے کا مالک ہوں، نہ بُرے کا؛ مگر جو اللہ تعالیٰ چاہیں، اور اگر میں جان لیا کرتا غیب کی بات تو بہت کچھ بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھ کو برائی کبھی نہ پہنچتی۔

اور سورہ لقمان میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنزِلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَ مَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ، وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴾ (سورہ لقمان، آیت: ۳۳)

ترجمہ: بے شک اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے، اور وہ بارش برساتا ہے، اور وہ جانتا ہے جو کچھ رحم میں ہے، اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا، اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا، بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والے باخبر ہیں۔

نیز ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ﴾ (سورہ انعام، آیت: ۵۹)

ترجمہ: اللہ ہی کے پاس ہیں مخفی چیزوں کے خزانے ان کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے غیب کا کلی علم مخلوقات میں سے کسی کو حتیٰ کہ حضور اکرم ﷺ کو بھی عطا نہیں فرمایا، لہذا حضور اکرم ﷺ کے لیے قیامت تک کا علم محیط ثابت ماننا اور آپ ﷺ کو عالم الغیب جاننا ان آیتوں کے سراسر خلاف ہے۔

### ایک شبہ اور اس کا جواب

بعض جاہل اور نادان لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ”عالم الغیب“ نہیں کہنا چاہیے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ سے جب کوئی چیز مخفی نہیں تو وہ ”عالم الغیب“ کیسے ہو سکتے ہیں؟ لہذا معلوم ہوا کہ ”عالم الغیب“ مخلوق ہی کی صفت ہو سکتی ہے، نہ کہ خالق کائنات کی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ”غیب“ اس چیز کو نہیں کہا جاتا جو اللہ تعالیٰ سے مخفی ہو؛ بلکہ غیب اس کو کہتے ہیں جو مخلوقات سے پوشیدہ ہو، علامہ سید محمود آلوسی حنفی ”اپنی بے نظیر تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں:

وَ كَوْنُ ذَلِكَ غَيْبًا بِاعْتِبَارِهِ عَنِ النَّاسِ وَ نَحْوِهِمْ لَا بِاللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ،  
فَإِنَّهُ لَا يَغِيبُ عَنْهُ شَيْءٌ، وَ لَكِنْ لَا يَجُوزُ أَنْ يُقَالَ أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ  
قَصْدًا إِلَى أَنَّهُ لَا غَيْبَ بِالنِّسْبَةِ إِلَيْهِ. (روح المعانی: ۱۰/۲۰)

ترجمہ: اور اس کا غیب ہونا انسانوں اور ایسی ہی دوسری مخلوقات کے اعتبار سے ہے، نہ کہ اللہ جل شانہ کے اعتبار سے؛ اس لیے کہ اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے؛ لیکن اس وجہ سے کہ اللہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے یہ کہنا جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ غیب نہیں جانتے۔ اور تفسیر مدارک میں ہے:

(عَالِمُ الْغَيْبِ) مَا يَغِيبُ عَنِ النَّاسِ (وَالشَّهَادَةُ) مَا يُشَاهِدُونَهُ. (۱۹۴/۲)

ترجمہ: عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں سے جو چیزیں پوشیدہ ہیں، اور لوگ جن چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہیں ان سب کو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔

## رضا خانی تاویلات

اہل حق علم غیب کلی کی نفی پر جن آیتوں سے استدلال کرتے ہیں مدعیان علم غیب ان میں چار تاویلیں کرتے ہیں:

(۱) ان آیتوں میں غیر اللہ سے عموماً اور رسول اللہ ﷺ سے خصوصاً صرف علم ذاتی کی نفی کی گئی ہے، نہ کہ علم عطائی کی۔

(۲) ان آیتوں میں غیر اللہ سے صرف ”علم محیط عام“ کی نفی کی گئی ہے نہ کہ ”علم محیط خاص“ کی یعنی مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ کی نفی نہیں کی گئی ہے۔

(۳) ان آیتوں کے نزول کے بعد آنحضرت ﷺ کو یہ علوم دے دیئے گئے تھے، گویا یہ آیات منسوخ ہیں۔

(۴) جن آیات میں قیامت وغیرہ کے علم کو اللہ تعالیٰ کی طرف پھیرا گیا ہے، ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کسی دوسرے کو ان کا علم نہیں؛ بلکہ ان کا مفاد صرف یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو ان کا علم ہے، دوسروں کو اس کا علم ہے یا نہیں اس سے یہ آیات ساکت ہیں۔

مدعیان علم غیب ان آیتوں کی یہ تاویلات اس لیے کرتے ہیں کہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ لقمان کی آیت میں مذکورہ پانچ چیزوں میں سے بعض جزئیات کا علم آنحضرت ﷺ کو تھا، اور آپ ﷺ نے دوسروں کو بھی اس کی اطلاع دی تھی — چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قرب قیامت کے واقعات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ثُمَّ يُرْسِلُ اللَّهُ مَطَرًا لَا يَكُنُّ مِنْهُ بَيْتٌ مَدْرٍ وَلَا وَبَرٍ . رواه مسلم .

(مشکاۃ، ص: ۴۷۴)

پھر (یعنی یا جوج، ما جوج کے فتنے کے بعد) اللہ تعالیٰ ایک عالم گیر بارش برسائیں

گے، جس سے شہریا گاؤں کا کوئی گھر بچ نہ سکے گا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کو قیامت کے قریب ہونے والی بارش کی اطلاع سیکڑوں برس پہلے ہو گئی تھی۔

اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما جب حالت حمل میں تھے تو حضرت ام فضل بنت حارث رضی اللہ عنہا نے خواب دیکھا کہ حضور اقدس کے جسد اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر ان کی گود میں رکھ دیا گیا ہے، اس خواب سے ان کو بہت زیادہ تشویش ہوئی اور خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اپنا خواب بیان کیا، حضور اکرم ﷺ نے اس کی تعبیر بیان کرتے ہوئے فرمایا:

رَأَيْتِ خَيْرًا، تَلَدُ فَاطِمَةٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ غُلَامًا يَكُونُ فِي حِجْرِكَ.

(مشکاۃ شریف، ص: ۵۷۲)

ترجمہ: تو نے اچھا خواب دیکھا، ان شاء اللہ میری لخت جگر فاطمہ ایک لڑکا جنے گی جو تیری گود میں ہوگا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی ولادت سے پہلے حضور اکرم ﷺ کو معلوم تھا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے لڑکا پیدا ہونے والا ہے۔ اور غزوہ خیبر کے موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

لَأُعْطِينَ هَذِهِ الرَّأْيَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللَّهُ عَلَى يَدَيْهِ.

(مشکاۃ شریف، ص: ۵۶۳)

ترجمہ: میں کل یہ جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ خدا فتح دیں گے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کو آئندہ ہونے والی چیزوں کا بھی علم تھا، اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے زمانہ آئندہ میں ہونے والی بہت سی چیزوں کی خبر دی ہے، جو کتب حدیث میں مذکور ہیں، ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو ہونے والے واقعات کا علم تھا۔

اور غزوہ بدر کے موقع پر جنگ سے ایک روز پہلے حضور اکرم ﷺ نے صنادید کفار کی قتل گاہیں بتلا دی تھیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بعض لوگوں کے مقام موت کا

بھی علم تھا، اور بعض احادیث سے پتا چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اپنے مقامِ وفات اور جائے دفن کا بھی پہلے سے علم تھا۔

الغرض ان روایات سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو آئندہ پیش آنے والے واقعات، نزولِ باران، مانی الارحام، اور مقامِ موت کا علم تھا؛ چنانچہ مولوی احمد رضا خاں بریلوی اور مولوی نعیم الدین مراد آبادی اور ان کے تبعین کا یہ دعویٰ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا علم شریف مذکورہ چاروں باتوں اور قیامت کو بھی محیط ہے، اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر یہ تاویلات نہ کی جائیں تو آیات اور روایات میں ایسا تعارض ہوگا، جو کسی طرح اٹھ نہ سکے گا۔

## جواب

اس کا جواب مولوی احمد رضا خاں کے طرز پر تو یہ ہے کہ آیات قرآنیہ کا تعارض اخبارِ آحاد سے نہیں ہو سکتا، خود خاں صاحب بریلوی اپنے رسالہ ”انباء المصطفیٰ“ کے صفحہ چار پر علم غیب ہی کی بحث میں لکھتے ہیں:

”عموم آیات قرآنیہ کی مخالفت میں اخبارِ آحاد سے استناد محض ہرزہ بانی (ہے)۔“

اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ مذکورہ آیات اور احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے؛ اس لیے کہ سورۃ لقمان کی آیت میں امورِ خمسہ کے علم کلی کی نفی کی گئی ہے کہ قیامت، نزولِ باران، اور مانی الارحام وغیرہ کا کلی علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں، اور احادیث و روایات سے امورِ خمسہ کی صرف بعض جزئیات کا علم ثابت ہوتا ہے، علم کلی کا ثبوت ہرگز نہیں ہوتا، حضرت ملا علی قاری حدیث جبرئیل کی شرح میں لکھتے ہیں:

فَإِنْ قُلْتَ: قَدْ أَخْبَرَ الْأَنْبِيَاءُ وَالْأَوْلِيَاءُ بِشَيْءٍ كَثِيرٍ مِنْ ذَلِكَ فَكَيْفَ

الْحَصْرُ؟ قُلْتُ: الْحَصْرُ بِاعْتِبَارِ كَلِمَاتِهَا، دُونَ جُزْئِيَّاتِهَا. (مرقاۃ: ۱/۶۵)

ترجمہ: اگر آپ کہیں کہ حضرات انبیائے کرام اور اولیائے عظام نے امورِ خمسہ میں سے بہت سی چیزوں کی خبر دی ہے، پس حصر کیوں کر درست ہو سکتا ہے؟ تو میں جواب دوں گا کہ حصر کلمات کے اعتبار سے ہے نہ کہ جزئیات کے اعتبار سے۔



اور ان تاویلات کا جواب یہ ہے کہ سورہ یس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ﴾ (ہم نے آپ ﷺ کو شعر کا علم نہیں عطا کیا)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو شعر کا علم نہ ذاتی طور پر حاصل تھا، نہ عطائی طریقہ پر، پس پہلی تاویل لغو ہوگئی — اور دوسری تاویل کی تردید بھی اسی آیت سے ہوتی ہے، کیوں کہ ”شعر“ بھی مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ میں سے ہے، لہذا معلوم ہوا کہ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ میں سے کوئی چیز ضرور ایسی ہے، جس کا علم آپ کو نہیں عطا کیا گیا تھا، پس حضور اکرم ﷺ کے لیے قیامت تک کا علم محیط ثابت کرنا نصوص قطعہ کے خلاف ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَمَا يَنْبَغِي لَهُ﴾ (اور شعر کا علم آپ ﷺ کی شان کے مناسب نہیں) اس سے تیسری تاویل کی تردید ہوتی ہے، کیونکہ جو چیز حضور اکرم ﷺ کی شان کے مناسب نہیں اس کو بعد میں عطا فرمانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اور سورہ انعام (آیت: ۵۹) میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ﴾ (اللہ ہی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں یا خزانے، ان کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا)

اس آیت سے چوتھی تاویل کی تردید ہوتی ہے؛ کیوں کہ اس آیت میں غیر اللہ سے علم غیب کی صراحت نفی کی گئی ہے۔

اسی طرح ﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ (سورہ نمل، آیت: ۶۵) سے بھی غیر اللہ سے علم غیب کی نفی ہوتی ہے، لہذا یہ کہنا کہ دوسروں کو اس کا علم ہے یا نہیں اس سے آیات ساکت ہیں بالکل لغو تاویل ہے۔

### ملا علی قاری کا مسلک

مدعیان علم غیب حضرت ملا علی قاری حنفیؒ کی مجمل و مبہم اور ادھوری عبارتوں کو پیش کر کے لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں؛ اس لیے ذیل میں ملا قاری علی رحمۃ اللہ علیہ کی چند واضح

اور صریح عبارتیں پیش کی جاتی ہیں؛ تاکہ آپ جان لیں کہ مسئلہ علم غیب میں ملا علی قاری کا مسلک وہی ہے جو تمام اہل سنت والجماعت کا ہے۔

(۱) ملا علی قاری حضرت عبدالرحمن بن عائش رضی اللہ عنہما کی روایت جو مشکاة باب المساجد، ص: ۷۰، پر ہے، اس کی شرح کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

(فَعَلِمْتُ) أَي بِسَبَبِ وُضُوعِ ذَلِكَ الْفَيْضِ (مَا فِي السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ) يَعْنِي مَا أَعْلَمَهُ اللَّهُ تَعَالَى مِمَّا <sup>(۱)</sup> فِيهِمَا مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَ الْأَشْجَارِ وَ غَيْرِهِمَا وَ هُوَ عِبَارَةٌ عَنْ سَعَةِ عِلْمِهِ الَّذِي فَتَحَ اللَّهُ بِهِ عَلَيْهِ. وَ قَالَ ابْنُ حَجَرٍ: أَيُّ جَمِيعِ الْكَائِنَاتِ الَّتِي فِي السَّمَوَاتِ بَلْ وَ مَا فَوْقَهَا كَمَا يُسْتَفَادُ مِنْ قِصَّةِ الْمِعْرَاجِ ، وَ الْأَرْضِ هِيَ بِمَعْنَى الْجِنْسِ أَي وَ جَمِيعِ مَا فِي الْأَرْضِ السَّبْعِ بَلْ وَ مَا تَحْتَهَا. كَمَا أَفَادَهُ إِخْبَارُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ الثَّوْرِ وَ الْحَوْبِ الَّذِينَ عَلَيْهَا الْأَرْضُونَ كُلُّهَا، وَ يُمَكِّنُ أَنْ يُرَادَ بِالسَّمَوَاتِ : الْجِهَةُ الْعُلْيَا، وَ بِالْأَرْضِ : الْجِهَةُ السُّفْلَى ، فَيَشْمَلُ الْجَمِيعَ ، لَكِنْ لَا بُدَّ مِنَ التَّعْيِيدِ الَّذِي ذَكَرْنَاهُ ، إِذَا لَا يَصِحُّ إِطْلَاقُ الْجَمِيعِ كَمَا هُوَ الظَّاهِرُ. (مرقاة المفاتيح: ۲/۲۱۰)

ترجمہ: (پس جان لی میں نے) یعنی اس فیض کے پہنچنے کی وجہ سے (وہ چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں) یعنی وہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائیں، آسمانوں اور زمین میں جو چیزیں ہیں، ان میں سے کچھ فرشتوں اور درختوں وغیرہ میں سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد میں اپنے علم کی وسعت کو واضح فرمایا ہے جو اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کھولا ہے۔ اور ابن حجر نے کہا کہ وہ ساری کائنات جو آسمانوں میں ہے، بلکہ آسمانوں سے بھی اوپر ہے، جیسا کہ معراج کے واقعہ سے سمجھ میں آتا ہے، اور والارض سے جنس ارض مراد ہے، اور مطلب یہ ہے کہ تمام وہ چیزیں جو ساتوں زمینوں میں ہیں؛ بلکہ ان سے بھی نیچے ہیں، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بیل اور مچھلی کے بارے

(۱) مما میں من تبعضیہ اور ما موصولہ ہے۔ ۱۲

میں خبر دینے سے معلوم ہوتا ہے، جن پر سب زمیں قائم ہیں۔ اور ممکن ہے سموات سے مراد اوپر کی جہت ہو، اور ارض سے مراد نیچے کی جہت ہو، پس ارشاد نبوی: مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ تَمَامٌ جُزْءٍ كَوَشَائِلِ هُوَ؛ لیکن وہ قید لگانی ضروری ہے، جو ہم نے ذکر کی ہے (یعنی آسمانوں اور زمین میں جو چیزیں ہیں، ان میں سے کچھ جو اللہ نے آپ کو بتائیں) کیوں کہ جمیع کو مطلق رکھنا صحیح نہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔

حضرت ملا علی قاریؒ کے اس استدراک سے معلوم ہوا کہ ابن حجر مکیؒ کے کلام میں اور خود ملا علی قاریؒ کے کلام میں جو لفظ جمیع آیا ہے، اس سے علی الاطلاق کائنات کی تمام چیزیں مراد نہیں؛ بلکہ وہی چیزیں مراد ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وحی والہام کے ذریعہ بتائیں؛ کیوں کہ مِنْ تَبْعِيضِهِ كَمَا مَفَادُ يَهِي هُوَ — اور یہی مطلب ہے دیگر اکابر کی ان عبارتوں کا جن میں لفظ جمیع یا مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ کے الفاظ مذکور ہیں، رضا خانی مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ کے جو معنی بیان کرتے ہیں، وہ ہرگز مراد نہیں۔

(۲) ملا علی قاریؒ شرح شفاء اور شرح فقہ اکبر میں ارقام فرماتے ہیں:

وَ الْحَاصِلُ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يَعْلَمُوا الْمَغِيْبَاتِ مِنَ الْأَشْيَاءِ إِلَّا مَا أَعْلَمَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى أَحْيَانًا. وَقَدْ صَرَّحَ عُلَمَاؤُنَا الْحَنْفِيَّةُ بِتَكْفِيرِ مَنْ اعْتَقَدَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْلَمُ الْغَيْبَ لِمُعَارَضَةِ قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ كَذَا فِي الْمَسَامِرَةِ

لِلْإِمَامِ ابْنِ هُمَامٍ. (شرح شفاء: ۴/۴۳۸، شرح فقہ اکبر، ص: ۱۸۵)

ترجمہ: خلاصہ بحث یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام غیب کی صرف انہی باتوں کو جانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو گاہے ماہے بتائی ہیں۔ اور ہمارے علمائے احناف نے صراحتہً ذکر کیا ہے کہ یہ عقیدہ رکھنے والا کہ نبی کریم ﷺ غیب جانتے ہیں کافر ہے؛ اس لیے کہ یہ عقیدہ اللہ کے ارشاد: ﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کے معارض اور مخالف ہے، امام ابن ہمام کی کتاب ”مسامرة“ میں ایسا ہی ہے۔

(۳) حضرت ملا علی قاریؒ ”الموضوعات الکبریٰ“ میں رضا خانیوں کے عقیدے جیسے

عقیدہ کی تردید کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

وَلَمَّا جَرَى لِأُمَّ الْمُؤْمِنِينَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا مَا جَرَى وَرَمَاهَا أَهْلُ  
الْإِفْكِ لَمْ يَكُنْ يَعْلَمُ حَقِيقَةَ الْأَمْرِ حَتَّى جَاءَ الْوَحْيُ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى  
بِبَرَائَتِهَا، وَ عِنْدَ هَؤُلَاءِ الْغُلَاةِ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَعْلَمُ الْحَالَ وَ أَنَّهُ  
غَيْرُهَا بِلَا رَيْبٍ، وَ اسْتَشَارَ النَّاسَ فِي فِرَاقِهَا وَ دَعَا رَيْحَانَةَ ، فَسَأَلَهَا  
وَهُوَ يَعْلَمُ الْحَالَ، وَقَالَ لَهَا: إِنْ كُنْتَ أَلَمَمْتِ بِذَنْبٍ ، فَاسْتَغْفِرِي اللَّهَ  
وَهُوَ يَعْلَمُ عَلِمًا يَقِينًا أَنَّهُ لَمْ تَلَمِّي بِذَنْبٍ وَ لَا رَيْبَ أَنَّ الْحَالَ لِهَؤُلَاءِ  
عَلَى هَذَا الْغُلُوِّ اعْتِقَادُهُمْ أَنَّهُ يَكْفُرُ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ ، وَ  
كُلَّمَا غَلَوْا كَانُوا أَقْرَبَ إِلَيْهِ وَأَخْصَّ بِهِ، فَهُمْ أَعْصَى النَّاسِ لِأَمْرِهِ وَ  
أَشَدَّهُمْ مُخَالَفَةً لِسُنَّتِهِ ، وَ هَؤُلَاءِ فِيهِمْ شِبْهُ ظَاهِرٍ مِنَ النَّصَارَى غَلَوْا  
عَلَى الْمَسِيحِ أَعْظَمَ الْغُلُوِّ ، وَ خَالَفُوا شَرْعَهُ وَ دِينَهُ أَعْظَمَ الْمُخَالَفَةِ وَ  
الْمَقْصُودُ أَنَّ هَؤُلَاءِ يُصَدِّقُونَ بِالْأَحَادِيثِ الْمَكْتُوبَةِ الصَّرِيحَةِ وَ يُحَرِّفُونَ  
الْأَحَادِيثَ الصَّحِيحَةَ ، وَ اللَّهُ وَلِيُّ دِينِهِ فَيُقِيمُ مَنْ يُقِيمُ لَهُ بِحَقِّ النَّصِيحَةِ .

(الموضوعات الكبرى، ص: ۱۲۰)

ترجمہ: جب ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹا اور  
افتراء پر دروازوں نے حرم نبوی پر بھاری بہتان باندھا، تو آپ ﷺ کو معاملہ کی  
حقیقت کا علم نہ ہوسکا؛ جب تک حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت کے سلسلہ میں  
آپ ﷺ کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نہ آئی، مگر ان غلو پسندوں کے نزدیک  
آپ ﷺ پوری حالت کو جانتے تھے، اور بلاشبہ یہ بھی جانتے تھے کہ معاملہ کی حقیقت  
برعکس ہے — آپ ﷺ نے لوگوں سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو نکاح  
سے الگ کرنے کے بارے میں مشورہ کیا، اور ریحانہ کو بلا کر اس سے معاملہ کی حقیقت  
دریافت فرمائی، حالانکہ آپ ﷺ حقیقت حال کو اچھی طرح جانتے تھے — اور  
آپ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اگر تم سے گناہ سرزد ہو گیا

ہے تو اللہ سے معافی مانگ لو؛ حالانکہ آپ ﷺ پورے یقین کے ساتھ جانتے تھے کہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ اس غلو کے باوجود یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ ان کے گناہوں کو مٹادیں گے، اور ان کو جنت میں داخل فرمائیں گے، اور جتنا غلو کریں گے اتنا ہی حضور اکرم ﷺ کا قرب نصیب ہوگا، اور آپ ﷺ سے تعلق پیدا ہوگا، پس یہ لوگ حضور اکرم ﷺ کے حکم کی سب سے زیادہ نافرمانی کرنے والے ہیں، اور آپ کی سنت کی سب سے زیادہ مخالفت کرنے والے ہیں، ان میں نصاریٰ کی واضح مشابہت پائی جاتی ہے، جنہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی شان میں انتہائی غلو کیا، اور ان کے دین و شریعت کی سب سے بڑھ کر مخالفت کی، اور کہنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ لوگ صریح جھوٹی حدیثوں کی تصدیق کرتے ہیں، اور صحیح حدیثوں میں تحریف کرتے ہیں؛ مگر اللہ تعالیٰ اپنے دین کے محافظ ہیں؛ لہذا اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت کے لیے ایسے حضرات کو کھڑے کرتے رہیں گے جو خیر خواہی کا پورا حق ادا کریں گے۔

## [۲]: حاضر و ناظر کا مسئلہ

### حاضر و ناظر کے معنی

حاضر اور ناظر دونوں عربی لفظ ہیں ”حاضر“ کے معنی ہیں: ”موجود“۔ اور ناظر کے معنی ہیں: ”دیکھنے والا“۔ مگر جب ان دونوں کو ملا کر استعمال کیا جاتا ہے تو اس کا مفہوم اور مطلب یہ ہوتا ہے:

”ایسی ہستی جو پوری کائنات کو کف دست کی طرح دیکھ رہی ہے، کائنات کا کوئی ذرہ اس کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں۔“

## اہل سنت کا عقیدہ

تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ ”حاضر و ناظر“ کا مذکورہ بالا مفہوم صرف اللہ جل شانہ کی ذات پاک پر صادق آتا ہے، اور حاضر و ناظر ہونا صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اس کو کسی دوسری ہستی کے لیے ثابت کرنا غلط ہے، حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ ”آنحضرت ﷺ پوری کائنات کو کف دست کی طرح دیکھ رہے ہیں اور کائنات کا کوئی ذرہ آپ ﷺ کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں“ نہ شرعاً درست ہے، نہ عقل کی رو سے صحیح ہے۔

## رضا خانی عقیدہ

لیکن رضا خانیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ نہ صرف آنحضرت ﷺ بلکہ بزرگان دین بھی تمام کائنات کو کف دست کی طرح دیکھتے ہیں، اور دور و نزدیک کی آوازیں سنتے ہیں، اور ایک آن میں تمام عالم کی سیر کرتے ہیں، اور صد ہا کوس پر حاجت مندوں کی حاجت روائی کرتے ہیں، احمد یار خاں نعیمی لکھتے ہیں:

”عالم میں حاضر و ناظر کے شرعی معنی یہ ہیں کہ قوت قدسیہ والا ایک ہی جگہ رہ کر تمام عالم کو اپنے کف دست کی طرح دیکھے، اور دور و قریب کی آوازیں سنے، یا ایک آن میں تمام عالم کی سیر کرے، اور صد ہا کوس پر حاجت مندوں کی حاجت روائی کرے، یہ رفتار خواہ صرف روحانی ہو، یا جسم مثالی کے ساتھ ہو، یا اسی جسم سے ہو جو قبر میں مدفون یا کسی جگہ موجود ہے، ان سب معنی کا ثبوت بزرگان دین کے لیے قرآن و احادیث و اقوال علماء سے ہے۔“ (جاء الحق، ص: ۱۳۱)

## رضا خانیوں کے دلائل

### پہلی دلیل

احمد یار خاں اپنے عقیدہ کو مدلل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ

بِأَذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ﴾ (سورۃ احزاب، آیت: ۴۵-۴۶)

ترجمہ: اے غیب کی خبر بتانے والے! بے شک ہم نے تم کو بھیجا حاضر و ناظر اور

خوشخبری دیتا اور ڈر سنا تا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب۔

شاہد کے معنی گواہ بھی ہو سکتے ہیں اور حاضر و ناظر بھی، گواہ کو شاہد اس لیے کہتے ہیں کہ

وہ موقع پر حاضر ہوتا ہے، حضور ﷺ کو شاہد یا تو اس لیے فرمایا گیا کہ آپ دنیا میں عالم

غیب کی دیکھ کر گواہی دے رہے ہیں، ورنہ تو سارے انبیاء گواہ تھے، یا اس لیے کہ قیامت

میں تمام انبیاء کی عینی گواہی دیں گے، یہ گواہی بغیر دیکھے ہوئے نہیں ہو سکتی، اسی طرح آپ

کا مبشر و نذیر اور داعی الی اللہ ہونا ہے کہ سارے پیغمبروں نے یہ کام کیے، مگر سن کر

حضور ﷺ نے دیکھ کر: اسی لیے معراج صرف حضور کو ہوئی، سرعہ منیر آفتاب کو کہتے

ہیں، وہ بھی عالم میں ہر جگہ ہوتا ہے، گھر گھر میں موجود، آپ بھی ہر جگہ موجود ہیں، اس آیت

کے ہر کلمہ سے حضور ﷺ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (جاء الحق، ص: ۱۳۲)

### جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ خاں صاحب کو اس روشن حقیقت کا بھی علم نہیں کہ آفتاب

ہر جگہ نہیں ہوتا؛ بلکہ جہاں دن ہوتا ہے وہیں آفتاب ہوتا ہے، اور جہاں رات ہوتی ہے

وہاں آفتاب نہیں ہوتا؛ لہذا اس سے آپ کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا ثابت نہیں ہوتا؛ بلکہ

حاضر و ناظر ہونے کی نفی ہوتی ہے — اسی طرح نبی غیب کی خبر دینے والا ہوتا ہے؛ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ قیامت تک وجود میں آنے والی تمام چیزوں کو جانتا ہے اور دیکھتا ہے؛ کیوں کہ نبی کو غیب کی صرف انہی باتوں کا علم ہوتا ہے جو وحی والہام کے ذریعہ اللہ نے بتا دی ہیں، باقی کو وہ نہ دیکھتا ہے، نہ جانتا ہے۔

اور ”شاہد“ کے معنی حاضر و ناظر نہیں ہیں؛ بلکہ ”شاہد“ کے معنی ہیں قطعی اور یقینی خبر دینے والا؛ کیوں کہ شاہد: شہد سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، اور شہد کے لغت میں کئی معنی بیان کیے گئے ہیں، مُجَد میں ہے:

شَهْدٌ يَشْهَدُ شُهُودًا الْمَجْلِسَ: حَضْرَهُ — الشَّيْءَ: عَايِنَهُ، اِطَّلَعَ عَلَيْهِ — الْجُمُعَةَ: اَدْرَكَهَا — عَلَيَّ كَذَا: اَخْبَرَهُ بِهٖ خَبْرًا قَاطِعًا، فَهُوَ شَاهِدٌ.

ترجمہ: شہد المجلس کے معنی ہیں حاضر ہونا، اور شہد الشیء کے معنی ہیں؛ دیکھنا، باخبر ہونا، اور شہد الجمعة کے معنی ہیں: جمعہ کو پانا، اور شہد علی کذا کے معنی ہیں: قطعی اور یقینی خبر دینا، پس صفت شاہد ہوگی۔

ان میں سے صرف آخری معنی ہی حضور اکرم ﷺ کی شان کے مناسب ہیں؛ کیوں کہ یہاں نہ کسی مجلس کا ذکر ہے، نہ جمعہ کا تذکرہ ہے، نہ کسی دیکھے جانے والی چیز کا بیان ہے؛ بلکہ بشیروندیر اور داعی الی اللہ کا وصف خاص بیان کیا جا رہا ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کو قطعی اور یقینی خبر دینے والا بنا کر بھیجا ہے، لہذا آپ ﷺ کی بات میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ حضرت شیخ الہند نے ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا﴾ کا یہ ترجمہ کیا ہے: ”اے نبی! ہم نے آپ کو بھیجا بتانے والا یعنی اللہ کی توحید سکھاتے اور اس کا راستہ بتاتے ہیں“۔

## دوسری دلیل

احمد یار خاں نے حضور اکرم ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کی دوسری دلیل یہ پیش کی ہے:



﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ (سورہ بقرہ، آیت: ۱۴۳) اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تم کو سب امتوں میں افضل کیا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو، اور یہ رسول تمہارے نگہبان اور گواہ۔

اس آیت میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے دن دیگر انبیائے کرام کی امتیں عرض کریں گی کہ ہم تک تیرے پیغمبروں نے تیرے احکام نہ پہنچائے تھے، انبیائے کرام عرض کریں گے کہ ہم نے احکام پہنچا دیئے تھے، اور اپنی گواہی کے لیے امت مصطفیٰ علیہ السلام کو پیش کریں گے، ان کی گواہی پر اعتراض ہوگا کہ تم نے ان پیغمبروں کا زمانہ نہ پایا، تم بغیر دیکھے کیسے گواہی دے رہے ہو؟ یہ عرض کریں گے کہ ہم سے حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا، تب حضور علیہ السلام کی گواہی لی جائے گی۔ آپ دو گواہیاں دیں گے، ایک تو یہ کہ نبیوں نے تبلیغ کی، دوسرے یہ کہ میری امت والے قابل گواہی ہیں، بس مقدمہ ختم، انبیائے کرام کے حق میں ڈگری، اگر حضور ﷺ نے گذشتہ انبیاء کی تبلیغ اور آئندہ اپنی امت کے حالات کو خود چشم حق بین سے ملاحظہ نہیں فرمایا تھا، تو آپ کی گواہی پر جرح کیوں نہ ہوئی، جیسی کہ امت کی گواہی پر جرح ہوئی تھی، معلوم ہوا کہ یہ گواہی دیکھی ہوئی تھی اور پہلی سنی ہوئی، اس سے آپ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوا۔ (جاء الحق، ص: ۱۳۳)

## جواب

اس استدلال کا سارا مدار اس بات پر ہے کہ گواہی اسی چیز کے بارے میں دی جاسکتی ہے، جس کو آنکھوں سے دیکھا ہو؛ بلکہ اسی غلطی نہیں پران کے عقیدہ کا مدار ہے؛ اس لیے اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ کسی چیز کے بارے میں گواہی دینے کے لیے اس کا دیکھنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ معتبر ذرائع سے کسی بات کا پتا چل جائے تب بھی اس کے بارے میں گواہی دی جاسکتی ہے، مثلاً ہم پورے یقین کے ساتھ گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اس بات کی بھی گواہی دیتے ہیں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول اور اس کے بندے ہیں؛ حالانکہ ہم میں سے کسی نے نہ اللہ کو دیکھا ہے، نہ حضور پاک

ﷺ کی زیارت کی ہے۔

”بیان القرآن“ میں ہے: تیسرا شبہ یہ ہے کہ جب امت محمدیہ نے اس واقعہ کو معاینہ نہیں کیا تو اول یہ شہادت کیسے دیں گے؟ پھر وہ لوگ اسی بنا پر اچھا خاصا جرح کر سکتے ہیں۔

جواب: یہ ہے کہ مدار شہادت کا طریق صحیح مفید للیقین سے یقین حاصل ہو جانا ہے؛ چونکہ محسوسات غیر ثابت بالوحی میں وہ طریق منحصر ہے مشاہدہ میں؛ لہذا مشاہدہ مدار ہے شہادت کا، اور محل نزاع میں گو واقعہ محسوسات سے ہے، لیکن ثابت بالوحی ہونے کی وجہ سے بہ واسطہ طریق وحی کے اُس کا یقین حاصل ہے، جو اصلی مدار ہے شہادت کا؛ لہذا گواہی بر محل ہے اور اس میں مجال جرح کی نہیں، جیسے کوئی ڈاکٹر کسی مردہ کو جس کے بدن پر کوئی ظاہری علامت زخم وغیرہ نہیں ہے دیکھ کر اپنی مہارت فن کے ذریعہ سے اظہار دے کہ یہ شخص مرض سے نہیں مرا بلکہ کسی ضرب شدید سے مرا ہے، اور اس بناء پر قاتل کی تحقیقات کا سرکاری حکم ہو جاوے، سو باوجودیکہ اس مقام پر گواہی ڈاکٹر کی بنا بر معاینہ واقعہ کے نہیں؛ لیکن چونکہ قواعد صحیحہ کے ذریعہ سے ضرب شدید تشخیص کی گئی؛ لہذا اس کا اعتبار کیا گیا۔

(بیان القرآن)

اور رسول اللہ ﷺ کی گواہی کا مقصد امت محمدیہ کا تزکیہ یعنی ان کے قابل گواہی ہونے کا اظہار ہے، جیسا کہ اسلامی عدالتوں میں بھی گواہوں کے تزکیہ کے بعد ہی فیصلہ صادر کیا جاتا ہے۔

اور مفتی احمد یار خاں کا یہ کہنا کہ ”یہ گواہی دیکھی ہوئی تھی اور پہلی سنی ہوئی“ درست نہیں کیوں کہ خاں صاحب کے نزدیک صرف آنحضرت ﷺ ہی حاضر و ناظر نہیں؛ بلکہ بزرگان دین بھی حاضر و ناظر ہیں، جیسا کہ پہلے جاء الحق کے حوالہ سے یہ بات گزر چکی، تو ان کی گواہی پر مذکورہ جرح کیوں ہوئی؟! ان کے بیان کردہ ضابطہ کے اعتبار سے جرح نہیں ہونی چاہیے۔

الغرض اس آیت کی تفسیر سے حضور اکرم ﷺ کا حاضر و ناظر ہونا ہرگز ثابت نہیں

ہوتا اور مفتی احمد یار خاں صاحب کا استدلال دھوکا دہی کے سوا کچھ نہیں۔

## احادیث سے استدلال

رضا خانی حضور اکرم ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے پر زیادہ تر وہی حدیثیں پیش کرتے ہیں جو علم غیب کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں؛ کیوں کہ حاضر و ناظر صرف وہی ہستی ہو سکتی ہے جو عالم الغیب ہو، ان کے علاوہ کچھ اور حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جن سے حضور ﷺ کا حاضر و ناظر ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا، نمونہ کے طور پر ایک حدیث پیش کی جاتی ہے، احمد یار خاں ”جاء الحق“ میں لکھتے ہیں:

”مشکاۃ شروع باب الفتن فصل اول میں ہے کہ حضور ﷺ نے مدینہ پاک کی ایک پہاڑی پر کھڑے ہو کر صحابہ کرام سے پوچھا کہ جو میں دیکھ رہا ہوں کیا تم بھی دیکھ رہے ہو؟ عرض کیا کہ نہیں فرمایا: فَإِنِّي أَرَى الْفِتْنَ تَقَعُ خِلَالَ بُيُوتِكُمْ كَوَقْعِ الْمَطَرِ: میں تمہارے گھروں میں بارش کی طرح فتنے گرتے دیکھتا ہوں، معلوم ہوا کہ یزیدی اور حجاجی فتنے جو عرصے کے بعد ہونے والے تھے، انہیں بھی ملاحظہ فرما رہے تھے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی چشم حق بین آئندہ کے واقعات اور دور و قریب کے حالات اور حوض کوثر، جنت و دوزخ کو ملاحظہ فرماتی ہیں، حضور ﷺ کے طفیل حضور کے خدام کو بھی خدائے قدوس یہ قدرت و علم عطا فرماتا ہے۔“ (جاء الحق، ص: ۱۴۰)

## جواب

اس قسم کے واقعات کی حقیقت کو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے خوب سمجھایا ہے کہ کسی نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے کہ سیکڑوں میل دور مصر سے یوسف علیہ السلام کے گرتے کی بوتلو آپ نے سونگھ لی؛ مگر جب بھائیوں نے ان کو کنعان کے قریب ہی ایک کنویں میں ڈالا تھا، آپ ان کو نہیں دیکھ سکے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جواب دیا کہ ہمارے احوال آسمان پر چمکنے والی بجلی کی طرح ہیں، جو ایک دم ظاہر ہو کر فوراً پوشیدہ

ہو جاتی ہے (یعنی جب خداوند قدوس کی مہربانی کا فیضان ہوتا ہے تو ہم دور تک دیکھ لیتے ہیں؛ مگر یہ حالت ہمیشہ نہیں رہتی، کچھ دیر کے بعد ختم ہو جاتی ہے) کبھی ہم بلند اتاری پر بیٹھے ہوئے ہیں تو کبھی ہم اپنے پاؤں کی پشت بھی نہیں دیکھ پاتے۔

یکے پڑ سید ازاں گم کردہ فرزند ❀ کہ اے روشن گہر پیر خردمند  
 ز مصرش بوئے پیراہن شمیدی ❀ چرا در چاہ کنعاش نہ دیدی  
 بہ گفت احوال ما برقی جہان ست ❀ دم پیدا و دیگر دم نہان ست  
 گہے بر طارم اعلیٰ نشینم ❀ گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

(گلستان، باب دوم، ص: ۷۳)

## اہل حق کے دلائل و براہین

تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی حاضر و ناظر نہیں، حتیٰ کہ حضور پاک ﷺ بھی حاضر و ناظر نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ حضور اکرم ﷺ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات و حالات سے باخبر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

(۱) ﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ﴾. (سورہ قصص، آیت: ۲۴)

ترجمہ: آپ (کوہ طور کی) غربی جانب میں نہ تھے، جب کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس حکم بھیجا، اور نہ آپ مشاہدہ فرمانے والے تھے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کوہ طور کی غربی جانب جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملی، آپ ﷺ نہ حاضر تھے، نہ ناظر۔ اسی طرح سورہ توبہ جو نزول کے اعتبار سے سب سے آخری سورت ہے، اس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(۲) ﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنْفِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَىٰ النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾. (سورہ توبہ، آیت: ۱۰۱)

ترجمہ: اور کچھ تمہارے گرد و پیش کے گنوار اور کچھ مدینہ والوں میں سے ایسے منافق ہیں جو نفاق پراڑے ہوئے ہیں، آپ ان کو نہیں جانتے، ہم ان کو جانتے ہیں۔  
 نیز اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے تفصیلی قصے سے باخبر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

(۳) ﴿ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ ، وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذِ

اجْتَمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ﴾ (سورہ یوسف، آیت: ۱۰۲)

ترجمہ: یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے، جو وحی کے ذریعہ سے ہم آپ کو بتاتے ہیں، اور آپ ان (برادرانِ یوسف) کے پاس موجود نہ تھے، جب انہوں نے اپنا ارادہ پختہ کر لیا تھا، اور وہ تدبیر کر رہے تھے۔

اسی طرح حضرت مریم رضی اللہ عنہا اور حضرت زکریا علیہ السلام کے واقعات سے حضور اکرم ﷺ کو باخبر کرنے کے بعد، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(۴) ﴿ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذِ يُلْقُونَ

أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذِ يَخْتَصِمُونَ﴾

(سورہ آل عمران، آیت: ۴۴)

ترجمہ: یہ (واقعات) غیب کی خبروں میں سے ہیں، جو وحی کے ذریعہ سے ہم آپ کو بتاتے ہیں، آپ ان کے پاس اس وقت موجود نہ تھے جب وہ اپنے قلموں کو (پانی میں اس غرض سے) ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے؟ اور نہ آپ ان کے پاس اس وقت موجود تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے۔

غور کیجیے! ان آیات میں واقعات مذکورہ کے مواقع پر موجود نہ ہونے کی نفی کتنی وضاحت کے ساتھ کی جا رہی ہے!؟

تاویل باطل

لیکن احمد یار خاں یہ تاویل کرتے ہیں:

”ان آیات میں فرمایا گیا ہے کہ آپ بہ ایں جسم پاک وہاں موجود نہ تھے، ان میں یہ کہاں ہے کہ آپ ان واقعات کو ملاحظہ بھی نہیں فرما رہے تھے، اس جسدِ عنصری سے وہاں نہ ہونا اور ہے اور ان واقعات کو مشاہدہ فرمانا اور“ (جاء الحق، ص: ۱۵۴)

یہ تاویل بالکل لغو ہے؛ کیوں کہ پہلی آیت میں صراحتاً موجود ہے کہ ﴿وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ﴾ (اور نہ آپ مشاہدہ فرمانے والے تھے) اسی طرح تیسری اور چوتھی آیت میں پہلے ہی اس کی پیش بندی کر دی گئی ہے کہ آپ نے بہ ذات خود ان واقعات کو ملاحظہ نہیں فرمایا؛ بلکہ ہم نے وحی کے ذریعہ آپ کو باخبر کیا ہے۔ جیسا کہ سورہ ہود میں حضرت نوح عليه السلام اور ان کی قوم کا قصہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ

مِنْ قَبْلِ هَذَا، فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ﴾ (سورہ ہود، آیت: ۴۹)

ترجمہ: یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے، جو وحی کے ذریعہ سے ہم آپ کو بتاتے ہیں، اس سے پہلے اس قصہ کو نہ آپ جانتے تھے نہ آپ کی قوم، سو صبر کیجیے یقیناً پرہیز گاروں کے لیے بھلا انجام ہے۔

## [۳]: نور و بشر کا مسئلہ

اس مسئلہ میں تمام اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ اپنی نوع کے اعتبار سے بشر ہیں؛ لیکن اوصاف و کمالات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ثانی اور مثل نہیں ہے، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ ”اختلاف امت اور صراطِ مستقیم“ میں ارقام فرماتے ہیں:

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں میرا عقیدہ یہ ہے کہ آپ اپنی ذات کے اعتبار سے نہ صرف نوع بشر میں داخل ہیں؛ بلکہ افضل البشر ہیں، نہ صرف انسان ہیں؛ بلکہ نوع انسانی کے سردار ہیں، نہ صرف آدم عليه السلام کی نسل سے ہیں؛ بلکہ آدم اور اولادِ آدم کے لیے

سرمایہ افتخار ہیں، ﷺ، خود ارشاد نبوی ہے: اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (مشکاۃ شریف، ص: ۵۱۱) ترجمہ: میں اولادِ آدم کا سردار ہوں گا قیامت کے دن — اس لیے آپ ﷺ کا بشر، انسان اور آدمی ہونا، نہ صرف آپ کے لیے طرہ افتخار ہے؛ بلکہ آپ کے بشر ہونے سے انسانیت و بشریت رشکِ ملائکہ ہے — جس طرح آپ ﷺ اپنی نوع کے اعتبار سے بشر ہیں، اسی طرح آپ ﷺ صفتِ ہدایت کے لحاظ سے ساری انسانیت کے لیے مینارہ نور ہیں، یہی نور ہے جس کی روشنی میں انسانیت کو خدا تعالیٰ کا راستہ مل سکتا ہے، اور جس کی روشنی ابد تک درخشندہ و تابندہ رہے گی، لہذا میرے عقیدہ میں آپ بہ یک وقت نور بھی ہیں اور بشر بھی، اور میرے نزدیک نور و بشر کو دو خانوں میں بانٹ کر ایک کی نفی اور دوسرے کا اثبات غلط ہے۔“

(اختلاف امت اور صراطِ مستقیم، ص: ۳۷)

اور رضا خانی علماء کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ بشر اور انسان ہیں اور جو حضور اکرم ﷺ کو بشر اور انسان نہ مانے وہ کافر ہے، مفتی احمد یار خاں ”شانِ حبیب الرحمن“ میں لکھتے ہیں: ”ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ انبیائے کرام اللہ کے بندے اور اس کے محبوب، ان کی جلوہ گری انسانوں میں ہوئی؛ مگر ان کو بشر یا بھائی یا باوایا انسان یا آدمی کہہ کر پکارنا حرام ہے اور اگر بہ نیت توہین کہا تو کہنے والا کافر ہے“ (ص: ۱۰۳)

اور رضا خانیوں کے شیخ الاسلام سید محمد مدنی کچھ چھوی فضیلتِ رسول پر تقریر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ”ہم پر افتراء اور بہتان رکھا جاتا ہے کہ نبی کو انسان نہیں مانتے، ہم نبی کو بشر نہیں مانتے، تو میں پورے دعوے کے ساتھ اطمینان و ایقان کی منزل سے کہتا ہوں کہ دیکھو جہاں تک ماننے کا سوال ہے، نبی کو جو بشر نہ مانے، انسان نہ مانے، وہ کافر ہے، اب اس سے زیادہ کون سی بات کہی جاسکتی ہے، سوال یہ نہیں کہ نبی انسان ہیں کہ نہیں، سوال تو اس وقت اٹھتا ہے جب تم کہتے ہو ہمارے جیسے ہیں۔“

(خطبات برطانیہ، ص: ۱۴۳، مطبوعہ مکتبہ غریب نواز اٹالہ، الہ آباد)

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے؛ مگر پھر بھی نور و بشر کا مسئلہ

اس لیے پیدا ہوا کہ سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ

رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ﴾ (سورہ مائدہ، آیت: ۱۶)

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور و روشنی اور واضح کتاب آئی ہے، جس سے اللہ تعالیٰ اس شخص کو سلامتی کی راہیں دکھاتے ہیں جو رضائے الہی کا طالب ہے۔

یہاں ”نور“ سے مراد قرآن پاک ہے، اور عطف تفسیری ہے، یعنی تمہارے پاس روشن اور واضح کتاب آئی ہے — اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ یٰہدیٰ بہ اللہ میں واحد کی ضمیر لائی گئی ہے، اگر نور اور کتاب مبین سے دو الگ الگ چیزیں مراد ہوتیں تو واحد کی ضمیر لانا صحیح نہ ہوتا — اور دوسری دلیل یہ ہے کہ جس طرح ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ﴾ (سورہ مائدہ، آیت: ۴۴) اور ﴿وَآتَيْنَهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ﴾ (سورہ مائدہ، آیت: ۴۶) میں تورات اور انجیل کو ”نور“ کہا گیا ہے، اسی طرح یہاں قرآن پاک کو نور کہا گیا ہے۔

اور تیسری دلیل یہ ہے کہ سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاتَّبِعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ﴾ (اور تابع ہوئے اس نور کے جو اس کے ساتھ اترا ہے؛ آیت: ۱۵۷) اور سورہ تغابن میں ہے: ﴿فَأْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أُنزِلْنَا﴾ (سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے اتارا یعنی قرآن کریم پر۔ آیت: ۸) ان دونوں آیتوں میں نور سے مراد قرآن کریم ہے، اس طرح سورہ مائدہ کی اس آیت میں بھی نور سے مراد قرآن کریم ہی ہے اور جن مفسرین نے نور سے آنحضرت ﷺ کی ذات مبارکہ مراد لی ہے وہ تفسیر صحیح نہیں۔

مگر رضا خانی ”نور“ سے حضور اکرم ﷺ کی ذات قدسیہ مراد لیتے ہیں، اور اس بات کو اتنا بڑھاتے ہیں اور اس انداز سے عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ بہت سے جاہل عوام یہ سمجھتے ہیں کہ حضور ﷺ نور ہیں بشر نہیں؛ حالانکہ آپ نے خود رضا خانی علماء

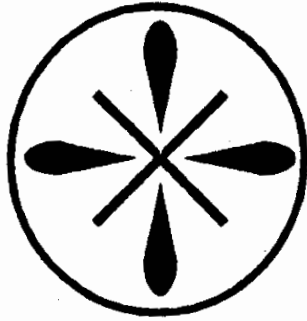


کی زبانی سن لیا کہ جو حضور ﷺ کو بشر نہ مانے وہ کافر ہے۔

نیز رضا خانی حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ اور اکابر علمائے دیوبند پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ یہ لوگ حضور اکرم ﷺ کو اپنے جیسا انسان سمجھتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کا مرتبہ صرف بڑے بھائی جتنا تسلیم کرتے ہیں؛ حالانکہ یہ خالص بہتان اور صریح جھوٹ ہے، نہ علمائے دیوبند کا یہ عقیدہ ہے، نہ حضرت شہیدؒ کا یہ مسلک ہے، حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ اور علمائے دیوبند کا وہی عقیدہ ہے جو تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ اگرچہ اپنی نوع کے اعتبار سے بشر ہیں؛ لیکن اوصاف و کمالات میں آپ ﷺ کا کوئی ثانی اور مثل نہیں اور خداوند قدوس کے بعد سب سے افضل آپ ﷺ ہی ہیں، خود حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ ”تقویۃ الایمان“ میں فرماتے ہیں کہ ”سب انبیاء، اولیاء کے سردار پیغمبر خدا ﷺ تھے، اور لوگوں نے انہیں کے بڑے بڑے معجزے دیکھے، انہیں سے سب اسرار کی باتیں سیکھیں اور سب بزرگوں کو انہیں کی پیروی سے بزرگی حاصل ہوئی“۔ (تقویۃ الایمان، ص: ۵۸)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ سَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا  
عَلَى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

تمت بالخیر



# چوتھا محاضرہ

(مختار کل کا مسئلہ اور اعمال شرکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، وَ الصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ وَ اصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ.

اما بعد! گذشتہ محاضرے میں رضا خانیوں کی کچھ اعتقادی بدعات کو بیان کیا گیا تھا، اس محاضرے میں ان کی دیگر اعتقادی بدعات اور اعمال شرکیہ کو بیان کیا جا رہا ہے: لیکن پہلے تو حید و شرک کی تعریف، مشرکین کی قسمیں اور شرک کی مختلف شکلیں بیان کی جاتی ہیں؛ تاکہ اعتقادی بدعات اور اعمال شرکیہ کو پہچاننا آسان ہو۔

## توحید کی تعریف

توحید اس کا نام ہے کہ دل سے کامل یقین رکھے، اور زبان سے اس بات کا اقرار بھی کرے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں یکتا ہے، اور اپنی صفات میں منفرد ہیں، ذات و صفات میں اس کا کوئی مثل اور ثانی نہیں ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ اور عبادت و پرستش صرف اسی کا حق ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں (لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ)

## شرک کی تعریف

اور شرک کی تعریف یہ ہے کہ دل میں اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات

میں کسی دوسری ہستی کا سا جھا ہے — ذات میں شریک کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی طرح کسی اور ہستی کو واجب الوجود اور قدیم مانے، جیسے آتش پرستوں کا عقیدہ ہے کہ خدا دو (۲) ہیں: (۱) یزداں (خیر کا خالق) (۲) اور اہرمن (شر کا خالق)

اور صفات میں شریک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جیسی صفات کسی دوسری ہستی کے لیے ثابت کرے، مثلاً یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ کی طرح فلاں ہستی عبادت کے لائق ہے، یا فلاں بزرگ بارش برسا سکتے ہیں، یا بیٹا، بیٹی دے سکتے ہیں، یا مرادیں پوری کر سکتے ہیں، یا روزی دے سکتے ہیں، یا مارنا جلانا ان کے قبضہ قدرت میں ہے یا کسی کو نفع اور نقصان پہنچانے پر قدرت رکھتے ہیں، یا یہ اعتقاد رکھے کہ فلاں پیغمبر یا ولی خدا کی طرح غیب کا علم رکھتے ہیں، اور کائنات کے ذرہ ذرہ کا ان کو علم ہے، یا ہمارے تمام حالات سے وہ واقف ہیں، اور دور و نزدیک کی چیزوں کی خبر رکھتے ہیں، یہ تمام باتیں شرک ہیں۔

## مشرکین کی قسمیں

جو لوگ شرک کی بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں ان کی بنیادی قسمیں دو (۲) ہیں:

(۱) وہ مشرکین جو اللہ جل شانہ کی عظمت کو بالکل بھول گئے ہیں اور وہ دیوی دیوتاؤں ہی کی پوجا کرتے ہیں، ان ہی کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف وہ کبھی متوجہ نہیں ہوتے، اگرچہ وہ اس بات کو مانتے ہیں کہ موجودات کا سلسلہ اللہ تعالیٰ پر منتہی ہوتا ہے، سب کو وجود بخشے والا وہی ہے؛ مگر یہ بات ماننے کے باوجود ان کی عبادتوں میں اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی حصہ نہیں ہے، نہ کبھی وہ اللہ سے اپنی حاجتیں طلب کرتے ہیں۔

(۲) وہ مشرکین جو اللہ تعالیٰ کو بڑا اور کائنات کا ممد مانتے ہیں؛ مگر وہ یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ اللہ کبھی اپنے مخصوص بندوں کو بزرگی اور خدائی کا لباس پہنا دیتے ہیں، اور ان کو کچھ مخصوص کاموں کا اختیار دے دیتے ہیں، اور جو لوگ ان کی عبادت کرتے ہیں، ان کے حق میں وہ مخصوص بندے سفارش کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کی سفارش قبول فرماتے

ہیں، جیسے بادشاہ مختلف صوبوں کا گورنر مقرر کرتا ہے اور بڑے بڑے کام چھوڑ کر دیگر کاموں میں ان کو مختار کل بنا دیتا ہے، اور ان کی اطاعت دوسروں پر واجب کر دیتا ہے، اور ان کی سفارش ان کے خدّاموں کے حق میں قبول کرتا ہے۔

یہ عقیدہ رکھنے والے اللہ کے مخصوص بندوں کو ”اللہ کا بندہ“ کہنے کے روادار نہیں ہوتے، ان کو ”اللہ کا بندہ“ کہنے سے ان کے خیال میں شاہ و گدا برابر ہو جاتے ہیں؛ اس لیے وہ ان کو ”اللہ کا بندہ“ کہنے کے بجائے ”اللہ کا بیٹا“ یا ”اللہ کا محبوب“ کہتے ہیں اور اپنے آپ کو ان محبوبوں کا بندہ کہتے ہیں، اور اپنا نام عبد المسیح، عبد العزّلی، عبد النبی، عبد الرسول، اور عبد المصطفیٰ وغیرہ رکھتے ہیں۔

## شرک کی مختلف شکلیں

شرک ایک مخفی اور پوشیدہ چیز ہے، ان کا مشاہدہ نہیں کیا جاسکتا، اور شریعت ایسی صورت میں کسی واضح علامت کو اس مخفی امر کے قائم مقام گردانتی ہے، مثلاً ناقص وضو حقیقت میں خروجِ ریح ہے؛ مگر سو جانے کے بعد اس کا ادراک نہیں ہو سکتا؛ اس لیے شریعت نے نوم غالب کو خروجِ ریح کے قائم مقام کر دیا ہے — اسی طرح سفر میں نماز قصر کرنے اور روزہ افطار کرنے کی اجازت کی حقیقی علت: مشقت ہے؛ مگر اس کا اندازہ چونکہ مشکل ہے؛ اس لیے شریعت نے ”مسافتِ شرعی“ کو مشقت کے قائم مقام کر دیا ہے — ٹھیک اسی طرح شریعت نے کچھ محسوس چیزوں کو حقیقی شرک کے قائم مقام گردانا ہے؛ کیوں کہ وہ محسوس باتیں ایسی ہیں کہ اگر پہلے سے شرک نہ بھی ہو، تب بھی ان کاموں کے کرنے سے شرک پیدا ہو جاتا ہے، مثال کے طور پر بتوں کو سجدہ کرنا، استھانوں پر قربانی کرنا، دیوی دیوتاؤں کی قسم کھانا وغیرہ، ایسے امور ہیں جو یقیناً مفضی الی الشرک ہیں — اور شریعت جب کسی محسوس کو مخفی چیز کے قائم مقام کر دیتی ہے تو پھر حکم کا مدار اس محسوس چیز پر ہو جاتا ہے، حقیقت کے پائے جانے پر حکم کا مدار نہیں رہتا۔

خلاصہ یہ کہ شرک ایک معنوی اور مخفی چیز ہے، اور اس کے لیے ظاہری شکلیں اور

پیکر ہائے محسوس ہیں، اور دین میں معنویات سے بحث کم ہوتی ہے، اصل احکام ظاہری شکلوں پر لگتے ہیں؛ چنانچہ جو باتیں شرک کا مظنہ تھیں، شریعت نے ان کو شرک قرار دے کر ان کے ارتکاب سے لوگوں کو روک دیا ہے، ذیل میں شرک کی انہی شکلوں کو ذکر کیا جاتا ہے۔

## پہلی شکل

زمانہ جاہلیت میں لوگ بتوں کو اور ستاروں کو سجدہ کرتے تھے؛ اس لیے غیر اللہ کو سجدہ کرنے سے منع کر دیا گیا، اور صرف ایک اللہ کے لیے جو خالق حقیقی و مالک ہے سجدہ مخصوص کر دیا گیا؛ کیوں کہ *شرك في السجده اور شرك في التدبير* میں چولی دامن کا ساتھ ہے، جب بھی کسی کو سجدہ کیا جائے گا تو رفتہ رفتہ اس کو انتظام کائنات میں اللہ کا شریک و سہم بھی تصور کر لیا جائے گا۔

## دوسری شکل

کچھ لوگ غیر اللہ سے مدد طلب کیا کرتے تھے، یعنی بیماروں کے لیے شفا، غریبوں کے لیے خوشحالی کی درخواستیں ماسوا اللہ سے کیا کرتے تھے، اور اس سلسلہ میں غیر اللہ کی منتیں بھی مانتے تھے، ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ہماری اس نذر و نیاز سے یہ حضرات خوش ہو کر ہماری حاجتوں کو پورا کریں گے، نیز لوگ غیر اللہ کے نام کا وظیفہ بھی پڑھتے تھے، اس خیال سے کہ ان کے نام کا وظیفہ پڑھنے سے برکت ہوگی — شریعت نے شرک کی اس قسم کا بھی قلع قمع کر دیا ہے، اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ہر نماز میں یہ پڑھا کریں: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ (اے اللہ! ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور ہم آپ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں) اس طرح جب مسلسل یہ عقیدہ متحضر رہے گا تو کوئی مسلمان غیر اللہ سے اپنی حاجت کبھی طلب نہیں کرے گا۔

متنبیہ

غیر اللہ سے اسباب ظاہری کے درجہ میں مدد طلب کرنا جائز ہے، مثلاً کسی زندہ شخص سے کسی حاجت میں مدد طلب کرنا؛ لیکن اسباب خفیہ کے سہارے اللہ کے سوا کسی سے بھی مدد طلب کرنا شرک ہے، خواہ زندہ بزرگ ہو یا وفات یافتہ۔

تیسری شکل

کچھ لوگ اللہ کے بعض مخصوص بندوں کو اللہ کے بیٹے اور بیٹیاں قرار دیتے تھے، اور ان کو خدائی صفات و کمالات کا حامل گردانتے تھے؛ اس لیے شرک کی اس شکل سے بھی شریعت نے سختی سے روک دیا ہے۔

چوتھی شکل

کچھ لوگ اپنے مشائخ کو اس معنی کر کے ”رب“ بنا لیتے تھے کہ وہ جس چیز کو حلال کہہ دیں، اسے حلال سمجھ لیتے تھے، اور وہ جس چیز کو حرام ٹھہرا دیں اس کو حرام سمجھ بیٹھتے تھے، یہ بھی شرک کی ایک شکل ہے، قرآن مجید میں اس کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمُورُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴾ (سورہ توبہ، آیت: ۳۱)

ترجمہ: یہود و نصاریٰ نے اپنے عالموں اور بزرگوں کو اللہ کو چھوڑ کر رب بنا لیا ہے، اور مسیح ابن مریم کو بھی؛ حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ فقط ایک خدا کی عبادت کریں، جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ لوگوں کے شرک سے پاک ہیں۔

حاتم طائی کے لڑکے حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے جو پہلے عیسائی تھے، مسلمان ہونے کے بعد حضور اکرم ﷺ سے پوچھا تھا کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے مشائخ اور بزرگوں کو رب

کیوں کر بنا لیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ان کو یہی جواب دیا تھا کہ ان کے مشائخ جس چیز کو حلال کرتے تھے، اس کو حلال سمجھ لیتے تھے، اور جس چیز کو حرام ٹھہراتے تھے، وہ اس کو حرام سمجھ بیٹھتے تھے۔ (ترمذی، ۲/۱۳۶)

## نبی اور مجتہد شارع نہیں ہوتے

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ انبیائے کرام علیہم السلام جو احکام بیان فرماتے ہیں یا مجتہدین عظام جو مسائل مستنبط کرتے ہیں تو درحقیقت یہ حضرات شارع یعنی تحلیل و تحریم کے مالک نہیں ہوتے، نبی کی طرف تحلیل و تحریم کی نسبت محض واسطہ ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے، درحقیقت وہ احکام اللہ ہی کے مقرر کیے ہوئے ہیں، اور مجتہدین کی طرف مستنبط کیے ہوئے احکام کی نسبت واسطہ در واسطہ ہونے کی وجہ سے کی جاتی ہے — واسطہ در واسطہ بننے کی دو (۲) صورتیں ہیں: ایک نص کو روایت کر کے لوگوں تک پہنچانا، دوسرے نص میں غور کر کے اس کا مطلب اور اس سے ثابت شدہ احکام لوگوں کو بتانا؛ چنانچہ تمام علماء کا اتفاق ہے کہ قیاس مثبت حکم نہیں بلکہ مظہر حکم ہے یعنی قیاس واجتہاد سے کسی چیز کی حلت و حرمت کو ثابت نہیں کیا جاتا؛ بلکہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حلال یا حرام کر دیا ہے، مجتہد اپنے اجتہاد سے اس کی حلت و حرمت کو واضح کرتا ہے؛ اسی لیے وہی قیاس حجت شرعیہ ہے جو کتاب و سنت اور اجماع امت سے مستنبط ہو۔

## پانچویں شکل

لوگ بتوں کی اور ستاروں کی نزدیکی حاصل کرنے کے لیے ان کے لیے بھینٹ چڑھایا کرتے تھے، اور اس کی دو (۲) شکلیں ہوتی تھیں:

(۱) کبھی تو جانور ذبح کرتے وقت بلند آواز سے ان شرکاء کا نام لیا کرتے تھے۔

(۲) اور کبھی ان کے مخصوص استھانوں پر لے جا کر جانور ذبح کیا کرتے تھے، اور

زبان سے کچھ نہیں کہتے تھے۔

شریعت نے شرک کی اس صورت کو بھی ممنوع قرار دیا ہے، قرآن پاک میں ﴿مَا أَهْلٌ لِّغَيْرِ اللَّهِ﴾ اور ﴿مَا ذُبِحَ عَلَى النَّصْبِ﴾ کو مردار قرار دیا گیا ہے۔

### چھٹی شکل

اسلام سے پہلے کچھ لوگ مختلف طرح سے جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیا کرتے تھے، کسی کو ”بجیرہ“ اور ”سائبہ“ کہتے تھے، کسی کو ”وصیلہ“ اور ”حام“ کہتے تھے، اور ان کا مقصد ان باطل خداؤں کی نزدیکی اور قرب حاصل کرنا ہوتا تھا، جن کے نام پر وہ جانور آزاد کیے جاتے تھے، قرآن کریم میں شرک کی اس صورت کو بھی حرام کر دیا گیا ہے۔

### ساتویں شکل

لوگ بعض ناموں کو بڑا بابرکت سمجھتے تھے، وہ خیال کرتے تھے کہ اگر ان ناموں کی جھوٹی قسم کھائی جائے گی تو تباہی آجائے گی؛ چنانچہ جب کسی کو قسم کھلانے کا موقع آتا تو وہ ان شرکاء کے نام کی قسم کھلاتے کہ کھاؤلات و عزی کی قسم، اور جاہل مسلمان کہتے ہیں کہ کھاؤ پیر کی قسم، کھاؤ غوث پاک کی قسم، کھاؤ مولیٰ علی کی قسم، شریعت نے شرک کی اس شکل کو بھی ممنوع قرار دیا ہے، ترمذی شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ أَشْرَكَ. (ترمذی شریف، ۱/۱۸۵)

جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے اس غیر کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا۔

### آٹھویں شکل

اسلام سے پہلے کچھ لوگ اپنی اولاد کا نام عبد العزیٰ، عبد شمس وغیرہ رکھتے تھے، اور جاہل مسلمان اپنی اولاد کا نام عبد الرسول، عبد النبی، عبد المصطفیٰ وغیرہ رکھتے ہیں، شریعت نے شرک کی اس صورت کو بھی ممنوع قرار دیا ہے۔ متعدد احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ جن صحابہ کرامؓ کے نام عبد العزیٰ، عبد شمس وغیرہ تھے، حضور اکرم ﷺ نے ان کے



نام بدل دیے تھے، کسی کا نام عبدالرٹمن رکھا تھا تو کسی کا عبداللہ، لہذا جن مسلمانوں کے والدین نے ایسے مشرکانہ نام رکھے ہوں، ان کو بدل دینا ضروری ہے، نیز غلام نبی، غلام رسول، غلام مصطفیٰ، غلام جیلانی، وغیرہ نام بھی اچھے نہیں ہیں؛ کیوں کہ اگر چہ غلام بمعنی نوکر اور خادم آتا ہے؛ مگر ”عبد“ کا ترجمہ بھی غلام ہی ہے۔

الحاصل مذکورہ بالا تمام صورتیں شرک کے پیکر ہائے محسوس ہیں اور یہ وہ چور دروازے ہیں، جن سے شرک در آنے کی کوشش کرتا ہے؛ اس لیے شریعت نے ان تمام شکلوں کو حرام قرار دیا ہے، ان سے اجتناب کرنا نہایت ضروری ہے۔

## شرک کے اسباب

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ شرک میں مبتلا ہونے کے دو (۲) سبب ہوتے ہیں:

(۱) نصوص شرعیہ کو غلط معانی پہنانا — خدائی صفات اور انسانی صفات کے لیے نصوص میں ملتے جلتے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، مثلاً قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کو بھی رؤف، رحیم کہا گیا ہے، اور سورہ توبہ کے آخر میں یہی صفات حضور اکرم ﷺ کے لیے بھی بیان کی گئی ہیں، اسی طرح سمیع و بصیر اللہ کی صفتیں ہیں، اور سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں ایک تفسیر کے مطابق یہی صفتیں حضور اکرم ﷺ کے لیے بیان ہوئی ہیں؛ مگر ظاہر ہے کہ خالق و مخلوق کی صفات میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے؛ لیکن کچھ لوگ حضور اکرم ﷺ کی شان میں غلو کرتے ہوئے، اللہ جیسی صفات کے قائل ہو جاتے ہیں، جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہی معاملہ کیا تھا، اور یہی شرک کی حقیقت ہے کہ خدائی صفات کسی بندے میں بعینہ یا کسی بھی درجہ میں مان لی جائیں۔

(۲) خرق عادت معاملات کی حقیقت کو نہ جاننا — کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی انسان کے ذریعہ یا فرشتے کے ذریعہ کوئی ایسا کام ظہور پذیر ہوتا ہے، جس کو عام طور پر انسان نہیں کر سکتے، تو جاہل لوگ غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں اور وہ اس انسان کو یا فرشتے کو خدائی صفات اور بالائی طاقتوں کا حامل سمجھ لیتے ہیں، اور ان کو دیوی دیوتا قرار دے کر، یا

غوث و قطب نام دے کر ان کے ساتھ خدائی معاملات کرنے لگتے ہیں۔  
الغرض ان دو سببوں سے لوگوں میں شرک کی بیماری پھیلتی ہے، پھر وہی بیماری نسلوں  
تک چلتی رہتی ہے۔

## وارثین انبیاء کی ذمہ داری

انبیائے کرام اور ان کے وارثین علمائے امت کی سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ لوگوں کو شرک کی حقیقت سمجھائیں، اور خدائی صفات اور بندوں کی صفات کے درمیان جو فرق مراتب ہے، اس کو اچھی طرح ذہن نشین کرائیں کہ صفات کا حقیقی اور اعلیٰ ترین درجہ اللہ جل شانہ کے لیے مخصوص ہے، اس میں کسی کو شریک کرنا توحید کے سراسر منافی ہے، اگرچہ الفاظ ملتے جلتے ہیں، اللہ کے مقبول بندوں کے لیے بھی وہی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، مگر ان کی صفات کا درجہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے فروتر ہے، مثلاً ”طیب“ یعنی شفا دینے والا درحقیقت اللہ جل شانہ ہے، مگر مجازی معنی کے اعتبار سے بندے بھی ”طیب“ کہلاتے ہیں، اسی طرح سید، آقا اور مولیٰ کامل معنی کے اعتبار سے صرف اللہ تعالیٰ ہیں، اور مجازی معنی کے اعتبار سے بندے بھی سید، آقا اور مولیٰ کہلاتے ہیں۔

ایک موقع پر حضور اکرم ﷺ نے ایک صحابی سے جنہوں نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا تھا: میں ”طیب“ ہوں۔ فرمایا تھا کہ آپ تو مہربان ہیں، آپ کے دل میں میری پریشانی دیکھ کر جذبہ رحم ابھرا ہے، اور طیب یعنی شفا دینے والے تو صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔ اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ سید اور آقا صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔ ان دونوں حدیثوں کا مطلب یہی ہے کہ حقیقی معنی کے اعتبار سے شفا بخشنے والے اور سید و آقا صرف اللہ تعالیٰ ہیں، ان حدیثوں کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مجازی معنی کے اعتبار سے بھی کسی انسان کو طیب اور آقا و سید نہیں کہہ سکتے۔

اس مثال سے یہ بات بخوبی سمجھی جاسکتی ہے کہ اعلیٰ اور ادنیٰ دونوں مرتبوں کے لیے ایک ہی لفظ کس طرح استعمال کیا جاتا ہے، اور کس طرح حقیقی اور مجازی معنی میں تفاوت

ہوتا ہے — اسی طرح سمجھنا چاہیے کہ اللہ کے رؤف و رحیم ہونے کا درجہ اور ہے، وہ صفات کا حقیقی اور اعلیٰ ترین مرتبہ ہے، اور حضور اکرم ﷺ کا رؤف و رحیم ہونا اور ہے، یہ صفات کا مجازی اور فروتر درجہ ہے، یہی حال سمیع و بصیر اور دوسری صفات کا ہے، مزید تفصیل کے لیے دیکھئے (حجۃ اللہ البالغہ، ص: ۶۰/۱-۳۶، باب فی بیان حقیقۃ الشکر اور باب اقسام الشکر)

اس تمہید کے بعد رضا خانی فرقہ کی چند اعتقادی بدعات اور کچھ اعمال شرکیہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

### [۱]: مختار کل کا مسئلہ

”مختار“ اختیار سے اسم فاعل کا صیغہ بھی ہو سکتا ہے اور اسم مفعول کا بھی، اگر اسم فاعل کا صیغہ ہو تو اس کے معنی ہوں گے اختیار رکھنے والا اور اسم مفعول ہو تو اس کے دو (۲) معنی ہو سکتے ہیں: (۱) اختیار دیا ہوا۔ (۲) برگزیدہ اور چنا ہوا۔

اگر کوئی شخص حضور اکرم ﷺ کو اسم مفعول کے پہلے معنی یا اسم فاعل کے معنی کے اعتبار سے ”مختار کل“ کہتا ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ کائنات میں تصرف کرنے کا کلی اختیار آپ کو دیدیا گیا تھا، یا کائنات میں تصرف کرنے کا آپ ﷺ کلی اختیار رکھتے تھے، تو ایسا عقیدہ رکھنے والا مشرکین عرب سے بھی بدتر مشرک ہے؛ کیوں کہ مشرکین عرب بھی اپنے دیوتاؤں کے لیے کلی اختیار نہیں مانتے تھے؛ بلکہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض مخصوص بندوں کو جزوی اختیارات دیئے ہیں، قرآن پاک میں ہے:

﴿قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ

تَعْلَمُونَ، سَيَقُولَنَّ لِلَّهِ﴾ (سورہ مؤمنون، آیت: ۸۸، ۸۹)

ترجمہ: آپ (مشرکین سے) پوچھئے کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے؟ اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا (بتاؤ) اگر تم جانتے ہو؟ وہ ضرور یہی جواب دیں گے کہ ایسا اختیار صرف اللہ کو حاصل ہے۔

اور اگر کوئی شخص آنحضرت ﷺ کو اسم مفعول کے دوسرے معنی کے اعتبار سے مختار

کل کہہ تو یہ بھی درست نہیں ہے؛ کیوں کہ لفظ مختار کے ساتھ لفظ کل مل جانے کے بعد اسم مفعول کے دوسرے معنی کسی طرح درست نہیں ہو سکتے ”مختار کل“ مرکب اضافی ہے جس کے معنی ہیں سب چیزوں کا اختیار دیا ہوا، اس کا یہ ترجمہ کرنا کہ ”ساری مخلوقات میں سے چنیدہ اور برگزیدہ“ ہرگز درست نہیں ہے، صرف لفظ مختار بول کر اسم مفعول کے ثانی معنی مراد لینا بے شک درست ہے، مثلاً کہیں کہ ”محمد مختار“ کیوں کہ اب یہ مرکب تو صیغی ہے، جس کے معنی ہیں: ”برگزیدہ محمد“، اور یہ معنی درست ہیں۔

### رضا خانی عقیدہ

الغرض اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضرت ﷺ برگزیدہ پیغمبر اور مخلوقات میں سب سے افضل ہیں؛ لیکن رضا خانی حضور اکرم ﷺ کو برگزیدہ پیغمبر ہونے کے اعتبار سے مختار کل نہیں کہتے، بلکہ اس لیے مختار کل کہتے ہیں کہ ان کے خیال میں حضور اکرم ﷺ کو کائنات میں تصرف کرنے کا کلی اختیار دے دیا گیا ہے، خود خاں صاحب بریلوی لکھتے ہیں:

”حضور ﷺ ہر قسم کی حاجت روائی فرما سکتے ہیں، دنیا اور آخرت کی مرادیں سب حضور کے اختیار میں ہیں“ (برکات الامداد، ص: ۸، اور ملفوظات، حصہ چہارم، ص: ۷۰)

نیز خاں صاحب شیخ عبدالقادر جیلانی کی شان میں کہتے ہیں:

ذی تصرف بھی ہے، ماذون بھی، مختار بھی ہے

کارِ عالم کا مدبر بھی ہے عبد القادر

(حدائقِ بخشش، ص: ۱۹)

مزید کہتے ہیں:

احد سے احمد اور احمد سے تجھ کو

گن اور سب کن ممکن حاصل ہے یا غوث

(حدائقِ بخشش، ص: ۸)

## اہل سنت والجماعت کا عقیدہ

اس کے برخلاف تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ پوری کائنات کا نظام صرف اللہ جل شانہ کے قبضہ قدرت میں ہے، اور اس میں اس کا کوئی شریک و سہم نہیں ہے، موت و حیات، صحت و مرض، عطا و بخشش اور نفع و نقصان کے مالک و مختار صرف اللہ تعالیٰ ہیں، اللہ تعالیٰ نے کسی نبی یا ولی کو کائنات میں تصرف کرنے کا کلی یا جزوی اختیار عطا نہیں فرمایا، ارشاد خداوندی ہے:

﴿ قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ﴾

ترجمہ: آپ فرمادیجیے کہ میں نہ اپنی جان کے بھلے کا مالک ہوں نہ بُرے کا؛ مگر جو اللہ تعالیٰ چاہیں۔ (سورہ اعراف، آیت: ۱۸۸)

خود آنحضرت ﷺ کا اس بارے میں جو عقیدہ تھا وہ یہ ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ میں ایک دن آنحضرت ﷺ کے پیچھے سوار تھا، آپ ﷺ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: اے لڑکے! تو اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت کر اللہ تیری حفاظت فرمائیں گے، تو اللہ کے حقوق کی حفاظت کر، اللہ کو تو اپنے سامنے پائے گا، اور جب کچھ مانگنا ہو تو اللہ سے مانگ، اور جب مدد کی ضرورت ہو تو اللہ سے مدد طلب کر، اور یقین رکھ کہ ساری امت اگر تجھے کوئی نفع پہنچانے کے لیے جمع ہو جائے تو تجھے کوئی نفع نہیں پہنچا سکتی، سوائے اس کے جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے، اور اگر ساری امت تجھے کوئی نقصان پہنچانے کے لیے جمع ہو جائے تو تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی سوائے اس کے جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے۔ (مشکاۃ شریف، ص: ۴۵۳)

اور پیران پیر حضرت عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں:

إِنَّ الْخَلْقَ عَجَزٌ عَدَمٌ ، لَا هَلْكَ بِأَيْدِيهِمْ وَلَا مُلْكٌ ، لَا غِنَىٰ بِأَيْدِيهِمْ وَلَا فُقْرٌ ، وَلَا ضَرٌّ بِأَيْدِيهِمْ وَلَا نَفْعٌ ، وَلَا مَلِكٌ عِنْدَهُمْ إِلَّا اللَّهُ عَزَّ

وَجَلٌّ ، لَا قَادِرَ غَيْرُهُ ، وَلَا مُعْطِيَ وَلَا مَانِعَ وَلَا ضَارًّا وَلَا نَافِعَ غَيْرُهُ ،  
وَلَا مُحْسِيَّ وَلَا مُؤْمِنَتَ غَيْرُهُ . (الفتح الربانی، مجلس: ۶۱)

ترجمہ: بے شک ساری مخلوق عاجز اور کالعدم ہے، نہ ہلاکت ان کے ہاتھ میں ہے نہ ملک، نہ مال داری ان کے قبضہ میں ہے نہ فقر، نہ نقصان ان کے اختیار میں ہے نہ نفع، اللہ جل شانہ کے سوا ان کے نزدیک نہ کوئی حاکم ہے، نہ اس کے سوا کوئی قادر ہے، نہ اس کے سوا کوئی دینے والا ہے نہ روکنے والا ہے، نہ کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے، نہ نفع دے سکتا ہے، نہ اس کے سوا کوئی زندگی بخش سکتا ہے، نہ موت دے سکتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ، الفوز الکبیر میں ارقام فرماتے ہیں:  
شُرک آنست کہ غیر خدا را صفاتِ مختصہ خدا اثبات نماید، مثل تصرف در عالم بارادہ کہ تعبیر ازاں بکن فیکونی می شود۔ (ص: ۸)

ترجمہ: شرک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی ہستی کے لیے خاص صفات ثابت کی جائیں، مثلاً اپنے ارادہ سے عالم میں تصرف کرنا جس کو کن فیکونی تصرف کہا جاتا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ ”ارشاد الطالبین“ میں تحریر فرماتے ہیں:  
اولیاء قادر عیسمند بر ایجادِ معدوم، یا اعدام موجود، پس نسبت کردن ایجاد و اعدام و اعطائے رزق، یا اولاد و دفع بلا و مرض و غیر آں بسوئے شاں کفر است۔ (ص: ۲۰)  
ترجمہ: اولیائے کرام معدوم کو وجود بخشنے پر یا موجود کو معدوم کرنے پر قادر نہیں ہیں، بس وجود بخشنے یا معدوم کرنے یا رزق اور اولاد عطا کرنے یا بیماری اور بلا وغیرہ دور کرنے کی ان کی طرف نسبت کرنا کفر ہے۔

## [۲]: غیر اللہ سے مدد طلب کرنا

امور عادیہ میں یعنی ایسے کاموں میں جو انسان کی قدرت و اختیار میں ہے، صرف زندہ شخص سے مدد طلب کرنا درست ہے، مثلاً کوئی غریب کسی امیر سے کہے کہ میں محتاج ہوں خدا کے واسطے میری مدد کیجئے تو یہ جائز ہے؛ لیکن امور غیر عادیہ میں یعنی ایسے کاموں

میں جو انسان کی قدرت و اختیار میں نہیں ہے کسی بھی شخص سے مدد طلب کرنا حرام اور ناجائز ہے، چاہے وہ زندہ بزرگ ہو یا فوت شدہ ولی یا نبی ہو، مثلاً کسی ولی یا نبی سے اولاد، شفاء اور بارش طلب کرنا، یا کسی ولی یا نبی سے بلائیں دور کرنے کی درخواست کرنا حرام اور شرکِ جلی ہے، ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ، فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذَا مِنَ الظَّالِمِينَ، وَإِنْ يُمْسَسَكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ، وَإِنْ يُرِيدُكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ﴾ (سورہ یونس، آیت: ۱۰۶-۱۰۷)

ترجمہ: اور مت پکارو اللہ کے سوا ایسے کو کہ نہ بھلا کرے تیرا اور نہ برا، پھر اگر تو ایسا کرے گا تو تو بھی اس وقت ظالموں (یعنی مشرکوں) میں سے ہو جائے گا، اور اگر پہنچا دیویں تجھ کو اللہ تعالیٰ کچھ تکلیف تو کوئی نہیں اس کو ہٹانے والا اس کے سوا، اور اگر پہنچانا چاہیں تجھ کو کچھ بھلائی تو کوئی پھیرنے والا نہیں اس کے فضل کو۔

نیز ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَفْلُونَ﴾ (سورہ احقاف، آیت: ۵)

ترجمہ: اور اس شخص سے بڑا گمراہ کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسی ہستی کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی دعا قبول نہیں کر سکتا اور وہ ان کی دعا سے غافل ہیں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی ارشاد الطالین میں ارقام فرماتے ہیں:

”دعا از اولیاء مردگاں یا زندگاں و از انبیاء جائز نیست، رسول خدا فرمود: الدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ: یعنی دعا خواستن از خدا عبادت است، پستریں آیت خواند ﴿وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَخِرِينَ﴾ (سورہ مؤمن، آیت: ۶۰) آنچہ بہمال می گویند یا شیخ عبدالقادر جیلانی شینا للہ، یا خواجہ شمس الدین پانی پتی شینا للہ جائز نیست، شرک و کفر است“۔ (ارشاد الطالین، ص: ۱۸)

ترجمہ: فوت شدہ یا زندہ بزرگوں سے اور انبیائے کرام علیہم السلام سے دعائیں مانگنا

جائز نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”دعا عبادت کا مغز ہے“، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ﴿وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي﴾ اور تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں، وہ جہنم میں ذلیل و خوار ہو کر داخل ہوں گے، اور یہ جو جاہل لوگ کہتے ہیں: یا شیخ عبدالقادر جیلانی شینا للہ، یا خواجہ شمس الدین پانی پتی شینا للہ، جائز نہیں ہے، شرک و کفر ہے۔

[۳]: غیر اللہ کو پکارنے کی پانچ صورتیں اور ان کے احکام

غیر اللہ کو پکارنے کی یعنی ”یا رسول اللہ“، اور ”یا غوث“ کہنے کی پانچ (۵) صورتیں ہیں، اور سب کے احکام علاحدہ علاحدہ ہیں؛ اس لیے ذیل میں غیر اللہ کو پکارنے کی پانچوں صورتیں اور ان کے احکام ذکر کیے جاتے ہیں۔

### پہلی صورت

پہلی صورت یہ ہے کہ شعراء اپنے تخیل میں جس طرح کبھی بادِ صبا کو خطاب کرتے ہیں، اور کبھی پہاڑوں اور جنگلوں کو، کبھی حیوانات اور پرندوں کو خطاب کرتے ہیں؛ مگر ان میں کسی کا یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ جن کو وہ خطاب کر رہے ہیں، وہ ان کی بات کو سنتے اور اس کا جواب دیتے ہیں؛ بلکہ یہ ایک ذہنی پرواز ہوتی ہے، اسی طرح شعراء کے کلام میں آنحضرت ﷺ کو یا بزرگان دین کو تخیلاتی طور پر جو خطاب کیا جاتا ہے، وہ شرعاً درست اور جائز ہے اور اس کے جواز میں کسی کو کلام نہیں۔

### دوسری صورت

دوسری صورت یہ ہے کہ جس طرح عشاق اپنے محبوبوں کو خطاب کرتے ہیں، اسی طرح آنحضرت ﷺ کو محض اظہارِ محبت کے لیے خطاب کیا جائے، واقعہً ندامتِ مقصود نہ



ہو، یا جس طرح مادر شفیق کا بچہ جب فوت ہو جاتا ہے تو وہ اس کا نام لے کر پکارتی ہے، وہ جانتی ہے کہ اس کی آہ و بکاء کی آواز بچے کے کان تک نہیں پہنچ سکتی، اس کے باوجود وہ اپنی ممتا کی وجہ سے ایسا کرنے پر مجبور ہوتی ہے، اسی طرح جو عشاق آنحضرت ﷺ کی محبت اور عشق میں واقعی جل بھن گئے ہیں، اور انہیں آنحضرت ﷺ کو پکارے بغیر کسی کروٹ چین نہیں آتا، اور وہ خوب جانتے ہیں کہ ان کی آہ و پکار سامعہ مبارک تک نہیں پہنچ سکتی، تو ان کا ”یا رسول اللہ“ کہنا جائز ہو سکتا ہے، بشرطے کہ عقیدہ میں فساد نہ آئے، یا ان کے فعل سے کسی دوسرے کے عقیدہ میں بگاڑ پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

### تیسری صورت

تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ کے صیغہ سے دُرود شریف پڑھتا ہے، اور یہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ کے فرشتے اس دُرود کو بارگاہ رسالت میں پہنچاتے ہیں، تو یہ بھی جائز ہے؛ کیوں کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ، وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ نَائِيًا أَبْلَغْتُهُ.

(مشکاۃ شریف، ص: ۸۷)

ترجمہ: جو شخص مجھ پر میری قبر کے پاس دُرود بھیجے گا، میں اُسے خود سنوں گا، اور جو شخص مجھ پر دور سے دُرود بھیجے گا وہ مجھے پہنچایا جائے گا۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے:

إِنَّ لِلَّهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِينَ فِي الْأَرْضِ يُبَلِّغُونِي مِنْ أُمَّتِي السَّلَامَ.

(مشکاۃ شریف، ص: ۸۶)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے زمین میں پھرتے رہتے ہیں، جو میری

امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔

اگرچہ اس کے لیے بھی صحیح طریقہ یہی ہے کہ دور سے دُرود و سلام بھیجنے کا جو طریقہ خود

آنحضرت ﷺ نے تعلیم فرمایا ہے، اسی کو اختیار کیا جائے، غائبانہ دُرود و سلام میں

خطاب کا صیغہ استعمال نہ کرے؛ مگر اس کے باوجود اگر اس کے عقیدہ میں کسی قسم کا فساد نہیں ہے، نہ اس کے فعل سے کسی دوسرے شخص کے عقیدہ میں بگاڑ پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، تو اس طرح دُرود شریف پڑھنے کو ناجائز نہیں کہا جائے گا۔

## چوتھی صورت

چوتھی صورت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے روضہ مبارک پر حاضر ہو کر مواجہہ شریف میں کہے: **الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ** تو یہ خطاب اور ندانہ صرف جائز؛ بلکہ مستحب ہے؛ کیوں کہ آنحضرت ﷺ روضہ اقدس میں باحیات ہیں اور ہر زاوے کے سلام کو سماعت فرماتے ہیں، اور اس کا جواب مرحمت فرماتے ہیں۔

## پانچویں صورت

پانچویں صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اس نیت سے ”یا رسول اللہ“ کہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ہر شخص کی بات ہر جگہ سنتے ہیں، اور مصیبت کو دور فرماتے ہیں، اسی طرح رسول اللہ ﷺ بھی حاضر و ناظر ہیں، اور ہر شخص کی نثر یاد سنتے ہیں اور اس کی مصیبت دور فرماتے ہیں، تو اس کے ناجائز ہونے میں کوئی شک نہیں؛ کیوں کہ اللہ کے سوا کوئی حاضر و ناظر نہیں، نہ اللہ کے سوا کوئی مصیبت کو دور کر سکتا ہے۔

## [۴]: غیر اللہ کے نام کا ورد کرنا

یہاں یہ مسئلہ بھی جان لینا چاہیے کہ جس طرح دعا اور تقرب کی غرض سے اللہ تعالیٰ کو پکارا جاتا ہے، اور اس کے پاک ناموں کا ورد کیا جاتا ہے، اسی طرح اللہ کے سوا کسی اور بزرگ ہستی کو پکارنا اور اس کے نام کا ورد کرنا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ فعل عبادت کے زمرے میں آتا ہے، اور عبادت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ غیر اللہ کی عبادت کرنا شرک ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ”فتاویٰ عزیز“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”پرستش آنست کہ (۱) سجدہ کند (۲) یا طواف نماید (۳) یا نام اورا بطریق تقرب و رد سازد (۴) یا ذبح جانور بنام او کند (۵) یا خود را بندہ فلانی بگوید، و ہر آنکہ از مسلمانان جاہل با اہل قبور ایں چیز ہا بعمل آوردنی الفور کافر می گردد، و از مسلمانانی می برآید۔“

(فتاویٰ عزیزی: ۱/۳۵)

ترجمہ: عبادت یہ ہے کہ (۱) سجدہ کرے (۲) یا طواف کرے (۳) یا اس کے نام کا تقرب کے طور پر ورد کرے (۴) یا اس کے نام پر جانور ذبح کرے (۵) یا اپنے آپ کو فلاں کا بندہ کہے — جاہل مسلمانوں میں سے ہر وہ شخص جو اہل قبور کے ساتھ یہ چیزیں کرے گا، وہ فوراً کافر ہو جائے گا، اور اسلام سے نکل جائے گا۔

اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی ارشاد الطالین میں ارقام فرماتے ہیں:

”مگر آں کہ ذکر محمد رسول اللہ باذکر خدائے تعالیٰ در اذان و اقامت و تشہد و مانند آں عبادت است، و ذکر محمد رسول اللہ ہم بروچہ کہ در شرع وارد نشدہ است، چنانچہ کسے بطور وظیفہ ”یا محمد، یا محمد، یا محمد“ گفتہ باشد روانباشد۔“ (ص: ۱۹)

ترجمہ: اللہ کے ذکر کے ساتھ محمد رسول اللہ کا ذکر اذان و اقامت اور تشہد وغیرہ میں عبادت ہے؛ مگر محمد رسول اللہ ﷺ کا ذکر ایسے طریقہ پر کرنا جو شریعت میں وارد نہیں ہوا ہے، مثلاً کوئی شخص وظیفہ کے طور پر ”یا محمد، یا محمد، یا محمد“ کہے گا تو جائز نہ ہوگا۔

## [۵]: قبروں کا طواف اور سجدہ وغیرہ کرنا

جاہل لوگ قبروں کا طواف کرتے ہیں، ان کو سجدہ کرتے ہیں، آستانوں کو چومتے ہیں، یہ تمام افعال شریکہ ہیں، اس لیے کہ طواف، سجدہ، رکوع اور ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا، یہ سب عبادت کی شکلیں ہیں، اور شریعت نے قبروں کی ایسی تعظیم کرنے کی اجازت نہیں دی ہے جو پوجا کی حد تک پہنچ جائے، آنحضرت ﷺ کو معلوم تھا کہ پہلی امتیں اسی غلو کی بنا پر گمراہ ہوئی ہیں؛ اس لیے آپ ﷺ نے اپنی امت کو ان افعال سے بچنے کی تاکید اور وصیت فرمائی ہے، امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي لَمْ يَقُمْ مِنْهُ :  
لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَ النَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ .

(مشکاۃ شریف، ص: ۶۹)

ترجمہ: بلاشبہ رسول اکرم ﷺ نے اس مرض میں جس سے آپ ﷺ کو افاقہ نہیں ہوا (یعنی مرض وفات میں) فرمایا کہ اللہ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔

نیز نبی کریم ﷺ کا مشہور ارشاد ہے:

أَلَا وَ إِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ وَ صَالِحِيهِمْ  
مَسَاجِدَ ، أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ ، إِنِّي أَنهَاكُمْ عَنْ ذَلِكَ

(حوالہ بالا)

ترجمہ: سنو! تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا کرتے تھے، خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنا نا، میں تمہیں اس سے روکتا ہوں۔

ان احادیث کی بنا پر علماء اہل سنت و الجماعت نے قبروں پر سجدہ کرنے کو شرک جلی فرمایا ہے، حضرت ملا علی قاری لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَ النَّصَارَى کی شرح میں ارقام فرماتے ہیں:

سَبَبُ لَعْنِهِمْ إِمَّا لِأَنَّهُمْ كَانُوا يَسْجُدُونَ لِقُبُورِ أَنْبِيَائِهِمْ تَعْظِيمًا لَهُمْ وَ  
ذَلِكَ هُوَ الشِّرْكُ الْجَلِيُّ .

ترجمہ: یہود و نصاریٰ کے ملعون ہونے کا سبب یا تو یہ تھا کہ وہ اپنے انبیاء کی تعظیم کی خاطر ان کی قبروں کو سجدہ کرتے تھے، اور یہ شرک جلی ہے۔

اور حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی ”مالا بدمنہ“ میں لکھتے ہیں:

”سجدہ کردن بسوئے قبور انبیاء و اولیاء و طواف گردن قبور کردن، و دعا از آنها خواستن و

نذر برائے آنها قبول کردن حرام است؛ بلکه چیزها از اں بکفری رساند، پیغمبر خدا ﷺ بر

آنها لعنت گفته، و از آں منع فرموده، و گفته کہ قبر مرأبت نہ کنند“۔ (مالا بدمنہ، ص: ۷۶)

ترجمہ: انبیاء اور اولیاء کی قبروں کی طرف چہرہ کر کے سجدہ کرنا، قبروں کے گرد طواف کرنا، ان سے دعا مانگنا، اور ان کے لیے منیٰ ماننا حرام ہے؛ بلکہ ان میں سے بہت سی چیزیں کفر تک پہنچا دیتی ہیں، آنحضرت ﷺ نے ان چیزوں پر لعنت فرمائی ہے، اور ان سے روکا ہے، اور فرمایا ہے کہ میری قبر کو بت نہ بنا لینا۔

### [۶]: قبروں پر چڑھاوے چڑھانا

بہت سے لوگ نہ صرف اولیاء اللہ سے مرادیں مانگتے ہیں؛ بلکہ ان کی منیٰ بھی مانتے ہیں کہ اگر ان کا فلاں کام ہو گیا تو وہ فلاں بزرگ کی قبر پر غلاف یا شیرینی چڑھائیں گے، یہ بھی شرک و کفر ہے؛ اس لیے کہ منیٰ ماننا اور نذر و نیاز پیش کرنا عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت کرنا شرک ہے، فقہ حنفی کی مشہور کتاب ”در مختار“ میں ہے:

وَاعْلَمَ أَنَّ النَّذْرَ الَّذِي يَقَعُ لِلْأَمْوَاتِ مِنَ أَكْثَرِ الْعَوَامِ ، وَ مَا يُؤْخَذُ مِنَ  
الذَّرَاهِمِ وَ الشَّمْعِ وَ الزَّيْتِ وَ نَحْوِهَا إِلَى ضَرَائِحِ الْأَوْلِيَاءِ الْكِرَامِ تَقْرُبًا  
إِلَيْهِمْ فَهَوَ بِالْإِجْمَاعِ بَاطِلٌ وَ حَرَامٌ .

ترجمہ: جانتا چاہیے کہ اکثر عوام کی طرف سے مردوں کے نام کی جو نذر و منیٰ مانی جاتی ہے، اور اولیائے کرام کی قبروں پر روپے، پیسے، موم بتیاں اور تیل وغیرہ بزرگوں کا قرب حاصل کرنے کی غرض سے جو لایا جاتا ہے، وہ بالاتفاق باطل اور حرام ہے۔

اور علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

قَوْلُهُ: (بَاطِلٌ وَ حَرَامٌ) لِوُجُوهِ: مِنْهَا أَنَّهُ نَذْرٌ لِمَخْلُوقٍ ، وَ النَّذْرُ  
لِمَخْلُوقٍ لَا يَجُوزُ لِأَنَّهُ عِبَادَةٌ ، وَ الْعِبَادَةُ لَا تَكُونُ لِمَخْلُوقٍ ، وَ مِنْهَا  
أَنَّ الْمَنْذُورَ لَهُ مَيِّتٌ ، وَ الْمَيِّتُ لَا يَمْلِكُ ، وَ مِنْهَا أَنَّهُ إِنْ ظَنَّ أَنَّ الْمَيِّتَ  
يَتَصَرَّفُ فِي الْأُمُورِ دُونَ اللَّهِ تَعَالَى وَ اعْتِقَادَهُ ذَلِكَ كُفْرٌ .

(شامی، ۲/۱۲۸، قبیل باب الاعتكاف)

ترجمہ: باطل و حرام ہونے کی کئی وجوہ ہیں: ایک یہ ہے کہ یہ نذر مخلوق کے لیے ہے،

اور مخلوق کے لیے نذر ماننا جائز نہیں؛ اس لیے کہ نذر عبادت ہے اور مخلوق کی عبادت نہیں ہوتی — دوسری وجہ یہ ہے کہ جس کے لیے مَنّت مانی گئی ہے وہ مردہ ہے اور مردہ کو مالک بنانے کی کوئی صورت نہیں ہے — تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر نذر ماننے والے کا خیال یہ ہے کہ اللہ کے سوا مردہ بزرگ بھی کائنات میں تصرف کرنے کی قدرت رکھتا ہے تو اس کا یہ عقیدہ کفر ہے۔

الحاصل اولیائے کرام کے مزاروں پر جو منتیں مانی جاتی ہیں، اور جو چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں، اگر ان سے محض ان بزرگوں کا تقرب مقصود ہو، اور یہ خیال ہو کہ اس نذر و نیاز کو قبول کر کے وہ ہمارے کام کر دیں گے، اور ہماری بگڑی بنا دیں گے، اور اگر ہم نے ان کے نام کی مَنّت نہ دی تو ہم سے ناراض ہو جائیں گے، اور اس سے ہمارے کاروبار، جان و مال اور بیوی بچوں کو نقصان پہنچے گا تو یہ بالاتفاق حرام اور باطل ہے، اور اس کے شرک ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

اگر کسی شخص نے ایسی نذر مان لی ہو تو اس کا پورا کرنا جائز نہیں؛ بلکہ اس سے توبہ کرنا ضروری ہے، حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں:

”واگر کسے نذر کر دو فائے نذر نکند کہ احترام از معصیت بقدر امکان واجب است۔“

(ارشاد الطالبین، ص: ۱۸)

ترجمہ: اور اگر کسی نے ایسی نذر مان لی ہو تو اسے پورا نہ کرے؛ اس لیے کہ جہاں تک ہو سکے گناہ سے پرہیز کرنا واجب ہے۔

اور اگر کسی شخص نے ایسی نذر مانی اور اسے پورا بھی کر دیا، تو وہ چیز غیر اللہ کے لیے نام زد ہونے کی وجہ سے حرام ہوگی، اس کا استعمال کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہوگا؛ البتہ جس شخص نے چڑھاوا چڑھایا ہے، جب تک وہ چیز اپنی اصلی حالت میں موجود ہے وہ اپنی منت سے توبہ کر کے وہ چیز واپس لے سکتا ہے، یہی حکم اس جانور کا ہے جو غیر اللہ کے لیے نام زد کیا گیا ہو کہ جب تک وہ جانور زندہ ہے، مَنّت ماننے والا اپنی مَنّت سے توبہ کر کے اس کو واپس لے سکتا ہے؛ لیکن اگر وہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کر دیا گیا، چاہے ذبح کے وقت

اس پر بسم اللہ پڑھی گئی ہو، اس کا کھانا کسی کے لیے حلال نہیں ہوگا۔  
یہاں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ کسی کام کے ہونے نہ ہونے میں نذر اور منت کا قطعاً کوئی دخل نہیں ہوتا، نہ اس سے قضا و قدر کے فیصلے تبدیل ہوتے ہیں، آنحضرت ﷺ کا مشہور ارشاد ہے:

لَا تَنْذِرُوا، فَإِنَّ النَّذْرَ لَا يُغْنِي مِنَ الْقَدْرِ شَيْئًا، وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ

الْبَخِيلِ، متفق علیہ (مشکاۃ ص: ۲۹۷، باب فی النذور)

ترجمہ: منتیں نہ مانا کرو کیوں کہ منت تقدیر کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں آتی، اس کے ذریعہ تو بس بخیل کا مال نکالا جاتا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ”منت ماننے کی ممانعت اس اعتقاد کی بنا پر ہے کہ وہ تقدیر کی کسی بات کو ٹال دیتی ہے؛ کیونکہ لوگوں کی عادت تھی کہ وہ اپنی حاجتوں کے پورا ہونے، اور مصیبتوں کے دور ہونے کے لیے منتیں مانا کرتے تھے، اور یہ بخیل لوگوں کا وطیرہ ہے؛ اس لیے ان کو روکا گیا؛ لیکن سخی لوگ نذر مانے بغیر اپنے اختیار سے صدقہ خیرات کرتے ہیں، پس اس غرض سے منت ماننے کی جو ممانعت فرمائی گئی ہے، اس میں اس بات کی ترغیب دینا ہے کہ منت تو مانی جائے؛ مگر اخلاص کے ساتھ۔

(حاشیہ مشکاۃ شریف)

حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ صدقہ و خیرات سے بلائیں دور ہوتی ہیں؛ لیکن نذر ماننے میں ایک قسم کی سوداگری ہے کہ اگر یہ کام ہو تو صدقہ و خیرات کرے گا ورنہ نہیں۔ الغرض جو منت اللہ کے نام پر مانی جائے اس سے بھی قضا و قدر کے فیصلے تبدیل نہیں ہوتے، اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ بزرگوں کے نام پر جو منتیں مانی جاتی ہیں، ان سے خدا کی تقدیر کیسے بدل سکتی ہے؟ لیکن ہوتا یہ ہے کہ منت ماننے کے بعد اگر کام نہ ہو اتب تو لوگ تقدیر کا رونا روتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ بس تقدیر میں ایسا ہی لکھا تھا، اور اگر کام ہو گیا تو اس کو تقدیر کا فیصلہ نہیں سمجھتے؛ بلکہ اس بزرگ کا تصرف سمجھتے ہیں کہ ہم نے فلاں بزرگ کی منت مانی تھی، اس سے ہمارا کام ہو گیا، یہ ہے وہ جڑ جس سے فساد عقیدہ کی شاخیں

پھوٹی ہیں، اور جس کے ذریعہ شیطان لوگوں کو خدا تعالیٰ سے ہٹا کر اس کے بندے کا پجاری بناتا ہے، آنحضرت ﷺ نے مذکورہ بالا ارشاد میں اسی کی بیخ کنی کی ہے کہ جو منت خدا کے نام کی مانی جائے، وہ بھی اس کی قضا و قدر کے فیصلوں کو نہیں بدلتی چہ جائے کہ وہ منت جو اس کے عاجز بندوں کے نام پر مانی جائے۔

## کفر کا حکم لگانے میں احتیاط

ایمان و توحید اور کفر و شرک کے سلسلہ میں مذکورہ بالا تفصیلات کے جاننے کے بعد یہ جاننا چاہیے کہ کفر و شرک کا معاملہ نہایت سنگین ہے، جس کا ایمان ثابت ہو چکا ہو اس پر کفر کا حکم لگانے میں بہت احتیاط برتنی ضروری ہے، فقہائے کرام رحمہم اللہ نے اس سلسلہ میں جو ضابطہ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو کفر کا حکم نہیں لگانا چاہیے، جب کوئی صورت باقی نہ رہے، اس وقت کفر کا حکم لگانا چاہیے؛ اس لیے

(۱) جو شخص افعال شرکیہ میں سے کسی فعل کا ارتکاب کرے گا، جیسے بت کو سجدہ کرنا تو وہ شخص فوراً مشرک و کافر ہو جائے گا، فتاویٰ عزیزی میں ہے:

”پرستش آنست کہ سجدہ کند یا طواف نماید، یا نام اور بطریق تقرب و رسازد، یا ذبح جانور بنام او کند، یا خود را بندہ فلانی بگوید، و ہر کہ از مسلمانان جاہل با اہل قبور ایں چیز ہا بعمل آردنی الفور کافر می گردد، و از مسلمانی می بر آید۔“

ترجمہ: عبادت یہ ہے کہ سجدہ کرے، یا طواف کرے، یا اس کے نام کا تقرب کے طور پر ورد کرے، یا اس کے نام پر جانور ذبح کرے، یا اپنے آپ کو فلاں کا بندہ کہے، جاہل مسلمانوں میں سے ہر وہ شخص جو اہل قبور کے ساتھ یہ چیزیں کرے گا وہ فوراً کافر ہو جائے گا اور اسلام سے نکل جائے گا۔ (فتاویٰ عزیزی، ص: ۴۵، جلد اول)

(۲) اور جو لوگ کسی تاویل سے کسی شرکیہ فعل کا ارتکاب کرتے ہیں، جیسے غیر اللہ کو تعظیماً سجدہ کرنا، یا کسی شرکیہ بات کا عقیدہ رکھتے ہیں، جیسے آنحضرت ﷺ کے لیے عطائی علم غیب کا عقیدہ رکھنا، ان پر احتیاطاً کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔



(۳) اور جو شخص بغیر تاویل کے دلیل قطعی کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے، جیسے آنحضرت ﷺ کے لیے عطائی اور محیط خاص کی تاویل کے بغیر علم غیب کلی کا عقیدہ رکھنا، یا تاویل مہمل سے دین کے کسی بدیہی اجماعی قطعی عقیدہ کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے، جیسے خاتم النبیین کی تاویل ”نبیوں کا مہر“ کر کے حضور اکرم ﷺ کے بعد کسی کی نبوت کا قائل ہو تو وہ بلاشبہ کافر اور مرتد ہے، علامہ ابن عابدین شامیؒ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے تنبیہ الولاية والحکام میں ارقام فرماتے ہیں:

وَ حَاصِلُهُ أَنَّ الْمَحْكُومَ بِكُفْرِهِ مَنْ أَذَاهُ هَوَاهُ وَ بَدَعْتُهُ إِلَى مُخَالَفَةِ دَلِيلٍ قَطْعِيٍّ لَا يَسُوغُ فِيهِ تَأْوِيلٌ أَصْلًا كَرَدِ آيَةِ قُرْآنِيَّةٍ ، أَوْ تَكْذِيبِ نَبِيِّ أَوْ إِنكَارِ أَحَدِ أَرْكَانِ الْإِسْلَامِ وَ نَحْوِ ذَلِكَ ، بِخِلَافِ غَيْرِهِمْ كَمَنْ اعْتَقَدَ أَنَّ عَلِيًّا هُوَ الْأَحَقُّ بِالْخِلَافَةِ وَ صَارُوا يَسُبُّونَ الصَّحَابَةَ ، لِأَنَّهُمْ مَنَعُوهُ حَقَّهُ وَ نَحْوِهِمْ ، فَلَا يُحْكَمُ بِكُفْرِهِمْ احتياطًا وَ إِنْ كَانَ مُعْتَقِدُهُمْ فِي نَفْسِهِ كُفْرًا أَيْ يُكْفَرُ بِهِ مَنْ اعْتَقَدَهُ بِلَا شُبْهَةٍ تَأْوِيلٍ . (رسائل ابن عابدین، ص: ۳۶۲-۳۶۳، مطبوعہ: سہیل اکیڈمی لاہور)

ترجمہ: حاصل کلام یہ ہے کہ صرف اسی شخص پر کفر کا حکم لگایا جائے گا جس کی گمراہی ایسی دلیل قطعی کے خلاف ہو جس میں تاویل کی بالکل گنجائش نہیں، جیسے قرآن پاک کی کسی آیت کا انکار کرنا یا کسی نبی کی تکذیب کرنا یا ارکان اسلام میں سے کسی رکن کا انکار کرنا وغیرہ برخلاف ان لوگوں کے جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ خلافت کے زیادہ حق دار تھے، اور وہ صحابہ کرام کو اس لیے بھلا کہتے ہیں کہ صحابہ کرام نے (ان کے خیال میں) حضرت علی کو ان کا حق نہیں دیا اور انہیں جیسے دوسرے لوگوں پر احتیاطاً کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا، اگرچہ ان کا اعتقاد فی نفسہ کفر ہو، یعنی دلیل قطعی کے خلاف عقیدہ رکھنے کی وجہ سے صرف اسی شخص کو کافر قرار دیا جائے گا جو بلا تاویل دلیل قطعی کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے۔

اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ فتاویٰ عزیزی میں ارقام فرماتے ہیں:

”اگر برخلاف قرن اول حمل می کند، پس در بدعتِ اولیٰ ملاحظہ باید نمود، اگر مخالفِ اولیٰ قطعیه است یعنی نصوص متواترہ و اجماع قطعی است اورا کافر باید شمرد، و اگر مخالفِ اولیٰ ظنیہ قریبہ الیقین است مانند اخبار مشہورہ و اجماعِ عربی گمراہ تو اس فہمید دون الکفر“

(فتاویٰ عزیزی، ص: ۱۳۶، جلد اول)

ترجمہ: اگر کوئی شخص قرن اول (صحابہ و تابعین) کے بیان کردہ مفہوم کے علاوہ پر نصوص کو حمل کرتا ہے تو اس کی نوا ایجاد بات کو دیکھا جائے گا، اگر دلائل قطعیه یعنی نصوص متواترہ اور اجماع قطعی کے خلاف ہے تو اس کو کافر شمار کرنا چاہیے، اور اگر دلائل ظنیہ جو یقین کے قریب ہیں، مثلاً خبر مشہورہ اور اجماع عربی کے خلاف ہے تو اس کو گمراہ سمجھنا چاہیے، نہ کہ کافر۔

نیز شامی میں ہے:

إِذَا لَمْ تَكُنِ الْآيَةُ أَوْ الْخَبَرُ الْمُتَوَاتِرُ قَطْعِيًّا الدَّلَالَةَ ، أَوْ لَمْ يَكُنِ الْخَبَرُ مُتَوَاتِرًا ، أَوْ كَانَ قَطْعِيًّا لَكِنْ فِيهِ شُبْهَةٌ ، أَوْ لَمْ يَكُنِ الْإِجْمَاعُ إِجْمَاعَ الْجَمِيعِ ، أَوْ كَانَ ، وَ لَمْ يَكُنِ إِجْمَاعَ الصَّحَابَةِ ، أَوْ كَانَ ، وَ لَمْ يَكُنِ إِجْمَاعَ جَمِيعِ الصَّحَابَةِ ، أَوْ كَانَ إِجْمَاعَ جَمِيعِ الصَّحَابَةِ ، وَ لَمْ يَكُنِ قَطْعِيًّا بَأَنَّ لَمْ يَثْبُتْ بِطَرِيقِ التَّوَاتُرِ ، أَوْ كَانَ قَطْعِيًّا لَكِنْ كَانَ إِجْمَاعًا سُكُوتِيًّا ، فَفِي كُلِّ مِنْ هَذِهِ الصُّوَرِ لَا يَكُونُ الْجُحُودُ كُفْرًا . (رد

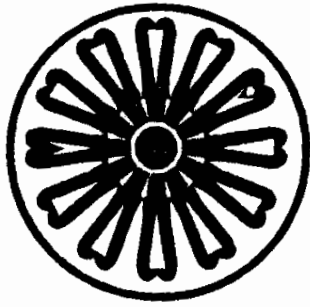
المختار: ۲۸۴/۳، کتاب الجہاد، باب المرتد، مطلب فی منکر الإجماع)

ترجمہ: (۱) جب آیت یا خبر متواتر قطعی الدلالہ نہ ہو (۲) یا خبر متواتر نہ ہو (۳) یا قطعی ہو؛ لیکن اس میں شبہ ہو (۴) یا اجماع تمام لوگوں کا اجماع نہ ہو (۵) یا تمام لوگوں کا اجماع ہو؛ لیکن صحابہ کرام کا اجماع نہ ہو (۶) یا صحابہ کرام کا اجماع ہو؛ لیکن تمام صحابہ کرام کا

اجماع نہ ہو (۷) یا تمام صحابہ کرامؓ کا اجماع ہو؛ لیکن قطعی نہ ہو بایں طور کہ بہ طریق تواتر ثابت نہ ہو (۸) یا صحابہ کرامؓ کا اجماع قطعی ہو؛ لیکن اجماع سکوتی ہو — ان تمام صورتوں میں انکار کرنا کفر نہیں ہوگا۔ (شامی، باب المرتد)

اللَّهُمَّ ارِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اِتِّبَاعَهُ وَارِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا  
اجْتِنَابَهُ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الْهَاشِمِيِّ وَعَلٰى آلِهِ وَصَحْبِهِ  
اَجْمَعِينَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

تمت بالخیر



# پانچواں محاضرہ

(عملی بدعات)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي يَحْكُمُ بِالْحَقِّ كَمَا يَرْضَىٰ وَ يَجْزِي كُلَّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ، وَ اِلَيْهِ الْمآبُ وَ الرَّجْعَىٰ، وَ الصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى بَدْرِ الدُّجَىٰ وَ شَمْسِ الضُّحَىٰ وَ عَلٰى آلِهِ وَ اَصْحَابِهِ الَّذِينَ كَانُوا مَصَابِيحَ الْهُدَىٰ .  
 اَمَّا بَعْدُ : فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ ، وَ خَيْرَ الْهُدَىٰ هَدَىٰ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَ شَرُّ الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا ، وَ كُلُّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ . كَمَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

دوسرے محاضرے میں بدعت کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں: (۱) بدعت اعتقادی (۲) اور بدعت عملی، پھر تیسرے اور چوتھے محاضرے میں رضا خانیوں کی اعتقادی بدعات اور اعمال شرکیہ کو ذکر کیا گیا ہے، اب اس محاضرے میں رضا خانیوں کی ان عملی بدعات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے، جن کو انہوں نے سنت قرار دیا ہے؛ بلکہ اہل سنت کی خاص علامت اور شعار بنا دیا ہے۔

سیرت طیبہ سے استفادہ کے دو طریقے

آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ سے استفادہ کے دو طریقے ہیں:  
 ایک یہ کہ آپ ﷺ کی ایک ایک ادا اور ایک ایک سنت پر اس طرح عمل کیا

جائے کہ ہر امتی کی صورت و سیرت، چال ڈھال، رفتار و گفتار اور اخلاق و کردار آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا مرقع بن جائیں، اور دیکھنے والے کو نظر آئے کہ یہ سرکارِ دو عالم، تاج دارِ مدینہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا سچا پیروکار اور سنتِ نبوی کا واقعی عاشق ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جہاں بھی موقع ملے آنحضرت ﷺ کے ذکرِ خیر سے ہر مجلس و محفل کو معمور و معطر کیا جائے، آپ ﷺ کے فضائل و کمالات اور آپ ﷺ کی سنتوں اور اعمال و اخلاق کا تذکرہ کیا جائے۔

سلف صالحین: صحابہ و تابعین اور ائمہ مہدلی ان دونوں طریقوں پر عامل تھے، وہ آنحضرت ﷺ کی ایک ایک سنت کو اپنے عمل سے زندہ کرتے تھے، اور ہر محفل و مجلس میں آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا تذکرہ کرتے تھے، یہی عاشقانِ رسول تھے، جن کے دم سے آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ صرف اوراقِ کتب کی زینت نہ رہی؛ بلکہ جیتی جاگتی زندگی بن گئی، اور اس کی بوئے عنبریں نے مشامِ عالم کو معطر کر دیا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین عظام بہت سے ایسے ممالک میں پہنچے، جہاں کی زبان نہیں جانتے تھے؛ مگر ان کی شکل و صورت، اخلاق و کردار اور اعمال و معاملات کو دیکھ کر علاقوں کے علاقے اسلام کے حلقہ بگوش اور جمالِ محمدی کے غلام بے دام بن گئے۔

مگر جوں جوں زمانہ نبوت سے بعد ہوتا گیا، جذبہ اطاعت کم ہوتا گیا، یہاں تک کہ وہ بس ایک وقتی جذبہ ہو کر رہ گیا، سیزن پر عبادت و اطاعت کر لی، پھر چھٹی منالی — اسی طرح سیرت طیبہ کا معاملہ بھی ہو گیا کہ زندگیوں میں اس کا نمود بھی کم ہو گیا، اور ہر مجلس و محفل میں اس کا تذکرہ بھی ختم ہو گیا، بس ربیع الاول کا مہینہ آیا تو کچھ الٹا سیدھا مولود پڑھ لیا، پھر بھولے سے بھی تذکرہ نہیں کیا۔

## (۱) محفل میلاد کی تاریخ

اب لوگ میلاد کے نام پر جو محفلیں سجاتے ہیں، اسلاف کے زمانہ میں ان کا کہیں

نام و نشان نہیں تھا، محفل میلاد کا آغاز سب سے پہلے ۱۶۰۴ھ میں سلطان ابوسعید مظفر الدین صاحب اربل نے کیا۔ اور ابو الخطاب عمر بن دحیہ نے اس کی تائید میں مواد فراہم کیا، اور اس کے صلہ میں سلطان ابوسعید نے ابو الخطاب کو خطیر رقم دی، اس بادشاہ کے بارے میں علامہ ذہبی فرماتے ہیں:

كَانَ يُنْفِقُ كُلَّ سَنَةٍ عَلَى مَوْلِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ ثَلَاثِ مِائَةِ أَلْفٍ. (دول الاسلام: ۱۰۳/۲)

ترجمہ: وہ ہر سال نبی کریم ﷺ کی میلاد پر تقریباً تین لاکھ کی رقم خرچ کرتا تھا۔ اور ابو الخطاب عمر بن دحیہ کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

وَكَانَ ظَاهِرِي الْمَذْهَبِ كَثِيرَ الْوَقِيعَةِ فِي الْأَيْمَةِ وَفِي السَّلَفِ مِنَ الْعُلَمَاءِ خَبِيثَ اللِّسَانِ أَحْمَقَ شَدِيدَ الْكِبَرِ قَلِيلَ النَّظَرِ فِي أُمُورِ الدِّينِ مُتَهَاوِنًا. (لسان الميزان: ۲۹۶/۳)

ترجمہ: وہ ظاہری یعنی غیر مقلد تھا، ائمہ دین اور سلف صالحین کی شان میں بہت زیادہ گستاخی کرنے والا، گندی زبان والا، بے وقوف، بڑا متکبر، دینی باتوں کی بہت کم سوچ بوجھ رکھنے والا، اور ان میں سستی کرنے والا تھا۔

الغرض یہ ہیں وہ دو شخص جنہوں نے میلاد کی رسم ایجاد کی تھی اور اس میں تین باتوں کا خاص طور پر لحاظ رکھا تھا: (۱) ماہ ربیع الاول کی تاریخ کا تعین۔ (۲) علماء اور صلحاء کا اجتماع۔ (۳) اور اختتام محفل پر اطعام طعام کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کی روح پر فتوح کو ایصالِ ثواب — ان خود ساختہ قیودات کی بنا پر اس وقت کے علماء میں سے علامہ فاکہانی اور ان کے رفقاء نے اس میں شرکت کرنے سے عذر کیا، اور اسے بدعتِ ضلالہ قرار دیا، اور دوسرے علماء نے سلطان کی ہمنوائی کی، اور ان قیودات کو مباح سمجھ کر اس کے جواز و استحسان کا فتویٰ دیا۔

مگر آگے چل کر یہ محفل صرف علماء اور صلحاء کے اجتماع تک محدود نہ رہی؛ بلکہ عوام کے دائرے میں آ کر ان کی نئی نئی اختراعات کا معجون مرکب بن گئی، اور اب اس زمانہ میں

عید میلاد النبی کی جو صورت رائج ہے، وہی ”میلادِ مروجہ“ کہلاتا ہے۔

## میلادِ مروجہ

میلادِ مروجہ کا مطلب ہے حضور اکرم ﷺ کو حاضر و ناظر جان کر آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کے من گھڑت واقعات اور جھوٹے قصے بیان کرنا، اور جب آپ ﷺ کی ولادت مبارکہ کا تذکرہ آئے تو تمام حاضرین مجلس کا کھڑے ہو کر ولادت کے تذکرہ کو سننا، ولادت مبارکہ کا سوانگ بنانا، بے ریش اور خوش الحان لڑکوں کا غزل خوانی کرنا، عورتوں کا بن سنور کر شریک محفل ہونا، ضرورت سے زیادہ محفل کو سجانا، اختتام محفل پر شیرینی تقسیم کرنا، فخر موجودات سید الکونین تاجدار مدینہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعریف و توصیف میں حد سے زیادہ غلو کرنا، محفل میلاد میں شریک ہونے کو فرائض واجبات سے زیادہ اہم اور باعثِ برکت سمجھنا، اور شریک نہ ہونے والوں کو برا بھلا کہنا، نماز جیسی اہم عبادت کے فوت ہونے کی پروا نہ کرنا، اور معاصی سے اجتناب نہ کرنا، اور یہ سمجھنا کہ آنحضرت ﷺ محفل میلاد میں بہ نفسِ نفیس تشریف لاتے ہیں، اور کچھ عرصے سے تو عید میلاد النبی کے موقع پر آنحضرت ﷺ کے روضہ اطہر اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنائی جاتی ہے، اور جگہ جگہ بڑے بڑے چوکوں میں سوانگ بنا کر رکھے جاتے ہیں، لوگ اس سے تبرک حاصل کرتے ہیں، اور بیت اللہ کی خود ساختہ شبیہ کا طواف بھی کرتے ہیں۔

## میلادِ مروجہ کا حکم

میلادِ مروجہ تمام علمائے اہل سنت والجماعت کے نزدیک حرام اور بدعت ہے، علامہ ابن الجاج مالکیؒ اپنی مایہ ناز کتاب ”مدخل“ میں ارقام فرماتے ہیں:

وَمِنْ جُمْلَةِ مَا أَحَدَثُوهُ مِنَ الْبِدْعِ — مَعَ اعْتِقَادِهِمْ أَنَّ ذَلِكَ مِنْ أَكْبَرِ  
الْعِبَادَاتِ وَإِظْهَارِ الشَّعَائِرِ — مَا يَفْعَلُونَهُ فِي شَهْرِ رَبِيعِ الْأَوَّلِ مِنَ  
الْمَوْلِدِ وَقَدْ اِخْتَوَى عَلَى بَدْعٍ وَمُحَرَّمَاتٍ جَمَّةٍ. (مدخل: ۳/۲)

ترجمہ: من جملہ ان بدعتوں کے جن کو لوگوں نے ایجاد کیا ہے — یہ عقیدہ رکھتے ہوئے کہ وہ سب عبادتوں سے بڑی عبادت اور شعائر اسلام کا اظہار ہے — وہ جشن میلاد ہے جس کو لوگ ربیع الاول کے مہینہ میں مناتے ہیں؛ حالانکہ وہ جشن میلاد بہت سی بدعتوں اور حرام باتوں پر مشتمل ہے۔

اور قاضی شہاب الدین دولت آبادی اپنے فتاویٰ تحفۃ القضاة میں لکھتے ہیں:

سُئِلَ الْقَاضِي عَنْ مَجْلِسِ الْمَوْلِدِ الشَّرِيفِ، قَالَ: لَا يَنْعَقِدُ، لِأَنَّهُ مُحَدَّثٌ وَكُلُّ مُحَدَّثٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ، وَمَا يَفْعَلُونَ مِنَ الْجُهَالِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ حَوْلٍ فِي شَهْرِ رَبِيعِ الْأَوَّلِ لَيْسَ بِشَيْءٍ، وَ يَقُومُونَ عِنْدَ ذِكْرِ مَوْلِدِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَزْعُمُونَ أَنَّ رُوحَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجِيءُ وَحَاضِرٌ فَرَعْمَهُمْ بَاطِلٌ، بَلْ هَذَا الْأَعْتِقَادُ شِرْكٌ وَقَدْ مَنَعَ الْأَئِمَّةُ الْأَرْبَعَةُ عَنْ مِثْلِ هَذَا.

(بحوالہ الجتہ لابل السنہ، ص: ۲۰۲)

ترجمہ: قاضی سے محفل میلاد کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ محفل میلاد کا انعقاد صحیح نہیں ہے؛ اس لیے کہ یہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں ہے، اور مسلمان ہر سال ربیع الاول کے مہینہ میں جو (محفل میلاد منعقد) کرتے ہیں، اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور آپ ﷺ کی ولادت مبارکہ کے تذکرہ کے وقت لوگ کھڑے ہوتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ آپ ﷺ کی مبارک روح آتی ہے اور حاضر ہے، ان کا یہ سمجھنا باطل ہے؛ بلکہ ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے اور چاروں اماموں نے ایسا عقیدہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

### ایصالِ ثواب کے لیے ربیع الاول کی تعیین بدعت ہے

یہاں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ کھانا پکا کر فقراء و مساکین کو کھلانا، اور اس کا ثواب آنحضرت ﷺ کو پہنچانا جائز ہے؛ مگر حضور اکرم ﷺ کی روح پر فتوح کو ثواب



پہنچانے کے لیے ربیع الاول کی تعیین کرنا بدعت ہے، فتاویٰ عزیزی میں ہے:  
سوال: بخشنِ طعام در ایامِ ربیع الاول برائے خدا، و رسانیدنِ ثوابِ آں بروح  
پرفتوح حضرت سرور کائنات ﷺ یا حضرت امام حسینؑ در ایامِ محرم و دیگر آلِ اطہار  
سید مختار صحیح است یا نہ؟

جواب: انسان در کار خود مختار است، میرسد کہ ثواب خود برائے بزرگاں با ایمان  
گرداند؛ لیکن برائے ایں کار وقت و روز تعیین نمودن و ما ہے مقرر کردن بدعت است۔  
(فتاویٰ عزیزی، ص: ۹۷)

ترجمہ سوال: ربیع الاول کے مہینہ میں خدا کے واسطے کھانا پکانا اور اس کا ثواب حضرت  
سرور کائنات ﷺ کی روح پر فتوح کو پہنچانا، یا محرم کے مہینہ میں حضرت حسینؑ اور سید  
مختار کی دیگر آلِ اطہار (کی روحوں کو ثواب پہنچانا) درست ہے یا نہیں؟  
جواب: انسان اپنے کام میں مختار ہے، اس کو حق ہے کہ اپنا ثواب با ایمان  
بزرگوں کو بخش دے؛ لیکن اس کام کے لیے وقت اور دن کی تعیین کرنا اور کوئی مہینہ مقرر  
کرنا بدعت ہے۔

## قیام میلادی کا حکم

اسی طرح ولادتِ مبارکہ کے تذکرے کے وقت تمام حاضرین مجلس کا کھڑا ہونا بھی  
بدعت ہے، خادمِ رسول حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
وَكَانُوا إِذَا رَأَوْهُ لَمْ يَقُومُوا لِمَا يَعْلَمُونَ مِنْ كَرَاهِيَتِهِ لِذَلِكَ ، رَوَاهُ  
التِّرْمِذِيُّ. (مشكاة شريف، ص: ۴۰۳، باب القيام)

ترجمہ: صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک آنحضرت ﷺ سے زیادہ  
کوئی شخص محبوب نہ تھا، اس کے باوجود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ ﷺ کو  
دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے؛ اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ آپ ﷺ کو کھڑے ہونے

سے ناگواری ہوتی ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور اکرم ﷺ کو دیکھ کر بھی کھڑے نہیں ہوتے تھے تو ہمارے لیے محض اس خیالِ باطل کی بنیاد پر کہ آنحضرت ﷺ محفلِ میلاد میں تشریف لاتے ہیں کھڑا ہونا کیوں کر روا ہو سکتا ہے؟ سیرتِ شامی میں ہے:

جَرَتْ عَادَةٌ كَثِيرٌ مِنَ الْمُحِبِّينَ إِذَا سَمِعُوا ذِكْرَ وَضْعِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَقُومُوا تَعْظِيمًا لَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَذَا الْقِيَامُ بَدْعَةٌ لَا أَصْلَ لَهَا. (بحوالہ الجنبہ لائل السنۃ، ص: ۲۰۳)

ترجمہ: بہت سے محبین کی عادت ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ذکر ولادت سن کر آپ ﷺ کی تعظیم کے واسطے کھڑے ہو جاتے ہیں؛ حالانکہ یہ قیام بدعت ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

## (۲) مروّجہ عرس بھی بدعت ہے

میلادِ مروّجہ کی طرح بزرگانِ دین کے مزاروں پر ہر سال ایک معین تاریخ میں یا وفات کے دن جو عرس ہوتا ہے وہ بھی بدعت ہے، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

لَا تَجْعَلُوا قَبْرِي عِيدًا: میری قبر کو جشن نہ بناؤ۔ (مشکاۃ، ص: ۸۶)

علامہ محمد طاہر پٹنیؒ اس حدیث کا مطلب بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

لَا تَجْتَمِعُوا لِزِيَارَتِهِ اجْتِمَاعَكُمْ لِلْعِيدِ فَإِنَّهُ يَوْمٌ لَهُمْ وَسُرُورٍ وَحَالُ الزِّيَارَةِ بِخِلَافِهِ، وَكَانَ ذَأْبُ أَهْلِ الْكِتَابِ فَأُورِثَهُمُ الْقِسْوَةَ.

(مجمع بحار الانوار: ۳/۷۱۳)

ترجمہ: روضہ اطہر کی زیارت کے لیے عید کی طرح جمع مت ہوؤ کیوں کہ عید تو کھیل اور خوشی کا دن ہے، اور زیارتِ قبر کا حال اس کے برخلاف ہے، اور عید کی طرح قبروں پر جمع ہونا اہل کتاب کا شیوہ تھا، جس کی وجہ سے ان کے دل سخت ہو گئے (اور رقتِ قلب جو زیارتِ قبر کا مقصد تھا وہ فوت ہو گیا)

اور مجالس الابرار میں ہے:

و نَهَى عَنِ اتِّخَاذِهَا عِيدًا، وَ هُمْ يُخَالِفُونَهُ وَ يَتَّخِذُونَهَا عِيدًا وَ  
يَجْتَمِعُونَ لَهَا كَمَا يَجْتَمِعُونَ لِلْعِيدِ أَوْ أَكْثَرَ. (مجالس الابرار، ۱۷/۱۱۸)

ترجمہ: شریعت نے قبروں کو عید بنانے سے منع فرمایا ہے اور حال یہ ہے کہ لوگ شریعت کی مخالفت کرتے ہیں اور قبروں کو عید بناتے ہیں، اور مزاروں پر لوگ اس طرح جمع ہوتے ہیں، جس طرح عید کے لیے اکٹھا ہوتے ہیں؛ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں ارقام فرماتے ہیں:

لَا يَجُوزُ مَا يَفْعَلُهُ الْجُهَالُ بِقُبُورِ الْأَوْلِيَاءِ وَ الشُّهَدَاءِ مِنَ السُّجُودِ وَ  
الطَّوَافِ حَوْلَهَا، وَ اتِّخَاذِ السُّرُجِ وَ الْمَسَاجِدِ عَلَيْهَا، وَ مِنَ الْأَجْتِمَاعِ  
بَعْدَ الْحَوْلِ كَالْأَعْيَادِ وَ يُسَمَّوْنَ عُرْسًا. (تفسیر مظہری: ۲/۶۵)

ترجمہ: جاہل لوگ اولیاء اور شہداء کی قبروں کے ساتھ جو معاملات کرتے ہیں، وہ سب ناجائز ہیں، یعنی قبروں کو سجدہ کرنا، اس کے گرد گھومنا، ان پر چراغ رکھنا اور ان کو سجدہ گاہ بنانا، اور میلوں کی طرح ایک سال کے بعد جمع ہونا جس کو لوگ عرس کہتے ہیں۔

اور فتاویٰ عزیزی میں ہے:

سوال: برائے زیارتِ قبور روزِ معین نمودن یا روزِ عرس ایشاں کہ معین است رفتن

درست است یا نہ؟

جواب: برائے زیارتِ قبور روزِ معین نمودن بدعت است، واصل زیارتِ جائز، و تعین وقت در سلفِ جود، و این بدعت ازاں قبیل است کہ اصلش جائز است، و خصوصیتِ وقت بدعت، مانند مصافحہ بعد العصر کہ در ملکِ توران و غیرہ رائج است۔

(فتاویٰ عزیزی: ۱/۹۳)

ترجمہ سوال: قبروں کی زیارت کے لیے دن معین کرنا، یا ان کے عرس کے دن جو

معین ہے زیارت کے لیے جانا درست ہے یا نہیں؟

جواب: قبروں کی زیارت کے لیے دن معین کرنا بدعت ہے، اصل زیارتِ جائز ہے

اور وقت کا تعین سلف صالحین میں نہیں تھا، اور یہ بدعت ایسی ہے کہ اس کی اصل جائز ہے؛ مگر وقت کی تخصیص بدعت ہے، اس کی مثال عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا ہے، جس کا ملک توران وغیرہ میں رواج ہے۔

### (۳) پختہ مزارات بنانا اور ان پر گنبد تعمیر کرنا

مزاروں کو پختہ بنانا اور ان پر گنبد وغیرہ تعمیر کرنا ناجائز اور بدعت ہے، حضور اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُجَصَّصَ الْقَبْرُ ، وَأَنْ يُنْبَى عَلَيْهِ ، وَأَنْ يَقْعُدَ عَلَيْهِ . رَوَاهُ مُسْلِمٌ . (مشكاة، ص: ۱۲۸)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے قبر کو پختہ کرنے اور اس پر تعمیر کرنے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

اور ترمذی شریف کی روایت میں ہے:

نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُجَصَّصَ الْقُبُورُ ، وَأَنْ يُكْتَبَ عَلَيْهَا ، وَأَنْ يُنْبَى عَلَيْهَا ، وَأَنْ تُوْطَأَ . (ترمذی شریف: ۱/۱۲۵)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو پختہ کرنے، ان پر لکھنے (یعنی کتبہ لگانے) ان پر تعمیر کرنے اور ان کو روندنے سے منع فرمایا ہے۔

شیخ ابراہیم حلبی حنفی شرح منیة المصلیٰ میں ارقام فرماتے ہیں:

عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ: أَنَّهُ يُكْرَهُ أَنْ يُنْبَى عَلَيْهِ بِنَاءً مِنْ بَيْتٍ أَوْ قَبَّةٍ أَوْ نَحْوِ ذَلِكَ لِمَا مَرَّ مِنَ الْحَدِيثِ آتِئًا ، وَكَذَا يُكْرَهُ وَطْئُهُ ، وَالْجُلُوسُ عَلَيْهِ كَذَلِكَ وَكُرْهُ أَبُو يُوسُفَ الْكِتَابَةَ أَيْضًا . (کبری، ص: ۵۵۵)

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ قبر پر مکان یا گنبد یا اس کے مانند کوئی عمارت بنانا مکروہ ہے، اس حدیث کی وجہ سے جو ابھی گزری، اسی طرح قبر کو روندنا بھی مکروہ ہے اور اس پر بیٹھنے کا بھی یہی حکم ہے، اور امام ابو یوسفؒ نے کتابت (یعنی کتبہ لگانے) کو بھی

مکروہ قرار دیا ہے۔

اور حضرت ملا علی قاری حنفیؒ حدیث: مَنْ ابْتَدَعَ بِدْعَةَ ضَلَالَةٍ كِي شَرْحِ مِيسِ اِرْقَامِ فرماتے ہیں:

وَهِيَ مَا اَنْكَرَهُ اِيْمَةُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْبِنَاءِ عَلٰى الْقُبُوْرِ وَتَجْصِيْبِهَا.

(مرقاۃ المفاتیح: ۱/۲۳۶)

ترجمہ: بدعت ضلالہ وہ ہے جس پر ائمہ مسلمین نے نکیر فرمائی ہے، جیسے قبروں پر عمارت بنانا اور ان کو پختہ کرنا۔

### (۳) قبروں پر چراغاں کرنا

قبروں پر چراغ، قندیل اور موم بتیاں وغیرہ روشن کرنا بھی بدعت ہے، حضور اکرم ﷺ نے اس خلاف شرع حرکت سے نہ صرف روکا ہے؛ بلکہ قبروں پر چراغاں کرنے والوں پر لعنت بھی فرمائی ہے، حضرت عبداللہ عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَاوِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَ الْمُتَخَذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ ، رواه ابو داؤد و الترمذی و النسائی.

(مشکاۃ، ص: ۷۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں پر مسجدیں بنانے والوں پر اور ان پر چراغ روشن کرنے والوں پر۔ حضرت ملا علی قاری حنفیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

وَ النَّهْيُ عَنِ اِتِّخَاذِ السُّرُجِ لِمَا فِيْهِ مِنْ تَضْيِيعِ الْمَالِ ؛ لِاِنَّهُ لَا نَفْعَ لِاَحَدٍ مِنَ السُّرُجِ ، وَ لِاَنَّهَا عَنْ اَثَارِ جَهَنَّمَ وَ اَمَّا لِلِاِحْتِرَازِ عَنِ تَعْظِيْمِ الْقُبُوْرِ كَالنَّهْيِ عَنِ اِتِّخَاذِ الْقُبُوْرِ مَسَاجِدَ . (مرقاۃ: ۲/۲۱۹)

ترجمہ: چراغ رکھنے سے اس لیے روکا گیا ہے کہ اس میں مال ضائع کرنا ہے؛ کیوں کہ چراغ سے کسی کو فائدہ نہیں، اور روکنے کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ چراغ آثارِ جہنم میں

سے ہے، نیز قبروں کی بے جا تعظیم سے بچانے کے لیے بھی روکا گیا ہے، جیسے قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے روکا ہے۔

اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی ”ارشاد الطالبین میں ارقام فرماتے ہیں:  
”قبور اولیاء بلند کردن، و گنبد براں ساختن و عرس و امثال چراغاں کردن ہمہ بدعت است، بعض ازاں حرام است و بعض ازاں مکروہ، پیغمبر بر شمع افروزاں نزد قبر و سجدہ کنندگاں رالعتن گفتمہ“۔ (ارشاد الطالبین، ص: ۲۲)

ترجمہ: اولیاء کی قبروں کو بلند کرنا، ان پر گنبد بنانا، عرس اور ان کے مانند چراغاں کرنا؛ سب بدعت ہے، ان میں سے بعض حرام ہیں اور بعض مکروہ، پیغمبر خدا ﷺ نے قبر کے قریب شمع روشن کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

### (۵) مزاروں پر پھول ڈالنا اور چادریں چڑھانا

قبروں پر پھول ڈالنا اور چادریں چڑھانا خلاف سنت اور بدعت ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں:

چادر پوشانیدن بر قبر حرکت لغواست نباید کرد۔ (فتاویٰ عزیزی: ۱/۹۴)

ترجمہ: قبر پر چادر ڈالنا لغو حرکت ہے، ایسی حرکت نہیں کرنی چاہیے۔

اور شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی ارقام فرماتے ہیں:

واما ارتکاب محرمات از روشن کردن چراغها و ملبوس ساختن قبور و سرودها، و نواختن

معاذ بدعات شنیعہ اند، و حضور چینیں مجالس ممنوع۔

(فتاویٰ شاہ رفیع الدین، ص: ۱۴، مجتہبائی)

ترجمہ: اور حرام چیزوں کا ارتکاب، مثلاً چراغ روشن کرنا قبروں کو لباس پہنانا، گیت

(قوالیاں) اور باجے بجانا سب بدعات شنیعہ ہیں اور ایسی مجلسوں میں جانا ممنوع ہے۔

اور علامہ بدر الدین عینی عمدة القاری شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

وَكَذَلِكَ مَا يَفْعَلُهُ أَكْثَرُ النَّاسِ مِنْ وَضَعِ مَا فِيهِ رُطُوبَةٌ مِنَ الرِّيَاحِينِ وَ

الْبُقُولِ وَنَحْوِهِمَا عَلَى الْقُبُورِ لَيْسَ بِشَيْءٍ وَإِنَّمَا السُّنَّةُ الْغَرُزُ.

(عمدة القاری: ۱/۸۷۹)

ترجمہ: اسی طرح بہت سے لوگ جو ترچیزیں یعنی پھول اور سبزہ وغیرہ قبروں پر رکھتے ہیں، اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، سنت صرف شاخ گاڑنا ہے۔

علامہ عینی نے شاخ گاڑنے کو جو سنت کہا ہے، وہ ابن عباسؓ کی اس حدیث کی وجہ سے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ایسی دو قبروں پر سے گذر ہوا، جن میں عذاب ہو رہا تھا، تو آپ ﷺ نے ایک شاخ خرما کو چیر کر دو حصے کیے، اور ہر ایک کو ایک قبر پر گاڑ دیا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایسا کیوں کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہیں ہوں گی، امید ہے کہ ان قبر والوں کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔

آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کی کہ ”جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہیں ہوں گی امید ہے کہ ان قبر والوں کے عذاب میں تخفیف رہے گی“ شارحین حدیث نے مختلف وجوہات بیان کی ہیں، بعض حضرات کے نزدیک اس تحدید و توقیت کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تخفیف عذاب کی دعا فرمائی تھی، آپ ﷺ کی شفاعت شاخوں کے خشک ہونے تک قبول کر لی گئی؛ اس لیے آپ ﷺ نے شاخوں کو گاڑا تھا — اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ شاخ جب تک تر ہوتی ہے، اللہ کی حمد و ثنا اور تسبیح و تقدیس بیان کرتی ہے، ﴿وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ﴾ اس لیے آپ ﷺ نے شاخ گاڑی تھی؛ تاکہ ان کی تسبیح سے عذاب میں تخفیف رہے، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ مشکاة کی عربی شرح لمعات التتقیح میں مشہور حنفی فقیہ و محدث امام فضل اللہ تورپشتی کے حوالہ سے ارقام فرماتے ہیں:

وَقَالَ التُّورِپَشْتِيُّ: وَجْهٌ هَذَا التَّحْدِيدِ أَنْ يُقَالَ: إِنَّهُ سَأَلَ التَّخْفِيفَ عَنْهَا مُدَّةَ بَقَاءِ النَّدَاوَةِ فِيهِمَا، وَقَوْلُ مَنْ قَالَ وَجْهٌ ذَلِكَ أَنَّ الْغُضْنَ الرُّطْبَ يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا دَامَ فِيهِ النَّدَاوَةُ، فَيَكُونُ مُجِيرًا عَنْ عَذَابِ الْقَبْرِ

قَوْلٌ لَا طَائِلَ تَحْتَهُ وَلَا عِبْرَةَ بِهِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ. (لمعات التفتیح: ۲/۴۴)

ترجمہ: امام تورپشتی نے فرمایا کہ اس تحدید کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان شاخوں کے تر رہنے تک ان قبروں سے تخفیفِ عذاب کی شفاعت کی تھی — رہا بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ شاخ جب تک تر ہوتی ہے، اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے، پس وہ عذابِ قبر سے بچانے والی ہوگی، بالکل بے مقصد اور بے فائدہ بات ہے، اور اہل علم کے نزدیک اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

الحاصل شارحین حدیث کے نزدیک پہلی توجیہ ہی صحیح ہے، اور مسلم شریف کے آخر میں احادیث متفرقہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہما کی ایک طویل حدیث ہے، اس میں خود حضور اکرم ﷺ نے شاخیں گاڑنے کی وجہ یہی بیان فرمائی ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

”حضور ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے درخت کی شاخ منگوائی، وہ پتھر سے کاٹ کر لے آئے اور دریافت کیا کہ عَمَّ ذَاكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! یہ شاخ کیوں منگوائی گئی ہے؟ قَالَ: إِنِّي مَرَرْتُ بِقَبْرِ بْنِ يُعَدْبَانَ ، فَأَحْبَبْتُ بِشَفَاعَتِي أَنْ يُرْفَهَ عَنْهُمَا مَا دَامَ الْغُضْنَانِ رَطْبَيْنِ (۱۴/۸) آپ ﷺ نے جواب دیا کہ میں دو ایسی قبروں کے پاس سے گذرا جن کو عذاب ہو رہا تھا، پس میں نے سفارش کی وجہ سے پسند کیا کہ ان دونوں سے نرمی کی جائے، جب تک وہ دونوں شاخیں تر رہیں۔

اس حدیث کی روشنی میں پہلی توجیہ متعین ہے، دوسری توجیہ کے لیے کوئی وجہ جواز نہیں ہے، مگر تھوڑی دیر کے لیے دوسری توجیہ کو صحیح مان لیا جائے، تب بھی اس حدیث سے پھولوں کے ڈالنے کا جواز ثابت نہیں ہوتا، صرف شاخوں کے گاڑنے کا جواز ثابت ہوتا ہے، یہی بدرالدین عینی کے قول کا مطلب ہے۔

لیکن آج جو مزاروں پر پھولوں کی چادریں چڑھائی جاتی ہیں، وہ اس حدیث پر عمل کرنے کے لیے نہیں؛ بلکہ قبروں کی تعظیم اور اہل قبور کے تقرب کے لیے چڑھائی جاتی ہیں، اور آنحضرت ﷺ نے قبروں کی تعظیم اور اہل قبور سے تقرب حاصل کرنے کے لیے پھول چڑھانے کی ہرگز اجازت نہیں دی ہے، نہ اس حدیث میں دور دور تک ایسی



اجازت کا کوئی سراغ ملتا ہے، تعظیم کی خاطر اولیاء اللہ کے مزارات یا قومی لیڈروں کی قبروں پر پھولوں کی چادریں چڑھانے کی جو رسم ہمارے زمانہ میں رائج ہے، متقدمین و متاخرین میں سے کسی نے اس کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا؛ اس لیے اس کے بدعتِ سیدہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں، یہ یہود و نصاریٰ اور ہنود کی رسم ہے جو مسلمانوں میں درآئی ہے۔

## (۶) گیارہویں کا کھانا

ہر قمری مہینہ کی گیارہویں رات کو عموماً اور ماہ ربیع الثانی کی گیارہویں رات کو خصوصاً محبوب سبحانی، شیخ المشائخ حضرت شاہ عبد القادر جیلانیؒ کے نام پر جو کھانا تیار کیا جاتا ہے، ”وہ گیارہویں شریف“ کے نام سے مشہور ہے، اس سلسلہ میں دو باتیں خاص طور پر ذہن میں رہنی چاہئیں۔

اول یہ کہ حضرت سیدنا عبد القادر جیلانیؒ کا وصال ۵۵۷ھ میں ہوا ہے، ظاہر ہے کہ گیارہویں شریف کی رسم محبوب سبحانی کے وصال کے بعد ہی سے شروع ہوئی ہوگی، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین عظام اور ائمہ ہدیٰ خصوصاً امام ابوحنیفہؒ اور خود پیران پیر اپنی گیارہویں نہیں دیتے تھے، پس جس عمل سے اسلام کی کم از کم چھ صدیاں خالی ہوں، اسے دین اسلام کا جزو تصور کرنا، اور اسے ایک اہم ترین عبادت کا درجہ دینا کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے؟

دوم یہ کہ اگر گیارہویں دینے کا مقصد شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی روح پر فتوح کو ثواب پہنچانا ہے، تو بلاشبہ یہ مقصد بہت مبارک ہے؛ لیکن جس طرح گیارہویں شریف دینے کا رواج ہے، اس میں چند خرابیاں ہیں:

پہلی خرابی ہے یہ کہ شریعت نے ایصالِ ثواب کے لیے کوئی وقت اور دن مقرر نہیں فرمایا، اور یہ لوگ گیارہویں رات کی پابندی کو کچھ ایسا ضروری سمجھتے ہیں کہ گویا یہی خدائی شریعت ہے، ان کے اس طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایصالِ ثواب مقصود نہیں؛ بلکہ ان کے نزدیک یہ ایک ایسی عبادت ہے جو صرف اسی تاریخ کو ادا کی جاسکتی ہے۔

الغرض ایصالِ ثواب کے لیے گیارہویں تاریخ کا التزام کرنا ایک فضول حرکت ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں اور اس کو ضروری سمجھ لینا خدا اور رسول اللہ کے مقابلہ میں گویا اپنی شریعت بنانا ہے۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ گیارہویں میں اس بات کا خصوصیت سے اہتمام کیا جاتا ہے کہ کھیر ہی پکائی جائے؛ حالانکہ اگر ایصالِ ثواب مقصود ہوتا تو اتنی رقم صدقہ بھی کی جاسکتی تھی اور اتنی مالیت کا غلہ یا کپڑا کسی مسکین کو چپکے سے اس طرح دیا جاسکتا تھا کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوتی کہ داہنے ہاتھ نے کیا دیا، اور یہ عمل نام و نمود اور ریاء سے پاک ہونے کی وجہ سے مقبول بارگاہِ خداوندی بھی ہوتا، کھیر پکانے اور کھانا تیار کرنے ہی کو ایصالِ ثواب کے لیے ضروری سمجھنا، اور یہ خیال کرنا کہ اس کے بغیر ایصالِ ثواب نہیں ہوتا، یہ بھی مستقل شریعت سازی ہے۔

تیسری خرابی یہ ہے کہ ثواب تو صرف اتنے کھانے کا ملے گا جو فقراء و مساکین کو کھلایا جائے؛ مگر گیارہویں شریف کا کھانا پکا کر لوگ زیادہ تر خود ہی کھا لیتے ہیں، یا اپنے احباب و عزیز کو کھلا دیتے ہیں، فقراء و مساکین کا حصہ اس میں بہت ہی کم ہوتا ہے، اس کے باوجود یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ جتنا کھانا پکایا گیا اتنے کا ثواب حضرت پیرانِ پیر کو پہنچ جاتا ہے، یہ اصولِ شریعت کے خلاف ہے۔

چوتھی خرابی یہ ہے کہ بہت سے لوگ گیارہویں کے کھانے کو تبرک سمجھتے ہیں؛ حالانکہ ابھی معلوم ہوا کہ جو کھانا خود کھالیا گیا، وہ صدقہ ہی نہیں، اور نہ حضرت پیرانِ پیر کے ایصالِ ثواب سے اس کو کچھ تعلق ہے، پھر اس میں برکت کہاں سے آئی؟! — اور کھانے کا جو حصہ صدقہ کر دیا گیا، اس کا ثواب امید ہے کہ پہنچے گا؛ مگر اس کا کھانا فقراء اور مساکین کے لیے جائز ہے، مال داروں کے لیے جائز نہیں ہے۔

پانچویں خرابی یہ ہے کہ بہت سے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ گیارہویں شریف نہ دینے سے ان کے جان و مال میں نقصان ہو جاتا ہے، یا مال میں بے برکتی ہو جاتی ہے گویا نماز، روزہ، حج اور زکاۃ جیسے قطعاً فرض میں کوتاہی کرنے سے کچھ نہیں بگڑتا؛ مگر گیارہویں

شریف میں ذرا کوتاہی ہو جائے تو جان و مال کے لالے پڑ جاتے ہیں۔  
غور کیجیے کہ ایک ایسی چیز جس کا شریعت میں اور فقہ حنفی میں کوئی ثبوت نہ ہو جب اس  
کا التزام فرائض شرعیہ سے بھی بڑھ جائے، اور اس کے ساتھ ایسا اعتقاد جم جائے کہ خدا  
تعالیٰ کے مقرر کردہ فرائض کے ساتھ بھی ایسا اعتقاد نہ ہو تو اس کے مستقل شریعت ہونے  
میں کوئی شبہ رہ جاتا ہے؟

الحاصل حضرت پیران پیر یا دوسرے بزرگوں کو ایصالِ ثواب کرنا سعادت مندی  
ہے؛ مگر گیارہویں شریف کے نام سے جو کچھ کیا جاتا ہے وہ مذکورہ بالا خرابیوں کی وجہ سے  
ناجائز اور بدعت ہے۔

## (۷) گیارہویں کا جشن

اسی طرح جاہل مسلمان ہر سال ماہ ربیع الثانی کی گیارہ تاریخ کو محبوب سبحانی شیخ  
عبد القادر جیلانیؒ کی گیارہویں کے نام سے جو یومِ وفات مناتے ہیں، اور اپنے گھروں  
اور مسجدوں میں روشنی کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں، وہ بھی بلاشبہ بدعت اور گمراہی ہے،  
وفات کے دن خوشیاں منانا محبت کی علامت نہیں، عداوت کی نشانی ہے۔

## (۸) کھانے پر فاتحہ

بعض لوگ ایصالِ ثواب کے لیے جو کھانا دیتے ہیں، اس پر مولوی صاحب سے کچھ  
پڑھواتے ہیں، اس کو بعض لوگ ”فاتحہ شریف“ اور بعض لوگ ”ختم شریف“ کہتے ہیں،  
بادی النظر میں یہ عمل اچھا معلوم ہوتا؛ مگر اس میں بھی چند قباحتیں ہیں:  
اول: آنحضرت ﷺ، صحابہ مکرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین عظام اور  
سلف صالحین میں ایصالِ ثواب کا یہ طریقہ رائج نہیں تھا؛ اس لیے بلاشبہ یہ طریقہ خلاف  
سنت ہے۔

دوم: جاہلوں کا خیال ہے کہ جب تک اس طرح ختم نہ پڑھا جائے میت کو ثواب

نہیں پہنچتا؛ حالانکہ آنحضرت ﷺ نے ایصالِ ثواب کا یہ طریقہ نہیں بتایا، نہ سلفِ صالحین نے اس پر عمل کیا؛ اس لیے اس کے بدعت ہونے میں کوئی شک نہیں۔

سوم: کہا جاتا ہے کہ اگر کھانے پر سورتیں پڑھ لی جائیں تو کیا حرج ہے؟ حالانکہ اس سے بڑھ کر حرج کیا ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کے طریقہ، آپ ﷺ کی سنت اور شریعت کے خلاف ہے، علاوہ ازیں ہمارے اکابر اہل سنت نے کھانے پر قرآن کریم پڑھنے کو بے ادبی کہا ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے فتاویٰ میں ہے:

سوال: کسے کلام اللہ یا آیت کلام مجید را بر طعام خواند چه حکم است؟ شخصی گوید کہ کلام اللہ بر طعام خواندن آنچنان است کہ کسے در جائے ضرورت بخواند، نعوذ باللہ منہا۔  
جواب: بایں طور گفتن روانیست؛ بلکہ سوئے ادبی است، اگر ایں چنین گفت کہ در ہچوں ایں جا خواندن سوئے ادبی است مضائقہ ندارد (فتاویٰ عزیزی: ۱/۹۵)

ترجمہ: سوال: کوئی شخص کلام اللہ، یا قرآن مجید کی آیت کھانے پر پڑھے تو کیا حکم ہے؟ ایک شخص کہتا ہے کہ کلام اللہ کھانے پر پڑھنا ایسا ہے، جیسے کوئی شخص قضائے حاجت کی جگہ پڑھے، نعوذ باللہ!

جواب: ایسا کہنا درست نہیں؛ بلکہ سوئے ادبی ہے، ہاں! اگر یوں کہتا کہ ایسی جگہ قرآن مجید پڑھنا سوئے ادبی ہے تو مضائقہ نہ ہوتا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے اس جواب سے معلوم ہوا کہ کھانے پر قرآن مجید کی کوئی سورت یا آیت پڑھنا سوئے ادبی ہے؛ اس لیے اس کے ناجائز ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اور فتاویٰ سمرقندیہ میں ہے:

قِرَاءَةُ الْفَاتِحَةِ وَالْإِخْلَاصِ وَالْكَافِرُونَ عَلَى الطَّعَامِ بَدْعَةٌ.

ترجمہ: سورۃ فاتحہ، سورۃ اخلاص اور سورۃ کافرون کھانے پر پڑھنا بدعت ہے۔

(بحوالہ الجُمُعَةُ لِأَهْلِ السُّنَّةِ، ص: ۱۷۸)

چہارم: مولوی صاحب کو بلا کر کھانے پر جو ختم پڑھایا جاتا ہے، اس میں ایک قباحت یہ ہے کہ مولوی صاحب اپنے ختم کے بدلے میں کھانا لے جاتے ہیں، اگر مولوی صاحب

ختم نہ پڑھیں تو وہ کھانے سے محروم رہیں، اور اگر گھر والے کھانا نہ دیں تو مولوی صاحب ختم پڑھنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے، گویا مولوی صاحب کے ختم اور گھر والوں کے کھانے کا باہمی تبادلہ ہوتا ہے، اور یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کا معاوضہ بن جاتی ہیں؛ حالانکہ قرآن مجید معاوضہ لے کر پڑھا جائے تو ثواب نہیں ملتا، اسی طرح جو کھانا معاوضہ کے طور پر کھلایا جائے، وہ بھی ثواب سے خیالی ہوتا ہے، ختم پڑھایا تو اس لیے گیا تھا کہ دوہرا ثواب ملے گا؛ مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اکہر ثواب بھی جاتا رہا؛ بلکہ ”نیکی برباد، گناہ لازم“ والا معاملہ ہو گیا۔

پنجم: بعض جگہ اس رسم کی پابندی اس قدر کی جاتی ہے کہ جب تک کھانے پر ختم شریف نہ پڑھا جائے کسی کو کھانے کی اجازت نہیں ہوتی، کبھی مولوی صاحب کے آنے میں کسی وجہ سے تاخیر ہو جائے تو بچوں تک کو کھانے سے محروم رکھا جاتا ہے، خواہ وہ کتنے ہی بلبلا تے رہیں، ان قباحتوں کی بنا پر کھانے پر فاتحہ خوانی، یا قرآن خوانی کی رسم ناجائز اور بدعت ہے، تاہم ختم پڑھنے سے کھانا حرام نہیں ہوتا، اس کو کھا سکتے ہیں۔

## (۹) تیجا، ساتواں اور چالیسواں کرنا

بزرگانِ دین، عزیز واقارب اور احباب جو وفات پا چکے ہیں، یا حیات میں ان کے لیے دعا و استغفار کرنا اور صدقہ خیرات دینا، اور بلا اجرت قرآن شریف اور کلمہ طیبہ وغیرہ پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنا، اسی طرح نفل نماز، روزہ، حج، اور قربانی وغیرہ عبادتوں کا ثواب کسی مسلمان کو بخشانہ صرف جائز ہے؛ بلکہ مستحسن اور مندوب ہے؛ لیکن ایصالِ ثواب کے لیے شریعت نے دنوں اور تاریخوں کی کوئی تعیین و تخصیص نہیں کی ہے؛ اس لیے اپنی طرف سے ایصالِ ثواب کے لیے کوئی دن مقرر کرنا اور اس کو ضروری سمجھنا ناجائز اور بدعت ہے۔

اسی طرح اپنے کسی عزیز و قریب کی وفات کے دن یا تیسرے دن، ساتویں دن، دسویں دن اور چالیسویں دن اہل میت کی طرف سے جو کھانا کھلایا جاتا ہے اور دعوت کی

جاتی ہے، وہ بھی بدعتِ قبیحہ ہے، فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

وَيُكْرَهُ اتِّخَاذُ الطَّعَامِ فِي الْيَوْمِ الْأَوَّلِ وَالثَّالِثِ وَبَعْدَ الْأَسْبُوعِ .

(بحوالہ شامی: ۱/۶۰۳)

ترجمہ: اہل میت کا پہلے دن، تیسرے دن اور ہفتہ کے بعد کھانا تیار کرنا، مکروہ ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی ”وصیت نامہ“ میں اپنے عزیز واقارب کو وصیت فرماتے ہیں:

”و بعد مردن من رسوم دنیوی مثل دہم، و بستم، و پ، جہلم و ششماہی و برسی ہیج نہ کنند“

(مالا بدمنہ، ص: ۱۳۵)

ترجمہ: میری وفات کے بعد دنیوی رسوم، مثلاً: دسواں، بیسواں چالیسواں، ششماہی

اور برسی کچھ نہ کریں۔

اور رضا خانی عالم مولوی امجد علی ”بہار شریعت“ میں لکھتے ہیں:

”میت کے گھر والے تیجا وغیرہ کے دن دعوت کریں تو ناجائز اور بدعتِ قبیح ہے کہ

دعوت تو خوشی کے وقت شروع ہے، نہ کہ غمی کے وقت“۔

(بہار شریعت، ص: ۱۵۹، حصہ چہارم)

## (۱۰) نمازِ جنازہ کے بعد دعا

نمازِ جنازہ کے بعد تدفین سے پہلے اجتماعی طور پر دعا کرنا اور اس کو سنت سمجھنا بدعت

ہے، علامہ سراج الدین حنفی فرماتے ہیں:

إِذَا فَرَّغَ مِنَ الصَّلَاةِ لَا يَقُومُ بِالْدُعَاءِ. (فتاویٰ سراجیہ، ص: ۲۳)

ترجمہ: جب نمازِ جنازہ سے فارغ ہو جائے تو دعا کے لیے نہ ٹھہرے۔

اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

لَا يَقُومُ بِالْدُعَاءِ بَعْدَ صَلَاةِ الْجَنَازَةِ لِأَنَّهُ دَعَا مَرَّةً.

(فتاویٰ بزازیہ، ص: ۲۸۳)

ترجمہ: نمازِ جنازہ کے بعد دعا کے لیے نہ ٹھہرے؛ اس لیے کہ ایک دفعہ (نمازِ جنازہ

میں) دعا کر چکا ہے۔

اور علامہ ابن کجیم حنفی فرماتے ہیں:

وَلَا يَدْعُوا بَعْدَ التَّسْلِيمِ (البحر الرائق: ۱۸۳/۲)

ترجمہ: سلام پھیرنے کے بعد دعائے نہ کرے۔

اور حضرت ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں کہ

وَلَا يَدْعُوا لِلْمَيِّتِ بَعْدَ صَلَاةِ الْجَنَازَةِ لِأَنَّهُ يُشْبِهُ الزِّيَادَةَ فِي صَلَاةِ

الْجَنَازَةِ. (مرقاۃ المفاتیح: ۶۳/۳)

ترجمہ: نماز جنازہ کے بعد میت کے لیے دعائے نہ کرے؛ کیوں کہ یہ نماز جنازہ میں

زیادتی کے مشابہ ہے۔

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ جنازہ کے بعد دعا کرنا ممنوع اور مکروہ ہے اور مکروہ کو

مستحسن سمجھنا بدعت ہے، حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:

”مکروہ را مستحسن دانستن از اعظم جنایات است، چہ حرام را مباح دانستن منجر

بکفر است، و مکروہ را حسن پنداشتن یک مرتبہ از اہل پایاں است، شاعتِ اِس فعلِ رائیک

ملاحظہ باید نمود۔“ (مکتوبات مجدد الف ثانی حصہ پنجم، ص: ۷۴)

ترجمہ: مکروہ کو مستحسن سمجھنا اعظم جنایات میں سے ہے؛ کیوں کہ حرام کو مباح سمجھنا

کفر تک پہنچاتا ہے، اور مکروہ کو مستحسن گمان کرنا، اس سے ایک درجہ فروتر ہے، اس فعل کی

قباحت اچھی طرح ملاحظہ کر لینی چاہیے۔

## رضا خانی مغالطہ

مفتی احمد یار خاں ”منتخب کنز العمال“ کے حوالہ سے اور مولوی محمد عمر ”بیہقی“

اور ”فتح ربانی“ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن ابی اونی رضی اللہ عنہ نے

اپنی صاحب زادی کی نماز جنازہ پڑھائی، تو چوتھی تکبیر کے بعد دعا کی اور فرمایا کہ میں

نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (جاء الحق، ص: ۱۲۶۳، اور

مقیاسِ حقیقت، ص: ۵۲۶)

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے؛ کیوں کہ اس کی سند میں ایک راوی ابراہیم ہجری ہے جو نہایت ضعیف راوی ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے تہذیب التہذیب: ۱/۱۶۵)

علاوہ ازیں یہ نماز جنازہ کے بعد والی دعا نہیں ہے؛ بلکہ چوتھی تکبیر اور سلام پھیرنے کے درمیان کی دعا ہے، اور حضرات شوافع کا اس پر عمل ہے، امام نوویؒ لکھتے ہیں:

وَفِي رِوَايَةٍ كَبْرٍ اَرْبَعًا، فَمَمَّكَ سَاعَةً حَتَّى ظَنَنْتُ اَنَّهُ سَيَكْبُرُ خَمْسًا ثُمَّ سَلَّمَ عَنِ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ.

(ریاض الصالحین، ص: ۳۶۹، اور کتاب الاذکار، ص: ۱۳۵)

ترجمہ: ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؒ نے چوتھی تکبیر کہی پھر تھوڑی دیر ٹھہرے، یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ وہ پانچویں تکبیر کہیں گے؛ مگر پھر انہوں نے دائیں اور بائیں سلام پھیرا۔

اور امام بیہقی نے اس روایت پر یہ باب قائم فرمایا ہے:

بَابُ مَا رُوِيَ فِي الْاِسْتِغْفَارِ لِلْمَيِّتِ وَالدُّعَاءِ لَهُ مَا بَيْنَ التَّكْبِيرِ الرَّابِعَةِ وَ السَّلَامِ. (سنن کبریٰ: ۴/۴۲)

مگر احناف نے اس روایت کو ضعیف ہونے کی وجہ سے معمول بہ نہیں بنایا، درمختار میں ہے: وَيُسَلِّمُ بِلَا دُعَاءٍ بَعْدَ الرَّابِعَةِ (اور چوتھی تکبیر کے بعد دعا کیے بغیر سلام پھیرے)

اور علامہ شامی بلا دُعَاءِ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قَوْلُهُ: (بِلَا دُعَاءٍ) هُوَ ظَاهِرُ الْمَذْهَبِ وَقِيلَ يَقُولُ: اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً اِلٰخَ، وَقِيلَ: رَبَّنَا لَا تُرْغِ قُلُوْبَنَا اِلٰخَ، وَقِيلَ يُخَيِّرُ بَيْنَ السُّكُوْتِ وَ الدُّعَاءِ. (رَدُّ الْمُحْتَارِ: ۱/۵۸۵)

ترجمہ: یہ ظاہر مذہب ہے، اور بعض حضرات نے کہا کہ اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً



الخ پڑھے، اور بعض حضرات نے کہا کہ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا الخ پڑھے، اور بعض حضرات نے کہا اختیار ہے، چاہے خاموش رہے یا دعا کرے۔

نوٹ: رضا خانیوں کے مزید مغالطوں اور ان کے جوابوں کے لیے دیکھئے حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صفدر کی کتاب ”راہ سنت“ جس کا عربی نام الْمِنْهَاجُ الْوَاضِحُ ہے، یہ کتاب بدعات مروجہ کی تردید میں عمدہ کتاب ہے، اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

## (۱۱) جنازہ کے ہمراہ ذکر کرنا

جنازے کے آگے یا پیچھے زور زور سے کلمہ پڑھنا، ذکر کرنا، یا قرآن شریف پڑھنا بھی بدعت ہے، حافظ ابن کثیر ”طبرانی“ کے حوالہ سے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الصَّمْتَ عِنْدَ ثَلَاثٍ : عِنْدَ تِلَاوَةِ الْقُرْآنِ ، وَ عِنْدَ الزُّحْفِ ، وَ عِنْدَ الْجَنَازَةِ . (تفسیر ابن کثیر: ۲/۲۱۹)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تین موقعوں پر خاموشی کو پسند فرماتے ہیں: (۱) قرآن شریف کی تلاوت کے وقت۔ (۲) دشمن کی طرف پیش قدمی کرتے وقت۔ (۳) اور جنازے کے پاس۔

اور حضرت امام محمد بن حسن شیبانی ”حضرت قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:

كَانَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُونَ الصَّوْتِ عِنْدَ ثَلَاثٍ: الْجَنَائِزِ وَالْقِتَالِ وَالذِّكْرِ .

(السیر الکبیر مع شرح السرخسی، ۱/۸۹، اور البحر الرائق، ۵/۷۶)

ترجمہ: صحابہ کرام تین موقعوں پر آواز بلند کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے: (۱) جنازے (۲) قتال (۳) اور ذکر اللہ کے وقت۔

یہ روایتیں اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ جنازے کے آگے یا پیچھے زور زور سے کلمہ

طیبہ پڑھنا یا اور کوئی ذکر کرنا مکروہ ہے؛ چنانچہ فقہائے احناف نے پوری وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ جنازے کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا، قرآن پاک پڑھنا اور کُلُّ حَيِّ يَمُوتُ (ہر زندہ مرنے والا ہے) کے نعرے لگانا مکروہ تحریمی اور بدعت ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وَعَلَىٰ مُتَّبِعِي الْجَنَازَةِ الصَّمْتُ ، وَ يُكْرَهُ لَهُمْ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ ، وَ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ (عالمگیری، ۱/۱۷۲، مصری)۔

ترجمہ: جنازے کے ساتھ جانے والوں پر لازم ہے کہ خاموش رہیں اور ان کے لیے بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن شریف پڑھنا مکروہ ہے۔ اور امام سراج الدین اودوی فرماتے ہیں:

رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ وَ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ ، وَ قَوْلُهُمْ: "كُلُّ حَيٍّ يَمُوتُ" وَ نَحْوِ ذَلِكَ خَلْفَ الْجَنَازَةِ بَدْعَةٌ. (فتاویٰ سراجیہ، ص: ۲۳، مطبوعہ نول کشور)

ترجمہ: جنازے کے پیچھے بلند آواز سے ذکر کرنا، قرآن کریم پڑھنا اور یہ کہنا کہ "ہر زندہ مرنے والا ہے" وغیرہ بدعت ہے۔

اور علامہ ابن نجیم حنفی البحر الرائق میں ارقام فرماتے ہیں:

وَ يَنْبَغِي لِمَنْ تَبَعَ جَنَازَةً أَنْ يُطِيلَ الصَّمْتَ ، وَ يُكْرَهُ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ وَ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَ غَيْرِهِمَا فِي الْجَنَازَةِ ، وَ الْكِرَاهَةُ فِيهَا كِرَاهَةُ تَحْرِيمٍ (البحر الرائق، ۲/۱۹۹)

ترجمہ: جو لوگ جنازے کے ساتھ جائیں ان کے لیے مناسب ہے کہ طویل خاموشی اختیار کریں، اور جنازے میں بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن شریف پڑھنا اور ان دونوں کے علاوہ کچھ اور بلند آواز سے پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

## (۱۲) قبر پر اذان دینا

میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دینا خلاف سنت اور بدعت ہے، شاہ محمد اسحاق

محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اذان دادن بر قبر بعد دفن مکروہ است کہ معبود از سنت نیست۔“

(مائتہ مسائل، ص: ۵۵)

ترجمہ: دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دینا مکروہ ہے؛ کیونکہ سنت سے ثابت نہیں ہے۔ اور علامہ ابن عابدین شامی ارقام فرماتے ہیں:

لَا يُسْنُ الْأَذَانَ عِنْدَ إِدْخَالِ الْمَيِّتِ فِي قَبْرِهِ كَمَا هُوَ الْمُعْتَادُ الْآنَ ، وَ  
قَدْ صَرَّحَ ابْنُ حَجَرٍ فِي فَتَاوَاهُ بِأَنَّهُ بَدْعَةٌ ، وَقَالَ : وَمَنْ ظَنَّ أَنَّهُ سُنَّةٌ  
فِيَّاسًا عَلَى نُدْبِهِمَا لِلْمَوْلُودِ الْخَافِقِ لِخَاتِمَةِ الْأَمْرِ بِابْتِدَائِهِ فَلَمْ  
يُصِبْ . (شامی، ۱/۶۰۰، کتاب الجنائز)

ترجمہ: میت کو قبر میں اتارنے کے وقت اذان کہنا مسنون نہیں، جیسا کہ اب اس کا رواج ہو چکا ہے۔ اور ابن حجر نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کی ہے کہ یہ بدعت ہے، اور کہا ہے کہ جس شخص نے نومولود بچے کے کان میں اذان واقامت کے مستحب ہونے پر قیاس کر کے اور اختتام امر کو ابتدائے امر کے ساتھ لاحق کرتے ہوئے اذان قبر کو سنت خیال کیا ہے، اس نے غلطی کی ہے۔

اور مجالس ابرار میں ہے:

”جس فعل کا سبب آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں موجود ہو، اور کوئی مانع بھی نہ ہو، اس کے باوجود حضور اکرم ﷺ نے اس کو نہ کیا ہو، تو ایسا کام کرنا اللہ کے دین کو بدلنا ہے؛ کیوں کہ اگر اس کام میں کوئی مصلحت ہوتی تو سرور کائنات ﷺ اس کو ضرور کرتے یا ترغیب دیتے؛ لیکن جب آپ ﷺ نے نہ خود کیا نہ کسی کو اس کے کرنے کی ترغیب دی، تو معلوم ہوا کہ اس میں کوئی مصلحت نہیں؛ بلکہ وہ بدعت قبیحہ اور سیئہ ہے، اس کی مثال عیدین میں اذان کہنا ہے؛ چنانچہ جب بعض سلاطین نے اس کو ایجاد کیا تو علماء نے اس کو منکر سمجھا، اور اس کے مکروہ ہونے کا حکم لگایا۔“

(مجالس الابرار، مجلس: ۱۸، فی اقسام البدع واحکامہا)

ٹھیک یہی حال قبر پر اذان دینے کا ہے؛ کیوں کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں اس کا سبب اور محرک (یعنی میت کی تدفین) موجود تھا؛ اور کوئی مانع بھی نہیں تھا؛ لیکن اس کے باوجود آنحضرت ﷺ نے نہ قبر پر اذان دینے کا حکم دیا نہ ترغیب دی، پس اس کے بدعتِ قبیحہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔

مزید تفصیل کے لیے دیکھئے حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کا رسالہ امعان النظر فی اذان القبر جس میں اس مسئلہ کے علاوہ بدعت کے متعلق نہایت نفیس اصولی بحث بھی کی گئی ہے۔

### (۱۳) اذان کے وقت انگوٹھے چومنا

اذان واقامت میں جب مؤذن اَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ کہتا ہے تو بعض لوگ انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھتے ہیں، اور اس کو سنت سمجھتے ہیں، یہ بھی بے اصل چیز ہے، خود مولوی احمد رضا خاں بریلوی ”ایضاً المقال“ میں لکھتے ہیں:

”اذان میں وقت استماع نام پاک صاحب لولاک ﷺ انگوٹھوں کے ناخن چومنا، آنکھوں پر رکھنا کسی حدیث صحیح مرفوع سے ثابت نہیں، جو کچھ اس میں روایات کیا جاتا ہے کلام سے خالی نہیں، پس جو اس کے لیے ایسا ثبوت مانے، یا اس کو مسنون و مؤکد جانے یا نفس ترک کو باعثِ زجر و ملامت کہے، وہ بے شک غلطی پر ہے۔“

(ایضاً المقال، ص: ۱۲)

### (۱۴) نمازوں کے بعد مصافحہ کرنا

ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا سنت ہے، احادیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے؛ مگر فجر، عصر، جمعہ، اور عیدین کی نمازوں کے بعد جو مصافحہ کیا جاتا ہے، اور اس کو سنت سمجھا جاتا ہے، وہ بدعتِ مذمومہ ہے، شامی میں ہے:

تُكْرَهُ الْمُصَافِحَةُ بَعْدَ آدَاءِ الصَّلَاةِ بِكُلِّ حَالٍ ، لِأَنَّ الصَّحَابَةَ رَضِيَ

اللَّهُ عَنْهُمْ مَا صَافَحُوا بَعْدَ أَذَاءِ الصَّلَاةِ ، لِأَنَّهَا مِنْ سُنَنِ الرِّوَاغِضِ اهـ ،  
 ثُمَّ نُقِلَ عَنِ ابْنِ حَجَرٍ مِنَ الشَّافِعِيَّةِ أَنَّهَا بَدْعَةٌ مَكْرُوهَةٌ لَا أَصْلَ لَهَا فِي  
 الشَّرْعِ ، وَأَنَّهُ يُنَبِّهُ فَاعِلُهَا أَوْلًا وَيُعَزِّرُ ثَانِيًا ، ثُمَّ قَالَ : وَقَالَ ابْنُ الْحَاجِّ  
 مِنَ الْمَالِكِيَّةِ فِي الْمَدْخَلِ أَنَّهَا مِنَ الْبِدْعِ ، وَمَوْضِعُ الْمُصَافِحَةِ فِي  
 الشَّرْعِ : إِنَّمَا هُوَ عِنْدَ لِقَاءِ الْمُسْلِمِ لِأَخِيهِ ، لَا فِي أَدْبَارِ الصَّلَاةِ ، فَحَيْثُ  
 وَضَعَهَا الشَّرْعُ يَضَعُهَا ، فَيُنْهَى عَنْ ذَلِكَ وَيُزَجَرُ فَاعِلُهَا لِمَا أَتَى بِهِ مِنْ  
 خِلَافِ السُّنَّةِ . (شامی، ۲۳۳/۵، کتاب الحظر والإباحة باب الاستبراء)

ترجمہ: نماز پڑھنے کے بعد ہر حال میں مصافحہ کرنا مکروہ ہے؛ کیوں کہ صحابہ کرام  
 رضی اللہ عنہم نماز پڑھنے کے بعد مصافحہ نہیں کیا کرتے تھے، اور اس لیے بھی مکروہ ہے کہ یہ  
 روافض کا شیوہ ہے۔ اور علامہ ابن حجر شافعیؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ نماز کے بعد مصافحہ کرنا  
 مکروہ بدعت ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں، اور ابن حجرؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ نماز  
 کے بعد مصافحہ کرنے والے کو اولاً تنبیہ کی جائے گی، اور ثانیاً اس کو سزا دی جائے گی، اور  
 ابن الحاج مالکیؒ نے مدخل میں فرمایا ہے کہ نماز کے بعد مصافحہ کرنا بدعت ہے اور شریعت  
 میں مصافحہ کرنے کا محل صرف مسلمان کا اپنے مسلمان بھائی سے ملاقات کا وقت ہے،  
 نمازوں کے بعد نہیں، پس جہاں شریعت نے مصافحہ رکھا ہے وہیں مصافحہ کرے، اور نماز  
 کے بعد مصافحہ کرنے سے روکا جائے گا اور زجر و توبیخ کی جائے گی؛ کیوں کہ وہ سنت کے  
 خلاف کام کر رہا ہے۔

نیز شامی جلد اول میں ہے:

وَقَدْ صَرَّحَ بَعْضُ عُلَمَائِنَا وَغَيْرُهُمْ بِكَرَاهَةِ الْمُصَافِحَةِ الْمُعْتَادَةِ  
 عَقِبَ الصَّلَاةِ مَعَ أَنَّ الْمُصَافِحَةَ سُنَّةٌ ، وَمَا ذَاكَ إِلَّا لِكَوْنِهَا لَمْ تُؤْتَرُ  
 فِي خُصُوصٍ هَذَا الْمَوْضِعِ ، فَالْمُؤَاطَبَةُ عَلَيْهَا فِيهِ تُوهِمُ الْعَوَامَ بِأَنَّهَا  
 سُنَّةٌ فِيهِ . (رد المحتار، ۱/۶۰۰)

ترجمہ: ہمارے بعض علماء اور دیگر حضرات نے تصریح فرمائی ہے کہ نمازوں کے بعد  
 مروجہ مصافحہ مکروہ ہے، باوجودیکہ اصل مصافحہ سنت ہے، اور اس کی وجہ یہی ہے کہ

بالخصوص اس موقع پر مصافحہ کرنا منقول نہیں ہے، پس اس پر مداومت کرنے میں عوام کو غلط فہمی ہوگی کہ اس وقت بھی مصافحہ کرنا سنت ہے۔

اور حضرت ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکاۃ میں ارقام فرماتے ہیں کہ ”مشرع مصافحہ کا محل اول ملاقات ہے اور بعض لوگ مصافحہ کیے بغیر ایک دوسرے سے ملتے ہیں، اور کافی دیر تک ایک ساتھ بیٹھ کر گفتگو کرتے ہیں، اور علم وغیرہ کا مذاکرہ کرتے ہیں، پھر جب نماز سے فارغ ہوتے ہیں تو مصافحہ کرتے ہیں، اس کا مسنون مصافحہ سے کیا تعلق؟ اس لیے ہمارے بعض علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اس وقت مصافحہ کرنا مکروہ ہے اور مذموم بدعتوں میں سے ہے۔ ہاں! اگر کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت میں پہنچا کہ لوگ نماز میں تھے، یا نماز شروع کرنے والے تھے، تو نماز کے بعد ان سے مصافحہ کرنا مسنون مصافحہ کے قبیل سے ہے (بہر حال مسئلہ یہی ہے) لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شخص مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائے تو اپنا ہاتھ کھینچ کر ایسی شکل پیدا نہیں کرنی چاہیے کہ اس کو رنج و تکلیف اور شکایت ہو۔“

(مرقاۃ، ۷۴/۹، باب المصافحة والمعانقة)

## (۱۵) نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا

بعض مساجد میں لوگ نمازوں کے بعد خصوصاً فجر اور عشاء کی نماز کے بعد سر میں سر ملا کر اونچی آواز سے کلمہ شریف یا دُرود شریف پڑھتے ہیں، اور اس کو دین کا اہم شعار سمجھتے ہیں، جو ایسا نہ کرے وہ ان کے خیال میں ”وہابی“ ہے؛ حالانکہ یہ سنت نبوی اور مطلوب شرعی کے سراسر خلاف اور بدعتِ شنیعہ ہے۔ فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

رَفَعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ حَرَامٌ، وَقَدْ صَحَّ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ قَوْمًا اجْتَمَعُوا فِي مَسْجِدٍ يَهْلَلُونَ وَيُصَلُّونَ عَلَيْهِ الصَّلَاةَ وَالسَّلَامَ جَهْرًا، فَرَأَى إِلَيْهِمْ فَقَالَ: مَا عَهْدْنَا ذَلِكَ عَلَى عَهْدِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَلَا أَرَأَيْكُمْ إِلَّا مُبْتَدِعِينَ، فَمَا زَالَ يَذْكُرُ ذَلِكَ

حَتَّىٰ أَخْرَجَهُمْ مِنَ الْمَسْجِدِ.

(بزازیہ حاشیہ بر فتاویٰ عالمگیری، ۶/۳۷۸)

ترجمہ: بلند آواز سے ذکرنا حرام ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ منقول ہے کہ آپ نے سنا کہ کچھ لوگ مسجد میں جمع ہو کر بلند آواز سے کلمہ طیبہ اور دُرود شریف پڑھتے ہیں، آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ چیز نہیں دیکھی، میں تمہیں بدعتی ہی خیال کرتا ہوں، آپ بار بار یہی بات کہتے رہے؛ یہاں تک کہ ان کو مسجد سے نکال دیا۔

اور امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

وَنَقَلَ ابْنُ بَطَالٍ وَ آخَرُونَ أَنَّ أَصْحَابَ الْمَذَاهِبِ الْمَتَّبِعَةِ وَ غَيْرِهِمْ مُتَّفِقُونَ عَلَى عَدَمِ اسْتِجَابِ رَفْعِ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ وَ التَّكْبِيرِ. (شرح مسلم شریف، ۱/۲۱۷)

ترجمہ: ابن بطلال اور دیگر علماء نے یہ بات نقل کی ہے کہ مذاہب اربعہ کے اصحاب اور دیگر حضرات سب اس بات پر متفق ہیں کہ بلند آواز سے ذکر کرنا اور تکبیر کہنا مستحب نہیں ہے۔

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ نہ صرف احناف؛ بلکہ تمام مقلدین کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے، ہاں ابن حزم ظاہری جو غیر مقلدین کے امام اور پیشوا ہیں، وہ نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنے کو مستحب کہتے ہیں۔ (دیکھئے شرح مسلم، ۱/۲۱۷)

## (۱۶) نوافل کے بعد اجتماعی دعا کرنا

بعض مساجد میں یہ رواج ہے کہ لوگ سنن و نوافل سے فارغ ہو کر دعاء ثانی کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں، جب سنن و نوافل سب سے فارغ ہو جاتے ہیں تو امام دعا کرتا ہے، اور لوگ اس پر آمین کہتے ہیں — لوگوں کا یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرامؓ کے طریقہ کے خلاف ہے، عام طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سنن و

نوافل مسجد میں نہیں پڑھتے تھے، بلکہ گھر جا کر سنن و نوافل ادا فرماتے تھے، حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى مَسْجِدَ بَنِي عَبْدِ الْأَشْهَلِ فِيهِ الْمَغْرِبَ ، فَلَمَّا قَضَوْا صَلَوَاتِهِمْ رَأَوْهُمْ يُسَبِّحُونَ بَعْدَهَا ، فَقَالَ : هَذِهِ صَلَاةُ النَّبِيِّ ، رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ ، وَفِي رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ وَالنَّسَائِيِّ قَامَ نَاسٌ يَتَّقِلُونَ ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِهَذِهِ الصَّلَاةِ فِي النَّبِيِّ . (مشكاة ص: ۱۰۵، باب السنن)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنو عبد الاشہل کی مسجد میں آئے اور اس میں مغرب کی نماز پڑھی، جب لوگ فرض نماز ادا کر چکے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرض نماز کے بعد سنن و نوافل پڑھتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ اس نماز کو گھروں میں پڑھنے کا التزام کرو! اور عطاء تابعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب مکہ مکرمہ میں جمعہ کی نماز پڑھتے تو اپنی جگہ سے آگے بڑھ کر دو رکعت پڑھتے، پھر اور آگے بڑھ کر چار رکعت ادا فرماتے۔ اور جب مدینہ منورہ میں جمعہ کی نماز پڑھتے تو اپنے گھر تشریف لے جاتے اور گھر جا کر پہلے دو رکعت پھر چار رکعت پڑھتے، حضرت ابن عمرؓ سے دریافت کیا گیا (کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟) تو انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کیا کرتے تھے (حوالہ سابقہ)

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ سنن و نوافل گھروں میں ادا کرتے تھے، مسجد میں نہیں پڑھتے تھے، ظاہر ہے کہ اس صورت میں سنن و نوافل کے بعد اجتماعی دعا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا؛ کیوں کہ گھروں میں سنن و نوافل پڑھ کر مسجد میں واپس آنا کسی روایت سے ثابت نہیں ہے۔

اور کبھی کسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ مسجد میں سنن و نوافل ادا فرماتے تھے، تب بھی صحابہ کرامؓ اپنی نمازیں پڑھ کر منتشر ہو جاتے تھے، دعائے ثانی کے انتظار میں بیٹھے نہیں رہتے تھے، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:



كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطِيلُ الْقِرَاءَةَ فِي الرُّكْعَتَيْنِ  
بَعْدَ الْمَغْرِبِ ، حَتَّى يَتَفَرَّقَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ .

(ابوداؤد، ۱/۱۸۴، باب رکعتی المغرب)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ مغرب کے بعد دو رکعت میں اتنی لمبی قراءت کرتے تھے  
کہ اہل مسجد منتشر ہو جاتے تھے۔

اور حضور اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں  
آنحضرت ﷺ کے گھر رہا، تو آپ ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھی، پھر عشاء کے بعد نماز  
پڑھتے رہے، یہاں تک کہ مسجد میں آپ ﷺ کے سوا کوئی نہ رہا۔

(شرح معانی الآثار، ۱/۲۰۱، باب التطوع في المسجد)

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ سنن و نوافل کے بعد دعاء ثانی کے لیے بیٹھے رہنا، اور  
سنن و نوافل سے فارغ ہونے کے بعد اجتماعی دعا کرنا، آنحضرت ﷺ کی سنت اور  
صحابہ کرامؓ کے عمل سے ثابت نہیں ہے، اور جو کام سنت سے ثابت نہ ہو، اس کا التزام  
اور اس کو ضروری سمجھنا بدعتِ ضلالہ ہے؛ اس لیے سنن و نوافل کے بعد اجتماعی دعا اور سابقہ  
تمام بدعات سے اجتناب کرنا چاہیے، شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید ❁ کہ ہرگز بہ منزل نخواہد رسید  
مپندار سعدی کہ راہِ صفا ❁ تو اوں رفت مجز بر پئے مصطفیٰ  
ترجمہ: جس نے پیغمبر خدا ﷺ کے خلاف راہ اختیار کی، وہ ہرگز منزل مقصود کو نہیں  
پہنچے گا، سعدی! یہ خیال مت کرو کہ سیدھی راہ حضرت محمد ﷺ کے نقش قدم کی پیروی کیے  
بغیر حاصل ہو سکتی ہے۔ (بوستان)

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کی سنت اور صحابہ کرامؓ کے طریقہ پر چلنے  
کی توفیق عطا فرمائے! آمین يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ ، وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيمِ .

تَمَّتْ بِالْخَيْرِ

# چھٹا محاضرہ

(عباراتِ اکابر)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفَىٰ، اَمَّا بَعْدُ:  
 امام اعظم ابوحنیفہؒ کے حاسدین نے امام صاحب کو بدنام کرنے کے لیے جس طرح  
 ان کی بعض عبارتوں کو غلط معنی پہنا کر ان پر مروجہ ہونے کا الزام لگایا تھا، اسی طرح مولوی  
 احمد رضا خاں بریلوی اور ان کے متبعین حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ اور اکابر دارالعلوم  
 دیوبند کو بدنام کرنے کے لیے ان کی بعض عبارتوں کو غلط معنی پہنا کر ان پر کفر کا فتویٰ لگاتے  
 ہیں اور لوگوں کو یہ باور کرانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں کہ علمائے دیوبند — نعوذ باللہ —  
 اللہ جل شانہ کو جھوٹا کہتے ہیں، اور سید المرسلین، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور دیگر  
 انبیاء و اولیاء کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں۔ اور حضور اکرم ﷺ کے خاتم زمانی  
 ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

حالانکہ اکابر کی طرف رضا خانی جن کفریہ عقائد کی نسبت کرتے ہیں، وہ ان اکابر  
 کے نزدیک بھی کفر ہیں۔ اور اکابر کی جن عبارتوں سے رضا خانی کفریہ عقائد منزع کرتے  
 ہیں، ان کا صحیح مطلب بار بار بیان کیا جا چکا ہے؛ لیکن اس کے باوجود آج بھی رضا خانی ان  
 کفریہ عقائد کی نسبت اکابر کی طرف کرتے رہتے ہیں، اور ان کی عبارتوں کا غلط مطلب  
 بیان کر کے لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں؛ اس لیے اس محاضرہ میں حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ

اور اکابر دارالعلوم دیوبند کی ان عبارتوں کا صحیح مطلب پیش کیا جاتا ہے؛ تاکہ آپ جان لیں کہ حضرت شاہ شہیدؒ اور اکابر دارالعلوم کی طرف رضا خانی جن کفریہ عقائد کی نسبت کرتے ہیں، ان سے ان کا دامن بالکل پاک ہے۔

### حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ پر بہتان

آپ کا اسم گرامی اسماعیل ہے، آپ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب (متوفی ۱۲۲۷ھ) کے بیٹے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ) کے پوتے ہیں، آپ ۱۲/ربیع الثانی ۱۱۹۳ھ کو دہلی میں پیدا ہوئے اور ۲۳/ذی قعدہ ۱۲۲۶ھ مطابق ۱۸۳۱ء بہ وقت ظہر بالا کوٹ کے مقام پر سکھوں سے جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے، بالا کوٹ کے عقب میں ایک پہاڑی نالے کے قریب بلند ٹیلے پر آپ کی قبر ہے۔

### پہلا بہتان

حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ پر ایک بہتان یہ لگا یا گیا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کا مرتبہ صرف بڑے بھائی جتنا تسلیم کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ جتنی تعظیم و تکریم اپنے بڑے بھائی کی کرنی چاہیے اتنی ہی آنحضرت ﷺ کی کرنی چاہیے، اس میں آنحضرت ﷺ کی توہین ہے۔

خال صاحب بریلوی اعلامُ الأعلام بان ہندوستان دارالاسلام میں چند فرقوں کے نظریات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس کی خباثت قلبی تو ہیں شانِ رفیع المکان واجب الاعظام حضور سید الانام علیہ افضل الصلاۃ والسلام پر باعث ہو کہ حضور کو اپنا بھائی بتائے“ (ص: ۱۸) آخر میں لکھتے ہیں کہ ”یہ سب فرقے بالقطع والیقین کافر مطلق ہیں“۔ (ص: ۲۰)

### جواب

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی شرک و بدعت کی تردید میں ایک معرکہ الآراء کتاب

”تقویۃ الایمان“ ہے جو اردو میں ہے اور نہایت آسان ہے، اسی کتاب کی ایک عبارت سے رضا خانی یہ کفریہ مضمون نکال کر حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کی طرف منسوب کرتے ہیں؛ اس لیے پہلے تقویۃ الایمان کی پوری عبارت بعینہ ذیل میں نقل کی جاتی ہے:

أَخْرَجَ أَحْمَدُ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي نَفَرٍ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ، فَجَاءَ بَعِيرٌ فَسَجَدَ لَهُ، فَقَالَ: أَصْحَابُهُ، يَا رَسُولَ اللَّهِ! تَسْجُدُ لَكَ الْبَهَائِمُ وَالشَّجَرُ فَتَحْنُ أَحَقُّ أَنْ نَسْجُدَ لَكَ، فَقَالَ: اعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَاتَّقُوا أَسْوَاقَكُمْ.

(مشكاة شريف، ص: ۲۸۳، باب عشرة النساء، فصل ثالث)

ترجمہ: مشكاة شريف کے باب عشرة النساء میں لکھا ہے کہ امام احمد نے ذکر کیا کہ بی بی عائشہ نے ذکر کیا کہ پیغمبر خدا ﷺ مہاجرین اور انصار میں بیٹھے تھے کہ آیا ایک اونٹ پھر اس نے سجدہ کیا پیغمبر خدا ﷺ کو، سوان کے اصحاب کہنے لگے کہ اے پیغمبر خدا! تم کو سجدہ کرتے ہیں جانور اور درخت سو ہم کو ضرور چاہیے کہ تم کو سجدہ کریں، سو فرمایا کہ بندگی کرو اپنے رب کی اور تعظیم کرو اپنے بھائی کی۔

فائدہ: یعنی انسان سب آپس میں بھائی ہیں، جو بڑا بزرگ ہے وہ بڑا بھائی ہے، سو اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجیے اور مالک سب کا اللہ ہے، بندگی اس کو چاہیے — اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولیاء و انبیاء، امام و امام زادہ، پیر و شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی؛ مگر ان کو اللہ نے بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے، ہم کو ان کی فرمانبرداری کا حکم ہے، ہم ان کے چھوٹے ہیں، سوان کی تعظیم انسانوں کی سی کرنی چاہیے نہ خدا کی سی۔

(تقویۃ الایمان، ص: ۲۸-۲۹، ارشاد کمپنی دیوبند)

اس عبارت میں شاہ اسماعیل شہیدؒ نے حضور اکرم ﷺ کو بھائی نہیں کہا؛ بلکہ خود آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: اتَّقُوا أَسْوَاقَكُمْ: (اپنے بھائی کی تعظیم کرو) شاہ صاحب آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ تمام

انسان نفسِ انسانیت و بشریت میں چونکہ شریک ہیں؛ اس لیے تمام انسان آپس میں بھائی ہیں، اور جو انسانوں میں بڑا بزرگ ہے، وہ انسانی ناطے اور بشری اخوت کے اعتبار سے بڑا بھائی ہے؛ اس لیے اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کرنی چاہیے یعنی بڑے سے بڑے انسان کی بھی ایسی تعظیم کرنی چاہیے جو انسانی تعظیم کے دائرہ میں ہو۔ اس کی ایسی تعظیم نہیں کرنی چاہیے جو خدائی تعظیم کے مشابہ ہو۔

نیز ہر گفتگو کا ایک موقع اور محل ہوتا ہے، یہاں حضور اکرم ﷺ کے مراتب و فضائل بیان کرنا مقصود نہیں ہے؛ بلکہ حضور اکرم ﷺ کی ایسی تعظیم و تکریم سے لوگوں کو روکنا مقصود ہے جو انسانی تعظیم کے دائرہ سے بالاتر ہو؛ اس لیے یہاں شاہ صاحب نے حضور اکرم ﷺ کے مراتب و فضائل کو ذکر نہیں کیا؛ بلکہ پورا زور اس بات پر دیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ایسی تعظیم نہیں کرنی چاہیے جو خدا کی تعظیم کے مشابہ ہو؛ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ شاہ صاحب حضور اکرم ﷺ کے تمام مراتب و فضائل کا انکار کرتے ہیں، اور آپ ﷺ کا مرتبہ صرف بڑے بھائی جتنا تسلیم کرتے ہیں بلکہ آپ کا عقیدہ اس سلسلہ میں وہی ہے جو تمام اہل سنت و الجماعت کا ہے؛ چنانچہ آپ تقویۃ الایمان کے صفحہ ۵۲ پر ارقام فرماتے ہیں:

”سو اسی طرح سے ہمارے پیغمبر ﷺ سارے جہاں کے سردار ہیں کہ اللہ کے نزدیک ان کا رتبہ سب سے بڑا ہے۔“

اس تصریح کے بعد بھی یہ کہنا کہ شاہ اسماعیل شہیدؒ حضور اکرم ﷺ کا مرتبہ صرف بڑے بھائی جتنا تسلیم کرتے ہیں، سراسر بہتان اور صریح ظلم نہیں تو کیا ہے؟

## دوسرا بہتان

خان صاحب بریلوی اور ان کے متبعین حضرت شاہ اسماعیل صاحب شہیدؒ پر دوسرا اعتراض یہ کرتے ہیں کہ شاہ صاحب نے ”تقویۃ الایمان“ میں آنحضرت ﷺ کی شان میں یہ گستاخی کی ہے کہ آپ وفات پانے کے بعد قبر میں مٹی ہو گئے ہیں؛ حالانکہ خود

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیائے کرام کے اجساد کو کھائے، اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلٰی الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ (حدیث) خاں صاحب بریلوی الکوکبة الشہابیة میں لکھتے ہیں کہ ”تقویۃ الایمان، صفحہ: ۶۰ پر حدیث تو یہ لکھی: اَرَأَيْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِیْ اَکُنْتَ تَسْجُدُ لَهُ خُودِہِیْ اِسْ کَا تَرْجَمَہِ یُؤْ کَمَا کہ بھلا خیال تو کر جو تو گذرے میری قبر پر کیا سجدہ کرے تو اس کو؟ — آگے گستاخی کی رگ اُچھلی جھٹ آفت کی (ف) فائدہ لکھ کر یہ جڑ دیا: یعنی میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں — اس کے حامی اس کے پیرو ایمان سے بتائیں، یہ حدیث کے کس لفظ کا مطلب ہے، کہاں تو وہ لفظ حدیث کہ اگر تو میری قبر پر گذرے، کہاں یہ فائدہ خبیث کہ مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں کیوں یہ کیسا کھلا ہوا افتراء ہے محمد رسول اللہ ﷺ پر — ہمارے نبی ﷺ فرماتے ہیں: اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلٰی الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ“ (الکوکبة الشہابیة، ص: ۲۷)

پھر آگے اسی صفحہ میں لکھتے ہیں: وہابی صاحبو! تمہارے پیشوانے ہمارے نبی ﷺ کی جناب میں کیسی صریح گستاخی کی!!

## جواب

پہلے ”تقویۃ الایمان“ کی پوری عبارت دیکھئے:

اَخْرَجَ اَبُو دَاوُدَ عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: اَتَيْتُ الْحَيْرَةَ ، فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُونَ لِمَرْزُبَانَ لَهُمْ ، فَقُلْتُ: لِمَ تَسْجُدُونَ لِلَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَقُّ أَنْ يُسْجَدَ لَهُ، فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: إِنِّي أَتَيْتُ الْحَيْرَةَ فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُونَ لِمَرْزُبَانَ لَهُمْ فَأَنْتَ أَحَقُّ أَنْ تَسْجُدَ لَكَ، فَقَالَ لِي: اَرَأَيْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِیْ اَکُنْتَ تَسْجُدُ لَهُ فَقُلْتُ: لَا، فَقَالَ: لَا تَفْعَلُوا. (مشکاة شریف، ص: ۲۸۲، باب عشرة النساء، فصل ثالث)

ترجمہ: مشکاة کے باب عشرة النساء میں لکھا ہے کہ ابوداؤد نے ذکر کیا کہ قیس بن

سعد بن ابی وقاصؓ نے نقل کیا کہ گیا میں ایک شہر میں جس کا نام ”حیرہ“ ہے، سو دیکھا میں نے وہاں کے لوگوں کو کہ سجدہ کرتے تھے اپنے راجہ کو، سو کہا میں نے: البتہ پیغمبرِ خدا ﷺ زیادہ لائق ہیں کہ سجدہ کیجیے ان کو، پھر آیا میں پیغمبرِ خدا ﷺ کے پاس، پھر کہا میں نے کہ گیا تھا میں ”حیرہ“ میں، سو دیکھا میں نے ان لوگوں کو کہ سجدہ کرتے ہیں اپنے راجہ کو، سو تم بہت لائق ہو کہ سجدہ کریں، ہم تم کو، تو فرمایا مجھ کو بھلا خیال تو کر جو تو گذرے میری قبر پر کیا سجدہ کرے تو اس کو؟ کہا میں نے نہیں، فرمایا: تو مت کرو۔

فائدہ: یعنی میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں تو کب سجدہ کے لائق ہوں، سجدہ تو اسی پاک ذات کو ہے کہ نہ مرے کبھی — اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ نہ کسی زندہ کو کیجیے نہ کسی مردہ کو، نہ کسی قبر کو کیجیے، نہ کسی تھان کو؛ کیوں کہ جو زندہ ہے سو ایک دن مرنے والا ہے اور جو مر گیا سو کبھی زندہ تھا، اور بشریت کی قید میں گرفتار، پھر مر کر خدا نہیں بن گیا ہے، بندہ ہی بندہ ہے۔ (تقویۃ الایمان، ص: ۴۹-۵۰، راشد کمپنی دیوبند)

رضا خانیوں کے مذکورہ بالا اعتراض کا مدار شاہ صاحب کے اس جملہ پر ہے کہ ”میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں“؛ حالانکہ اس جملہ کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کا جسم اطہر بھی مٹی ہو جائے گا، جس طرح اکثر مردوں کا جسم مٹی ہو جاتا ہے؛ بلکہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ بھی وفات کے بعد مٹی میں مدفون ہونے والے ہیں، اور آپ کا جسم اطہر قبر کی مٹی سے متصل اور ملنے والا ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ وفات کے بعد زیر زمین روضۂ اقدس میں آرام فرما ہیں، صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قُدَسَ سِرُّہُ سے کسی نے ”تقویۃ الایمان“ کی مذکورہ بالا عبارت کے بارے میں استفسار کیا تھا تو حضرت نے درج ذیل جواب ارقام فرمایا ہے:

## الجواب

الجواب: مٹی میں ملنے کے دو (۲) معنی ہیں: ایک یہ کہ مٹی ہو کر زمین کے ساتھ خلط ہو جائے، جیسا کہ سب اشیاء زمین میں پڑ کر خاک ہو کر زمین بن جاتی ہیں۔ دوسرے: مٹی سے ملاقی و متصل ہو جانا، یعنی مٹی سے مل جانا، تو یہاں مراد دوسرے معنی ہیں، اور جسدِ انبیاء علیہم السلام کے خاک نہ ہونے کے مولانا مرحوم بھی قائل ہیں، چونکہ مُردے کو چاروں طرف سے مٹی احاطہ کر لیتی ہے اور نیچے مُردے کے مٹی سے جسدِ مع کفن مملوٰ حق ہوتا ہے، یہ مٹی میں ملنا اور مٹی سے ملنا کہلاتا ہے، کچھ اعتراض نہیں، فقط واللہ اعلم، رشید احمد عفی عنہ۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۱۱۲، مطبوعہ: جسیم بک ڈپو، دہلی)

## تیسرا بہتان

رضا خانیوں نے شاہ صاحب پر تیسرا صریح بہتان یہ باندھا ہے کہ شاہ صاحب نے تقویۃ الایمان میں حضراتِ انبیائے کرام اور اولیائے عظام کو ”چوہڑے، چھار“ کہا ہے، اس میں انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی کھلی توہین ہے، خان صاحب بریلوی الکو کبۃ الشہابیۃ میں لکھتے ہیں:

”تقویۃ الایمان، پہلی فصل میں اس دعوے کا کہ انبیاء و اولیاء کو پکارنا شرک ہے، ثبوت سنئے! صفحہ: ۱۹، ہمارا جب خالق اللہ ہے، اور اس نے ہم کو پیدا کیا، تو ہم کو بھی چاہیے کہ اپنے تمام کاموں پر اسی کو پکاریں، اور کسی سے ہم کو کیا کام؟ جیسے جو کوئی ایک بادشاہ کا غلام ہو چکا تو وہ اپنے ہر کام کا علاقہ اسی سے رکھتا ہے، دوسرے بادشاہ سے بھی نہیں رکھتا، اور کسی چوہڑے چھار کا تو ذکر کیا ہے!؟“

مسلمانو! ایمان سے کہنا حضراتِ انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نسبت ایسے ناپاک ملعون الفاظ کسی ایسے کی زبان سے نکل سکتے ہیں، جس کے دل میں رائی برابر ایمان ہو!“ (ص: ۲۹)



## جواب

”تقویۃ الایمان“ کی جس عبارت کی بنا پر یہ بہتان باندھا گیا ہے، وہ درجہ ذیل ہے:

أَخْرَجَ الشَّيْخَانُ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَيُّ الدُّنْبِ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ؟ قَالَ: أَنْ تَدْعُوا اللَّهَ نِدًّا وَهُوَ خَلْقَكَ. (مشكاة شریف، ص: ۱۶، باب الکبائر)

ترجمہ: مشكاة کے باب الکبائر میں لکھا ہے کہ بخاری و مسلم نے ذکر کیا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے نقل کیا کہ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! کونسا گناہ بہت بڑا ہے اللہ کے نزدیک؟ فرمایا: یہ کہ پکارے تو کسی کو اللہ کی طرح کا ٹھہرا کر، اور حالانکہ اللہ ہی نے تجھ کو پیدا کیا۔

فائدہ: یعنی جیسے کہ اللہ کو سمجھتے ہیں کہ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اور سب کام اس کے اختیار میں ہیں، سو ہر مشکل کے وقت یہی سمجھ کر اس کو پکارتے ہیں، سو کسی اور کو اس طرح سمجھ کر پکارنا نہ چاہیے کہ یہ سب سے بڑا گناہ ہے، اول تو یہ کہ یہ بات خود غلط ہے کہ کسی کو کچھ حاجت بر لانے کی طاقت ہووے، یا ہر جگہ حاضر و ناظر ہو، دوسرے یہ کہ ہمارا جب خالق اللہ ہے، اور اس نے ہم کو پیدا کیا تو ہم کو بھی چاہیے کہ اپنے تمام کاموں پر اسی کو پکاریں، اور کسی سے ہم کو کیا کام؟ — جیسے جو کوئی ایک بادشاہ کا غلام ہو چکا تو وہ اپنے ہر کام کا علاقہ اسی سے رکھتا ہے، دوسرے بادشاہ سے نہیں رکھتا اور کسی چوہڑے، چمار کا تو ذکر کیا ہے۔ (تقویۃ الایمان، ص: ۱۴، راشد کمپنی، دیوبند)

اس عبارت کو غور سے دیکھئے! پوری عبارت میں کہیں شاہ صاحب نے حضرات انبیاء و اولیاء کا نام نہیں لیا ہے، وہ تو ایک عام بات کہہ رہے ہیں، اور عام الفاظ استعمال کر رہے ہیں کہ ”کسی اور کو اس طرح سمجھ کر پکارنا نہ چاہیے کہ یہ سب سے بڑا گناہ ہے، اور اپنے تمام کاموں پر اسی کو پکاریں، اور کسی سے ہم کو کیا کام؟“ — اور اخیر میں شاہ صاحب نے جو یہ فرمایا ہے کہ ”کسی چوہڑے چمار کا تو ذکر کیا ہے“ اس کا تعلق مُمَثَّلٌ لَّهُ سے نہیں ہے بلکہ مثال سے ہے، اور مثال کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص ایک بادشاہ کا غلام ہو چکا وہ اپنے تمام

کاموں میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہے، اس کے سوا کسی سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، حتیٰ کہ دوسرے بادشاہ سے بھی تعلق نہیں رکھتا، پس کسی چوہڑے چمار سے وہ غلام کیا تعلق رکھے گا۔ اس مثال سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ شاہ صاحب نے معاذ اللہ! حضراتِ انبیاء و اولیاء کو چوہڑے چمار کہا ہے، ”ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ“ کا مصداق ہے۔ اس افتراء کی اصل وجہ یہ ہے کہ رضا خانی انبیائے کرام اور اولیائے عظام کو حاضر و ناظر اور حاجت روا سمجھ کر پکارتے ہیں، اور شاہ صاحب نے اس فائدہ میں اللہ کے سوا کسی ہستی کو حاضر و ناظر اور حاجت روا سمجھ کر پکارنے کو سب سے بڑا گناہ کہا ہے، اور متفق علیہ حدیث کے حوالہ سے شاہ صاحب نے یہ بات لکھی ہے۔ رضا خانی قیامت تک اس کا توڑ نہیں کر سکتے؛ اس لیے انہوں نے پینتر ابدل کر حملہ کیا، اور شاہ صاحب پر یہ الزام لگایا کہ معاذ اللہ! انہوں نے ”تقویۃ الایمان“ میں حضراتِ انبیاء و اولیاء کو چوہڑے چمار کہا ہے؛ تاکہ لوگ شاہ صاحب سے بدظن ہو جائیں، اور ”تقویۃ الایمان“ کو نہ پڑھیں۔

رہا خاں صاحب بریلوی کا یہ خیال کہ شاہ صاحب نے یہ مثال چوں کہ اس دعوے کے ثبوت میں پیش کی ہے کہ انبیاء و اولیاء کو پکارنا شرک ہے؛ اس لیے کسی چوہڑے چمار سے مراد معاذ اللہ! حضراتِ انبیاء و اولیاء ہی ہیں تو یہ بالکل بے بنیاد خیال ہے، اگر اس طرح عموم کو خصوص کے قالب میں ڈھال کر توہینِ انبیاء کو ثابت کرنا درست ہو تو پھر معاذ اللہ! ارشاد خداوندی: ﴿إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا﴾ (بلاشبہ انسان بڑا ظالم اور جاہل تھا) سے بھی توہینِ انبیاء کو ثابت کیا جاسکتا ہے۔

## ایک اہم ضابطہ

یہاں پر یہ ضابطہ یاد رکھنا چاہیے کہ بسا اوقات عموم و اجمال کا حکم اور ہوتا ہے اور خصوص و تفصیل کا حکم دوسرا ہوتا ہے، اجمالی اور عمومی حکم درست ہوتا ہے؛ مگر تفصیلی اور خصوصی حکم حرام اور ناجائز ہوتا ہے؛ چنانچہ علم کلام کی مشہور و معروف کتاب ”مسامرہ“ میں ہے:

وَمَا ذَكَرْنَاهُ مِنْ صِحَّةِ الْإِطْلَاقِ أَجْمَالًا لَا تَفْصِيلًا كَمَا يَصِحُّ  
بِالْإِجْمَاعِ وَالنَّصِّ أَنْ يُقَالَ: اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ، وَلَا يَصِحُّ أَنْ يُقَالَ:  
خَالِقُ الْقَادُورَاتِ وَخَالِقُ الْقِرَدَةِ وَالْخَنَازِيرِ مَعَ كَوْنِهَا مَخْلُوقَةً لَهُ اِتِّفَاقًا  
وَكَذَا يُقَالَ: لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَيْ مَالِكُهُمَا، وَلَا يُقَالَ: لَهُ  
الزَّوْجَاتُ وَالْأَوْلَادُ لِإِيْهَامِهِ إِضَافَةً غَيْرِ الْمَلِكِ إِلَيْهِ.

(مسامرہ، ص: ۱۲۰، مصری)

ترجمہ: جو بات ہم نے ذکر کی کہ اجمالاً یہ کہنا (کہ تمام کائنات اللہ کی مراد ہے) صحیح ہے، لیکن تفصیلاً (یہ کہنا کہ کفر و ظلم اور فسق و فجور اللہ کی مراد ہے) صحیح نہیں ہے، جیسے اجماع امت اور نص قرآنی کی بنا پر یہ کہنا صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے پیدا کرنے والے ہیں، لیکن (تفصیلاً) یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ گندگیوں، بندروں، اور خنزیروں کے پیدا کرنے والے ہیں؛ حالانکہ بالاتفاق یہ چیزیں بھی اسی کی پیدا کردہ ہیں، اور جیسے یہ کہا جاتا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اس کے لیے ہے یعنی وہ ان کا مالک ہے؛ لیکن یہ نہیں کہا جاتا کہ اس کے لیے بیویاں اور اولاد ہے؛ کیوں کہ اس میں غیر ملک (یعنی زوجیت اور ابیت) کی اس کی طرف نسبت کرنے کا وہم پیدا ہوتا ہے۔

الحاصل بسا اوقات اجمال و ابہام کا حکم تفصیل و تفسیر کے حکم سے متفاوت ہوتا ہے؛ اس لیے اجمال کی اپنی طرف سے تفصیل کر کے دوسروں پر حضرات انبیاء و اولیاء کی توہین کا الزام لگانا اور عوام کو ان سے متنفر کرنا سراسر ظلم اور بددیانتی ہے۔

### چوتھا بہتان

اسی سے ملتا جلتا ایک بہتان شاہ اسماعیل شہید پر یہ باندھا گیا ہے کہ شاہ صاحب نے ”تقویۃ الایمان“ میں تمام انبیاء و اولیاء کو چمار سے بھی زیادہ ذلیل کہا ہے، یہ توہین انبیاء کی بدترین مثال ہے، مولوی محمد عمر صاحب ”مقیاس حقیقت“ میں لکھتے ہیں:

”دیوبندی وہابیوں کے نزدیک بقانونِ مذکورہ عین اسلام یہ ہے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اور بڑے چھوٹے کی شرح ”تقویۃ الایمان“ ص: ۶۸ پر اولیاء و انبیاء سے تعبیر کی ہے، اور وہاں بڑے بھائی کا مرتبہ دیا اور یہاں تمام انبیاء و اولیاء کو چہما سے بھی زیادہ ذلیل کہہ دیا، معاذ اللہ ثم معاذ اللہ!“ (مقیاسِ حقیقت، ص: ۲۰۵)

## جواب

شاہ اسماعیل شہیدؒ نے ہرگز یہ نہیں کہا ہے، یہ بہتانِ رضا خانیوں کے گستاخِ تخیل نے گھڑا ہے، تقویۃ الایمان کی عبارت دیکھئے:

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿وَإِذْ قَالَ لُقْمَنُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (سورہ لقمان، آیت: ۱۳)

ترجمہ: اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے (یعنی سورہ لقمان میں) جب کہا: لقمان نے اپنے بیٹے کو، اور وہ نصیحت کرتا تھا اس کو: اے بیٹے میرے! مت شریک بنا اللہ کا بے شک شریک بنانا بڑی بے انصافی ہے۔

فائدہ: یعنی اللہ تعالیٰ نے لقمان کو عقلمندی دی تھی، سو انہوں نے اس سے سمجھا کہ بے انصافی یہی ہے کہ کسی کا حق اور کسی کو پکڑا دینا، اور جس نے اللہ کا حق اس کی مخلوق کو دیا تو بڑے سے بڑے کا حق لے کر ذلیل سے ذلیل کو دے دیا، جیسے بادشاہ کا تاج ایک چہما کے سر پر رکھ دیجیے، اس سے بڑی بے انصافی کیا ہوگی اور یہ یقین جان لینا چاہیے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا، وہ اللہ کی شان کے آگے چہما سے بھی ذلیل ہے۔

(تقویۃ الایمان، ص: ۱۱، راشد کمپنی دیوبند)

اس عبارت سے انبیاء و اولیاء کی تحقیر و توہین ہرگز مقصود نہیں؛ بلکہ شرک کی قباحت و شناعیت کو واضح کرنا ہے، اور خالقِ ارض و سماء کے سامنے ساری مخلوق کی جو حیثیت ہے اس کو اُجاگر کرنا ہے کہ جس طرح بادشاہ کے سامنے چہما بے بس اور مجبور و لاچار ہوتا ہے، اس سے کہیں زیادہ ساری مخلوق اللہ جل شانہ کے سامنے عاجز و بے بس اور مجبور و لاچار ہے؛

کیونکہ بادشاہ اور چہار نفسِ انسانیت میں تو شریک ہیں؛ لیکن خالق اور مخلوق کے درمیان تو کسی بات میں اشتراک نہیں — الغرض شاہ صاحب کسی نبی یا ولی کا نام لیے بغیر ایک عام بات بیان فرما رہے ہیں، اس عموم کو خصوص کے قالب میں ڈھال کر توہینِ انبیاء کو ثابت کرنا رضا خانیوں کے گستاخِ تخیل کا نتیجہ ہے، اگر اسی طرح عموم کو خصوص کے قالب میں ڈھال کر توہینِ انبیاء کو ثابت کرنا درست ہو تو شیخ شہاب الدین سہروردی (متوفی ۶۳۲ھ) کے بارے میں آپ کیا فتویٰ صادر فرمائیں گے، جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کے حوالہ سے یہ بات لکھی ہے:

بَلَفَنَّا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: لَا يَكْمُلُ إِيمَانُ الْمَرْءِ حَتَّى يَكُونَ النَّاسُ عِنْدَهُ كَالْأَبَاعِرِ.

(عوارف المعارف علی هامش إحياء العلوم: ۳۴۲/۴)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ سے ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: آدمی کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا؛ جب تک کہ تمام لوگ اس کے نزدیک میٹگنیوں کی طرح نہ ہو جائیں۔

## پانچواں بہتان

حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ پر پانچواں بہتان رضا خانیوں نے یہ باندھا ہے کہ شاہ صاحب نے ”صراطِ مستقیم“ میں لکھا ہے کہ نماز میں محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف خیال لے جانا ظلمت بالائے ظلمت ہے، کسی فاحشہ رنڈی کے تصور اور اس کے ساتھ زنا کا خیال کرنے سے بھی برا ہے، اپنے نیل یا گدھے کے تصور میں ہمہ تن ڈوب جانے سے بدرجہا بدتر ہے، خاں صاحب بریلوی ”صراطِ مستقیم“ کی فارسی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

مسلمانو! مسلمانو! خدا را ان ناپاک ملعونی شیطانی کلموں کو غور کرو! محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف نماز میں خیال لے جانا ظلمت بالائے ظلمت ہے، کسی فاحشہ رنڈی کے

تصور اور اس کے ساتھ زنا کا خیال کرنے سے بھی برا ہے، اپنے بیل یا گدھے کے تصور میں ہمہ تن ڈوب جانے سے بدرجہا بدتر ہے، ہاں! واقعی رنڈی نے تو دل نہ دکھایا، گدھے نے تو اندرونی صدمہ نہ پہنچایا، نیچا تو محمد رسول اللہ ﷺ نے دکھایا کہ قرآن عظیم میں ﴿وَ خَاتَمَ النَّبِيِّينَ﴾ پڑھ کر تازی نبوتوں کا دربار جلایا، ان کا خیال آنا کیوں نہ قہر ہو، ان کی طرف سے دل میں کیوں نہ زہر ہو، مسلمانو! للہ انصاف! کیا ایسا کلمہ کسی اسلامی زبان سے نکلنے کا ہے، حاشا للہ! (الکوکبة الشہابیة، ص: ۲۹-۳۰)

### تمہیدِ جواب

پہلے تمہید کے طور پر چند باتیں عرض کی جاتی ہیں، بعد میں ”صراطِ مستقیم“ کی عبارت کا مطلب بیان کیا جائے گا، اور مذکورہ بہتان کا جواب دیا جائے گا۔

(۱) ”صراطِ مستقیم“ اصل فارسی میں ہے اور حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تالیف و تصنیف نہیں ہے؛ بلکہ ان کے شیخ حضرت سید احمد شہید صاحب رائے بریلویؒ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، جس کو شاہ اسماعیل شہیدؒ نے مرتب فرمایا ہے؛ اس لیے شاہ صاحب اس کے منصف نہیں؛ بلکہ جامع اور مرتب ہیں، کتاب کے سرورق پر اس کی تصریح موجود ہے۔

(۲) ”صراطِ مستقیم“ میں حضرت سید احمد شہیدؒ کے سارے ملفوظات حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ ہی کے جمع کردہ نہیں ہیں؛ بلکہ ان میں سے کچھ ملفوظات شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے داماد حضرت مولانا عبدالحی صاحب کے جمع کردہ ہیں، ترتیب کے وقت شاہ صاحب نے ان کو کتاب کے دوسرے اور تیسرے باب میں بعینہ درج کر دیا ہے، اصل کتاب میں اس کی تصریح موجود ہے۔

(۳) ”صراطِ مستقیم“ کی جس عبارت کی بنا پر شاہ اسماعیل شہیدؒ پر بے بنیاد الزام لگایا جاتا ہے، وہ باب دوم کی ہے جو فارسی نسخہ کے ص: ۲۳ سے شروع ہو کر ص: ۱۰۲ پر ختم ہوتا ہے۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ باب دوم کی یہ عبارت ان اوراق کی ہو جن کو حضرت مولانا

عبدالحی صاحب نے قلم بند کیا تھا، ایسی صورت میں علی التعمین یقین کے ساتھ اس کو شاہ اسماعیل شہید کی طرف منسوب کرنا اور اس عبارت کو قطعی طور پر ان کے کفریات میں شمار کرنا سراسر ظلم ہے، اگر اس عبارت میں کوئی توہین کی بات ہے تو پہلے حضرت سید احمد شہید صاحب رائے بریلوی کو کافر قرار دینا چاہیے کیوں کہ ملفوظات تو ان کے ہیں، اور اگر جامع ہونے کی وجہ سے کافر قرار دینا ہے تو حضرت مولانا عبدالحی صاحب کے کافر ہونے کا بھی احتمال ہے کہ شاید یہ عبارت ان اوراق کی ہو جو انہوں نے جمع کیے ہیں؛ لیکن عموماً اہل بدعت اس عبارت کی وجہ سے صرف حضرت مولانا اسماعیل شہید کو کافر کہتے ہیں — یہ عجیب ماجرا ہے کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔

(۴) تصوف کے بعض سلسلوں میں سالک کی تربیت کا ایک طریقہ رانج ہے، جس کو ”صرف ہمت“ کہا جاتا ہے، یہ صوفیہ کی خاص اصطلاح ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ سالک کی توجہ کو یکسو کرنے کے لیے یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ وہ مراقبہ میں پوری عظمت و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے شیخ کا تصور کرے، یعنی تمام خیالات سے اپنے دل کو خالی کر کے دل میں شیخ کی صورت کو جمائے اور اسی کا دھیان باندھے گویا وہ حاضر ہے — اور کبھی یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ اسی طرح مراقبہ میں سالک رسول اللہ ﷺ کا تصور کرے، اور اپنے دل کو ہر قسم کے خیالات و خطرات سے خالی کر کے دل میں رسول اللہ کا دھیان باندھے حتیٰ کہ اس وقت دل میں اللہ کا بھی دھیان نہ ہو؛ تاکہ پوری یکسوئی اور دلجمعی حاصل ہو — اس کو صوفیہ کی اصطلاح میں ”شغلِ برزخ“ بھی کہا جاتا ہے اور خود ”صراطِ مستقیم“ میں اس کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے۔

فائدہ: اشغالِ مبتدعہ میں سے ”شغلِ برزخ“ بھی ہے جو کہ اکثر متاخرین میں مشہور ہو گیا ہے ..... اور شغلِ مذکور کی صورت یہ ہے کہ وسوسوں کو دور کرنے اور ارادے جمع ہونے کے لیے پوری تعین اور تشخیص کے ساتھ شیخ کی صورت کو خیال میں حاضر کرتے ہیں، اور خود بہ نہایت ادب اور تعظیم اپنی پوری ہمت سے اس صورت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، گویا بڑے ادب اور تعظیم کے ساتھ شیخ کے سامنے بیٹھے ہیں، اور دل کو اسی

کی طرف متوجہ کر لیتے ہیں۔

(صراطِ مستقیم مترجم، ص: ۱۳۳-۱۳۵، صراطِ مستقیم فارسی، ص: ۱۱۸)

(۵) فارسی محاورے میں متاعِ دنیا کو ”گاؤخر“ سے تعبیر کرتے ہیں، فارسی کا مشہور

شعر ہے:

بر زباں تسبیح و در دل گاؤخر ❁ ایں چنین تسبیح کئے دارد اثر

ترجمہ: زبان پر تسبیح اور دل میں گاؤخر ایسی تسبیح سے کیا فائدہ!؟

ظاہر ہے کہ اس شعر میں ”گاؤخر“ سے صرف گدھا اور بیل مراد نہیں؛ بلکہ تمام وہ چیزیں مراد ہیں جو انسان کو خدا سے غافل کرنے والی ہیں، گاؤخر کے یہ معنی خود ”صراطِ مستقیم“ میں بیان کیے گئے ہیں: گاؤخر تمثیل است ہر چہ سوائے حضورِ حق است، گاؤباشد یاخر، فیل باشد یاختر۔ (صراطِ مستقیم، ص: ۸۵)

جواب

ان تمہیدی باتوں کے بعد جاننا چاہیے کہ ”صراطِ مستقیم“ میں یہ نہیں ہے کہ نماز میں رسولِ اکرم ﷺ کی طرف خیال لے جانا، بیل اور گدھے کے تصور میں ہمہ تن ڈوب جانے سے بدرجہا بدتر ہے — صراطِ مستقیم کی عبارت غور سے پڑھئے:

”آرے بہ مقتضائے ظلمتِ بعضها فوق بعض از وسوسہ زنا خیال مجامعت زوجہ خود بہتر است — و صرف ہمت بسوئے شیخ و امثالِ آں از معظمین گو جناب رسالت مآب باشند بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق در صورتِ گاؤخر خود است کہ خیالِ آں با تعظیم و اجلال بسویدائے دل انسان می چسد، بخلاف خیالِ گاؤخر کہ نہ آں قدر چسپیدگی می بود نہ تعظیم؛ بلکہ مہان و محترمی بود و ایں تعظیم و اجلال غیر کہ در نماز ملحوظ و مقصود می شود بشرک می کشد“۔ (صراطِ مستقیم، ص: ۸۶)

ترجمہ: ہاں بہ مقتضائے ظلمتِ بعضها فوق بعض (اوپر تلے بہت سے اندھیرے ہیں) زنا کے وسوسہ سے اپنی بیوی کی مجامعت کا خیال بہتر ہے — اور شیخ یا اسی جیسے



بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالت مآب ﷺ ہوں، صرف ہمت کرنا اپنے نیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے بدرجہا بدتر ہے؛ کیونکہ شیخ کا خیال تو تعظیم و تکریم کے ساتھ انسان کے دل کی گہرائی میں پیوست ہو جاتا ہے، اور نیل اور گدھے کے خیال کو نہ اس قدر چسپیدگی (تعلق اور لگاؤ) ہوتی ہے اور نہ تعظیم؛ بلکہ وہ خیال حقیر اور ذلیل ہوتا ہے اور غیر اللہ کی یہ تعظیم و تکریم جو نماز میں ملحوظ و مقصود ہوتی ہے، شرک کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے۔

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں اللہ جل شانہ کی طرف سے دھیان کو ہٹا کر کسی اور چیز کی طرف لے جانا برا ہے؛ کیونکہ بیہات نماز میں جو خشوع و خضوع اور توجہ الی اللہ مطلوب ہے اس کے منافی ہے؛ لیکن تمام وساوس اور خیالات کا حکم یکساں نہیں ہے؛ بلکہ بعض وساوس بعض سے زیادہ برے ہیں، مثلاً اپنی بیوی کے ساتھ جماع کا خیال اتنا برا نہیں جتنا زنا کا خیال برا ہے — اسی طرح نماز میں اپنے شیخ یا کسی بزرگ یا رسول اللہ ﷺ کی طرف صرف ہمت کرنا، یعنی اپنے دل کو تمام خیالات حتیٰ کہ توجہ الی اللہ سے بھی قصدِ اخالی کر کے شیخ یا رسول اللہ ﷺ کی طرف ہمت تن متوجہ کرنا اور اسی کو مرکز توجہ بنانا یہ زیادہ برا ہے دنیوی وساوس میں مستغرق ہونے سے؛ کیونکہ دنیوی وساوس قصد و اختیار سے نہیں لائے جاتے بلکہ خود بہ خود آ جاتے ہیں، اور نمازی کو ان سے ایسی دلچسپی نہیں ہوتی جو مفضی الی التعظیم ہو بلکہ ان کی حقارت پیش نظر رہتی ہے؛ اسی لیے جب نمازی کو اس کا خیال آتا ہے تو تمام وساوس کو دل سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور خشوع و خضوع پیدا کر لیتا ہے، برخلاف ”صرف ہمت“ کے کہ اس میں بالقصد اپنی توجہ کا مرکز شیخ یا رسول خدا کو بنایا جاتا ہے اور ان کے تصور کے سوا ہر خیال کو حتیٰ کہ اللہ جل شانہ کے خیال کو بھی دل سے نکال کر شیخ یا رسالت مآب ﷺ کی خیالی صورت کو تعظیم و تکریم کے ساتھ ملحوظ و مقصود بنایا جاتا ہے؛ اس لیے نمازی توجہ الی اللہ سے محروم ہو جاتا ہے، اور اس کی تعظیم و تکریم یعنی قیام، رکوع اور سجدہ وغیرہ سب غیر اللہ کے لیے ہو جاتا ہے، اور ایسی تعظیم و تکریم انسان کو شرک کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے؛ اسی لیے صرف ہمت کو دنیوی وساوس

سے بدرجہا بدتر کہا گیا ہے۔ فَافْهَمُ وَتَدَبَّرْ!

لیکن صرف ہمت اور شغلِ برزخ کے بغیر نماز میں رسول اللہ ﷺ کا خیال آجائے یا التحیات اور دُرود شریف پڑھتے وقت آنحضرت ﷺ کی طرف خیال چلا جائے، اس طرح پر کہ توجہ الی اللہ میں کوئی خلل واقع نہ ہو تو اس کی نماز نہ صرف کامل بلکہ اکمل ہوگی، ”خودصراطِ مستقیم“ میں اس مقام پر تصریح ہے کہ اگر حالتِ نماز میں ملائکہ اور انبیاء و اولیاء کی ارواح کا انکشاف ہو جائے تو وہ قبیح اور مذموم نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کا جلیل القدر انعام ہے، جو اللہ کے مخصوص بندوں کو عطا کیا جاتا ہے ”صراطِ مستقیم“ میں ہے:

”نباید دانست کہ سنوحِ مسائلِ غریبہ و کشفِ ارواح و ملائکہ در نماز قبیح است؛ بلکہ توجیہ ہمت و قصد ایں کار در طوہت و امتزاج ایں مدعا در نیت، مخالفِ خلوصِ مخلصان است، و اما سنوح و کشف مذکورین پس از قبیل خلعتہائے فاخرہ است کہ مخلصان مستغرق حضورِ حق را بسبب وفور عنانہ جہا بآں می نوازند، پس در حق ایشان کمالے است کہ در موطن مثال مجسم گردیدہ، و نماز ایشان عبادتے ست کہ شمرہ اش بمنظر رسیدہ“۔ (صراطِ مستقیم، ص: ۸۵)

ترجمہ: یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ غریب مسائل کا سمجھ میں آجانا اور ارواح و فرشتوں کا کشف نماز میں بُرا ہے؛ بلکہ اپنی ہمت کو اس کی طرف متوجہ کرنا اور دل میں اس کام کا ارادہ کرنا اور نیت میں اس مقصد کو ملا دینا، مخلص لوگوں کے اخلاص کے مخالف ہے، اور خود بخود مسائل کا دل میں آجانا اور ارواح اور فرشتوں کا کشف ان فاخرہ نعمتوں میں سے ہے جو حضورِ حق میں مستغرق حضرات کو نہایت مہربانیوں کی وجہ سے نوازا جاتا ہے، پس یہ ان کے حق میں ایسا کمال ہے جو کہ عالم مثال میں مجسم ہو گیا ہے اور ان کی نماز ایسی عبادت ہے کہ اس کا شمرہ ان کی آنکھوں کے سامنے آ گیا ہے۔

### حضرت نانوتوی قُدسِ سرُّہ پر بہتان

آپ کا اسم گرامی: محمد قاسم، والد بزرگوار کا نام: اسد علی، جد امجد کا نام: غلام شاہ ہے اور تاریخی نام: ”خورشید حسین“ ہے، آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے

ملتا ہے، شعبان یا رمضان ۱۲۲۸ھ میں قصبہ ”نانوتہ“ میں پیدا ہوئے جو دیوبند سے بارہ کوس مغرب میں واقع ہے، ۱۵/ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ڈالی، جو آج ایشیاء کا عظیم ترین دینی ادارہ ہے، ۲/ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۰ھ جمعرات کے دن بعد نماز ظہر انتقال فرمایا، دارالعلوم دیوبند سے متصل ”قبرستان قاسمی“ میں مدفون ہیں۔

### پہلا بہتان

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قُدس سرّہ پر رضا خانیوں نے یہ بہتان باندھا ہے کہ حضرت نانوتویؒ آنحضرت ﷺ کے خاتمِ زمانی ہونے کے منکر ہیں، اور یہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سب سے پچھلے نبی نہیں ہیں، آپ کے بعد بھی دوسرے نبی کا آنا ممکن ہے — حالانکہ آنحضرت ﷺ کا خاتمِ زمانی ہونا ضروریاتِ دین میں سے ہے؛ لہذا جو آنحضرت ﷺ کو سب سے پچھلا نبی نہ جانے وہ مسلمان نہیں، خاں صاحب بریلوی ”حسام الحرمین“ میں لکھتے ہیں:

”اور قاسمیہ، قاسم نانوتویؒ کی طرف منسوب جس کی ”تحدیر الناس“ ہے، اور اس نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے: بلکہ بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو، جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے؛ بلکہ بالفرض اگر بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا، عوام کے خیال میں تو رسول اللہ کا خاتم ہونا باس معنی ہے کہ آپ ﷺ سب میں آخری نبی ہیں؛ مگر اہل فہم پر روشن کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں — حالانکہ فتاویٰ تتمہ اور الاشباہ والنظائر وغیرہما میں تصریح فرمائی کہ اگر محمد ﷺ کو سب سے پچھلا نبی نہ جانے تو مسلمان نہیں؛ اس لیے کہ حضور اقدس ﷺ کا آخر الانبیاء ہونا، سب انبیاء سے زمانہ میں پچھلا ہونا ضروریاتِ دین سے ہے، اور یہ وہی نانوتویؒ ہے جسے محمد علی کانپوری<sup>(۱)</sup> ناظم ندوہ نے ”حکیم امتِ محمدیہ“ کا لقب دیا ہے، پاکی ہے اسے جو دلوں اور آنکھوں کو پلٹ دیتا ہے، وَلَا حَوْلَ وَلَا

(۱) محمد علی کانپوری سے حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ مراد ہیں۔ ۱۲۔

قُوَّةُ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ“ (حسام الحرمین، ص: ۱۳)

## تمہید جواب

جواب سے پہلے چند باتیں تمہید کے طور پر جان لینی چاہئیں؛ تاکہ حضرت نانوتوی قُدس سِرُّہ کی عبارتوں کے سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے:

(۱) سب سے پہلے یہ جاننا چاہیے کہ ”تخذیر الناس“ کا موضوع کیا ہے؟ — تحذیر الناس کا موضوع یہ ہے کہ قرآن کریم میں سورہ طلاق میں ارشاد خداوندی ہے: ﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کی طرح سات زمینیں پیدا فرمائی ہیں، اس ارشاد خداوندی کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک اثر مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کی طرح سات زمینیں پیدا فرمائی ہیں اور ہر زمین میں مخلوق ہے، اور آدم ہیں تمہارے آدم کی طرح، نوح ہیں تمہارے نوح کی طرح، ابراہیم ہیں تمہارے ابراہیم کی طرح، عیسیٰ ہیں تمہارے عیسیٰ کی طرح، اور محمد ہیں تمہارے محمد کی طرح۔ (الدر المنثور: ۶/۲۳۸)

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر ہے، بعض لوگوں نے اس اثر کا یہ خیال کرتے ہوئے انکار کیا ہے کہ اگر اس زمین کے علاوہ دیگر زمینوں میں بھی محمد ہوں گے تو وہ بھی خاتم النبیین ہوں گے جب کہ قرآن کہتا ہے کہ خاتم النبیین صرف حضور اکرم ﷺ ہیں، لہذا یہ روایت غلط ہے، کسی نے اس سلسلہ میں حضرت نانوتوی قُدس سِرُّہ سے سوال کیا، تو حضرت نانوتوی قُدس سِرُّہ نے اس کا جواب ارقام فرمایا، کتاب کا پورا نام فتاویٰ تحذیر الناس من انکار اثر ابن عباس ہے، اس کتاب میں حضرت نانوتوی قُدس سِرُّہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر کو صحیح مان کر نہایت وضاحت کے ساتھ یہ ثابت فرمایا ہے کہ آنحضور ﷺ صرف اس زمین کے انبیاء کے خاتم نہیں ہیں؛ بلکہ تمام زمینوں کے انبیاء کے خاتم ہیں۔

(۲) حضرت نانوتوی قُدس سِرُّہ نے تحذیر الناس میں ختم نبوت کی تین قسمیں بیان

فرمائی ہیں: (۱) ختم نبوت رتبی (۲) ختم نبوت زمانی (۳) اور ختم نبوت مکانی اور دلائل سے ثابت فرمایا ہے کہ آپ ﷺ تینوں اعتبار سے خاتم النبیین ہیں۔

## ختم نبوت رتبی

ختم نبوت رتبی کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ وصف نبوت کے ساتھ بالذات متصف ہیں اور دیگر انبیائے کرام وصف نبوت کے ساتھ بالعرض متصف ہیں، یعنی آپ ﷺ پر نبوت کے کمالات و مراتب تمام ہو گئے ہیں؛ اس لیے آپ ﷺ مراتب کے اعتبار سے خاتم النبیین ہیں۔

## ختم نبوت زمانی

ختم نبوت زمانی کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ تمام انبیائے کرام کے آخر میں تشریف لائے ہیں، آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا؛ اس لیے آپ ﷺ زمانہ کے اعتبار سے بھی خاتم النبیین ہیں۔

## ختم نبوت مکانی

ختم نبوت مکانی کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سات زمینوں میں سے سب سے افضل اور اعلیٰ زمین میں تشریف لائے ہیں، اس کو حضرت نانوتومی نے تفصیل سے سمجھایا ہے؛ اس لیے آپ ﷺ مکان یعنی زمینوں کے اعتبار سے بھی خاتم النبیین ہیں۔

(۳) وصف نبوت کے ساتھ بالذات اور بالعرض متصف ہونے کی وضاحت یہ ہے کہ دنیا میں جتنی چیزیں پائی جاتی ہیں، وہ دو طرح کی ہیں: ایک ذوات، دوسری صفات، جیسے کاغذ کی سفیدی میں سفیدی وصف ہے اور کاغذ ذات ہے، اسی طرح دنیا میں جتنے اوصاف پائے جاتے ہیں وہ بھی دو طرح کے ہیں: بالذات اور بالعرض، مثلاً: جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کی روشنی درودیوار پر پڑتی ہے اور سورج کی طرح درودیوار بھی روشن

ہو جاتے ہیں، مگر درود یوار کی روشنی بالعرض ہے؛ اس لیے سورج کے غروب ہونے پر درود یوار پر تار کی چھا جاتی ہے، اور سورج کی روشنی ذاتی ہے اس لیے سورج ہر وقت چمکتا رہتا ہے۔ — یہی حال تمام اوصاف کا ہے کہ جتنی صفات بالعرض ہوتی ہیں وہ کسی موصوف بالذات پر جا کر منتہی ہوتی ہیں اور موصوف بالذات سے تجاوز نہیں کر سکتیں، جیسے درود یوار کی روشنی سورج کا فیض ہے؛ مگر سورج کی روشنی اس کی ذاتی ہے۔

اب دیکھئے کہ نبوت کسی ذات کا نام نہیں ہے؛ بلکہ نبوت ایک وصف ہے اور نبی ذات مع الوصف کا نام ہے، یعنی نبی وہ شخصیت ہے جو وصف نبوت کے ساتھ متصف ہے، پھر مزید غور کیجئے کہ سارے انبیاء جو تعداد میں ایک لاکھ سے زیادہ ہیں، وہ وصف نبوت کے ساتھ بالذات متصف ہیں یا بالعرض؟ یا بعض بالذات اور بعض بالعرض؟ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ ان میں سے کوئی ایک نبی وصف نبوت کے ساتھ بالذات متصف ہے اور باقی سارے انبیاء وصف نبوت کے ساتھ بالعرض متصف ہیں، یہی مضمون خاتم النبیین میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضور ﷺ کی نبوت تو بالذات ہے اور دیگر انبیائے کرام کی نبوت آپ کی نبوت کا فیض ہے، جہاں جہاں آپ کا فیض پہنچا، وہ وصف نبوت کے ساتھ متصف ہو گئے، یعنی حضور اکرم ﷺ تمام انبیائے کرام کی نبوت کا منبع اور سرچشمہ ہیں، آپ کی نبوت کے طفیل میں سارے انبیاء کی نبوت وجود میں آئی ہے، لہذا تمام انبیاء کی نبوت چاہے وہ رسول ہوں یا نبی ہوں، خاتم النبیین کی نبوت کا فیض ہے۔ — یہی آپ ﷺ کا سب سے بڑا کمال ہے اور عام لوگ جو خاتم النبیین کا مطلب صرف یہ سمجھتے ہیں کہ آپ ﷺ تمام انبیاء کے آخر میں تشریف لائے ہیں اور آپ ﷺ صرف زمانہ کے اعتبار سے خاتم النبیین ہیں، یہ صرف سرسری بات ہے کیوں کہ زمانہ کے اعتبار سے آگے پیچھے ہونا کوئی کمال نہیں ہے، حضرت نانوتومی کتاب کے آغاز میں تحریر فرماتے ہیں:

”عوام کے خیال میں تو رسول اللہ ﷺ کا خاتم ہونا بہ اس معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ ﷺ سب میں آخری نبی ہیں؛ مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔“ (تحذیر الناس، ص: ۳) اور

اسی صفحہ کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں:

”بلکہ بناء خاتمیت اور بات پر ہے جس سے تاخر زمانی اور سد باب مذکور خود بہ خود لازم آجاتا ہے، اور فضیلت نبوی دو بالا ہو جاتی ہے، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہو جاتا ہے، جیسے موصوف بالعرض کا وصف موصوف بالذات سے مکتسب ہوتا ہے، موصوف بالذات کا وصف — جس کا ذاتی ہونا اور غیر مکتسب من الغیر ہونا لفظ بالذات ہی سے مفہوم ہے — کسی غیر سے مکتسب اور مستعار نہیں ہوتا، مثال درکار ہو تو لیجیے زمین و کہسار اور درود یوار کا نور اگر آفتاب کا فیض ہے تو آفتاب کا نور کسی اور کا فیض نہیں“۔ (تحذیر الناس، ص: ۳-۴)

پھر صفحہ: ۴ پر تحریر فرماتے ہیں:

”اطلاق خاتم اس بات کو مقتضی ہے کہ تمام انبیاء کا سلسلہ نبوت آپ ﷺ پر ختم ہوتا ہے، جیسے انبیائے گذشتہ کا وصف نبوت میں حسب تقریر مسطور اس لفظ سے آپ کی طرف محتاج ہونا ثابت ہوتا ہے اور آپ ﷺ کا اس وصف میں کسی کی طرف محتاج نہ ہونا، اس میں انبیائے گذشتہ ہوں یا کوئی اور، اسی طرح اگر فرض کیجیے آپ کے زمانہ میں بھی اس زمین میں یا کسی اور زمین یا آسمان میں کوئی نبی ہو تو وہ بھی اس وصف نبوت میں آپ ہی کا محتاج ہوگا، اور اس کا سلسلہ نبوت بہر طور آپ پر منقطع ہوگا، اور کیوں نہ ہو عمل کا سلسلہ علم پر ختم ہوتا ہے، جب علم ممکن للبشر ہی ختم ہو لیا تو پھر سلسلہ علم و عمل کیا چلے! غرض اختتام اگر بایں معنی تجویز کیا جائے جو میں نے عرض کیا تو آپ کا خاتم ہونا انبیائے گذشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا؛ بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔ (تحذیر الناس، ص: ۱۴)

اس کے بعد صفحہ: ۲۸ پر ارقام فرماتے ہیں:

”اگر خاتمیت بمعنی اتصاف ذاتی بوصف نبوت لیجیے — جیسا کہ اس ہجرت میں نے عرض کیا ہے — تو پھر سوائے رسول اللہ ﷺ اور کسی کو افراد مقصود بالخلق میں سے مماثل نبوی نہیں کہہ سکتے، بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کے افراد خارجی ہی پر آپ کی

افضلیت ثابت نہ ہوگی افراد مقدرہ پر بھی آپ کی افضلیت ثابت ہو جائے گی؛ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا، چہ جائے کہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجیے اسی زمین پر کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔ (تخذیر الناس، ص: ۲۸)

(۴) حضرت نانوتوی قُدَسِ سِرُّہُ نے ”تخذیر الناس“ میں یہ مسئلہ بھی واضح فرمادیا ہے کہ ختم نبوت رُتبی کے لیے ختم نبوت زمانی لازم ہے، کیوں کہ جو ہستی وصف نبوت کے ساتھ بالذات متصف ہے، اگر وہ تمام نبیوں سے پہلے آئے یا ان کے درمیان میں آئے تو محذور لازم آئے گا — اور وہ محذور اور خرابی یہ ہے کہ خاتم النبیین کے بعد جو انبیاء آئیں گے اگر ان کے پاس وحی نہ آئے اور ان کو نئے علوم سے نہ نوازا جائے تو وہ نبی نہیں ہوں گے، اور اگر ان انبیاء متاخرین کے پاس وحی تو آئے؛ مگر اس میں علوم جدیدہ نہ ہوں تو وہ وحی تحصیل حاصل ہوگی، اور اگر ان کے پاس وحی آئے اور ان کو نئی شریعت اور نئے علوم سے نوازا جائے تو موصوف بالذات کی شریعت کا موصوف بالعرض کی شریعت سے منسوخ ہونا لازم آئے گا؛ حالانکہ نسخ کے لیے منسوخ سے افضل ہونا یا منسوخ کے مساوی ہونا ضروری ہے، مفضل؛ افضل کے لیے نسخ نہیں بن سکتا، خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِخْهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلَهَا﴾ (سورہ بقرہ، آیت: ۱۰۶)

ترجمہ: ہم کسی آیت کا حکم جو موقوف کر دیتے ہیں یا اس آیت ہی کو (ذہنوں سے)

فرا موش کر دیتے ہیں، تو ہم اس آیت سے بہتر یا اس آیت ہی کے مثل لے آتے ہیں۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ نسخ ہمیشہ منسوخ سے بہتر یا منسوخ کے مانند ہوتا ہے، پس اگر خاتم النبیین شروع میں تشریف لائیں یا درمیان میں آجائیں تو بعد میں آنے والے نبیوں کی شریعت ان کی شریعت کو منسوخ کر دے گی اور یہ بات ناممکن ہے؛ اسی لیے حضرت نے فرمایا ہے کہ خاتم النبیین کے لیے سب سے آخر میں آنا ضروری ہے، اور ختم نبوت رُتبی کے لیے تاخر زمانی لازم ہے۔

حضرت نانوتوی قُدَسِ سِرُّہُ تحریر فرماتے ہیں:



”بالجملہ رسول اللہ ﷺ وصف نبوت میں موصوف بالذات ہیں، اور سوا آپ کے اور انبیاء موصوف بالعرض“ اس صورت میں اگر رسول اللہ ﷺ کو اول یا اوسط میں رکھتے تو انبیاء متاخرین کا دین اگر مخالف دین محمدی ہوتا، تو اعلیٰ کا ادنیٰ سے منسوخ ہونا لازم آتا؛ حالانکہ خود فرماتے ہیں: ﴿مَا نُنْسَخُ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلَهَا﴾ اور کیوں نہ ہو! یوں نہ ہو تو اعطائے دین من جملہ رحمت نہ رہے، آثار غضب میں سے ہو جائے، ہاں اگر یہ بات متصور ہوتی کہ اعلیٰ درجہ کے علماء کے علوم ادنیٰ درجہ کے علماء کے علوم سے کمتر اور ادون ہوتے ہیں تو مضائقہ بھی نہ تھا، پر سب جانتے ہیں کہ کسی عالم کا عالی مراتب ہونا علوم مراتب علوم پر موقوف ہے، یہ نہیں تو وہ بھی نہیں۔

اور انبیاء متاخرین کا دین اگر مخالف نہ ہوتا تو یہ بات تو ضرور ہے کہ انبیاء متاخرین پر وحی آتی، اور افاضہ علوم کیا جاتا، ورنہ نبوت کے پھر کیا معنی؟ سو اس صورت میں اگر وہی علوم محمدی ہوتے تو بعد وعدہ محکم ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ کے جو بہ نسبت اس کتاب کے جس کو قرآن کہیے، اور بشہادت آیت ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ جامع العلوم ہے، کیا ضرورت تھی؟ اور اگر علوم انبیاء متاخرین، علوم محمدی کے علاوہ ہوتے تو اس کتاب کا ﴿تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ ہونا غلط ہو جاتا۔

بالجملہ جیسے ایسے نبی جامع العلوم کے لیے ایسی ہی کتاب جامع چاہیے تھی؛ تاکہ علوم مراتب نبوت جو لاجرم علوم مراتب علمی ہے — چنانچہ معروض ہو چکا — میسر آئے، ورنہ یہ علوم مراتب نبوت بیشک ایک قول دروغ اور حکایت غلط ہوتی، ایسے ہی ختم نبوت بمعنی معروض کوتا خرمانی لازم ہے۔ (تحذیر الناس، ص: ۸)

## جواب

ان تمہیدی مقدمات کے بعد خاں صاحب بریلوی کے بہتان کا جواب سنئے! خاں صاحب بریلوی نے ”تحذیر الناس“ کے مختلف صفحات کی عبارتیں آگے پیچھے کر کے پیش کی ہیں، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے، اور لوگوں کو یہ باور کرانے کی مذموم سعی کی ہے کہ

حضرت نانوتوی قُدس سِرۃ معاذ اللہ! آنحضور ﷺ کے خاتمِ زمانی ہونے کے منکر ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ سب سے پچھلے نبی نہیں ہیں، آپ کے بعد بھی نبی کا آنا ممکن ہے — حالانکہ حضرت نانوتوی قُدس سِرۃ نے خود ”تخذیر الناس“ میں تحریر فرمایا ہے کہ آنحضور ﷺ سب سے پچھلے نبی ہیں، جو آپ کو سب سے پچھلا نبی نہ مانے وہ کافر ہے، حضرت نانوتوی قُدس سِرۃ ارقام فرماتے ہیں:

”اگر اطلاق اور عموم ہے تب تو ثبوتِ خاتمیتِ زمانی ظاہر ہے، ورنہ تسلیم لزوم خاتمیتِ زمانی بدلاتِ التزامی ضرور ہے، ادھر تصریحاتِ نبوی مثل اَنْتَ مِّنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى اِلَّا اَنْهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي، اَوْ كَمَا قَالَ جُو بظاہر بطرز مذکور اسی لفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے، اس باب میں کافی؛ کیوں کہ یہ مضمون درجہ تواتر کو پہنچ گیا ہے، پھر اس پر اجماع بھی منعقد ہو گیا، گو الفاظ مذکورہ بہ سند متواتر منقول نہ ہوں، سو یہ عدم تواتر الفاظ باوجود تواتر معنوی، یہاں ایسا ہی ہوگا جیسا تواتر اعداد رکعات فرائض و وتر وغیرہ، باوجود یکہ الفاظ احادیث مشعر تعداد رکعات متواتر نہیں، جیسا اس کا منکر کافر ہے، ایسا ہی اس کا منکر بھی کافر ہوگا۔“ (تخذیر الناس، ص: ۱۰)

اس عبارت میں حضرت نانوتوی قُدس سِرۃ نے تین بلکہ چار دلیلوں سے آنحضرت ﷺ کا خاتمِ زمانی ہونا ثابت فرمایا ہے، اور یہ بھی صراحتہ لکھ دیا ہے کہ جو آنحضرت ﷺ کے خاتمِ زمانی ہونے کا منکر ہو، وہ ایسا ہی کافر ہے، جیسا فرائض و وتر وغیرہ کی رکعات کی تعداد کا منکر کافر ہے، چاروں دلیلوں کی وضاحت مندرجہ ذیل ہے:

## پہلی دلیل

پہلی دلیل یہ ہے کہ ”خاتم النبیین“ میں جو لفظ خاتم ہے، اس کو عام اور مطلق رکھے اور ختم نبوت کی تینوں قسموں میں سے کوئی خاص قسم مراد نہ لیجئے، تو ختم نبوت رُتبی، ختم نبوت زمانی، اور ختم نبوت مکانی تینوں طرح کی ختم نبوت آپ ﷺ کے لیے قرآن کریم سے صراحتہ ثابت ہوں گی، حضرت ”مناظرہ عجیبہ“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”اگر خاتم کو مطلق رکھئے، تو پھر خاتمیت مرتبی اور خاتمیت زمانی اور خاتمیت مکانی تینوں اس سے اسی طرح ثابت ہو جائیں گے، جس طرح آیت ﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ﴾ (سورہ مائدہ، آیت: ۹۰) میں لفظ ﴿رِجْسٌ﴾ سے نجاستِ معنوی اور نجاستِ ظاہری دونوں ثابت ہوتی ہیں، اور اس ایک مفہوم کا انواعِ مختلفہ پر محمول ہونا ظاہر ہوتا ہے۔“ (مناظرہ عجیبہ، ص: ۳۷)

## دوسری دلیل

خاتم النبیین میں جو لفظ خاتم ہے، اس سے صرف ختم نبوت رتبی مراد لیجئے، اس صورت میں بھی ختم نبوت زمانی دلالت التزامی کے طور پر ثابت ہوگی اور اس کو تسلیم کرنا ضروری ہوگا؛ کیوں کہ ختم نبوت رتبی کے لیے تاخر زمانی لازم ہے، اس کی تفصیل تمہید میں گذر چکی ہے۔

## تیسری اور چوتھی دلیل

احادیث متواترہ اور اجماع امت سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ آنحضور ﷺ سب سے آخری نبی ہیں، آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا؛ اس لیے اس کا منکر کافر ہے، اگرچہ احادیث کا تواتر لفظی نہیں معنوی ہے؛ مگر جب اس پر اجماع ہو چکا اور پوری امت کا اتفاق ہو چکا تو اب کسی کے لیے انکار کی گنجائش باقی نہ رہی۔

الحاصل حضرت نانوتوی قدس سرہ نے ”تحدیر الناس“ میں خاتمیتِ زمانی کا انکار نہیں کیا ہے؛ بلکہ خاتمیتِ زمانی کے ساتھ خاتمیتِ رتبی اور خاتمیتِ مکانی کو ثابت فرما کر آنحضور ﷺ کی افضلیت کو بام عروج تک پہنچا دیا ہے، حضرت نانوتوی قدس سرہ ”مناظرہ عجیبہ“ پر فرماتے ہیں:

”حاصل مطلب یہ ہے کہ خاتمیتِ زمانی سے مجھ کو انکار نہیں؛ بلکہ یوں کہتے کہ منکروں کے لیے گنجائش انکار نہ چھوڑی، افضلیت کا اقرار ہے؛ بلکہ اقرار کرنے والوں کے

پاؤں جمادیئے، اور نبیوں کی نبوت پر ایمان ہے، پر رسول اللہ ﷺ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتا، یہی وجہ ہے کہ ان کو دربارہ نبوت رسول اللہ ﷺ سے مستفید کہا، ورنہ بروئے تحقیق سب برابر ہو جاتے اور کسی کو کسی پر افضلیت نہ رہتی یا رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کسی اور نبی کو ماننا پڑتا۔ (مناظرہ عجیبہ، ص: ۵۰)

## خاں صاحب کی خیانت

خاں صاحب بریلوی نے ”تحدیر الناس“ کے حوالہ سے حضرت نانوتوی قدس سیرۃ کی جو عبارت ”حسام الحرمین“ میں نقل کی ہے، وہ تین الگ الگ صفحات کی عبارتیں ہیں، جن کو آگے پیچھے کر کے خاں صاحب نے پیش کیا ہے، پہلا فقرہ صفحہ: ۱۴ کا ہے، دوسرا صفحہ: ۲۸ کا، تیسرا صفحہ: ۳۰ کا ہے، اور کوئی قرینہ ایسا نہیں جس سے کوئی دیکھنے والا یہ سمجھ سکے کہ یہ عبارت مختلف صفحات کی ہے، یہ کتنی بڑی علمی خیانت ہے، اس کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں۔

علاوہ ازیں ایک اور خیانت ملاحظہ فرمائیے کہ سب سے پہلے صفحہ: ۱۴ کا یہ فقرہ نقل کیا ہے: ”بلکہ بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو، جب بھی آپ کا خاتم ہونا بہ دستور باقی رہتا ہے — پھر صفحہ: ۲۸ کا یہ فقرہ نقل کیا ہے: ”بلکہ بالفرض اگر بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا“ — پھر صفحہ: ۳۰ کی یہ عبارت نقل کی ہے: ”عوام کے خیال میں تو رسول اللہ ﷺ کا خاتم ہونا، الخ“۔

کیا کوئی بھی عقل مند خاں صاحب کو ان کی اس نازیبا حرکت پر معذور کہہ سکتا ہے؟ اگر پہلے صفحہ: ۳۰، پھر صفحہ: ۱۴ پھر صفحہ: ۲۸ کی عبارت نقل کرتے تب بھی کچھ گنجائش ہو سکتی تھی کہ بالترتیب مختلف صفحات کی عبارت نقل کرتے چلے گئے؛ مگر اب تو یہ عذر بھی نہیں ہو سکتا، لامحالہ کفریہ مضمون بنانے کے لیے خاں صاحب نے جان بوجھ کر ترتیب کو بدلا ہے اور کفریہ مضمون تراشا ہے۔

لیکن آپ غور کیجیے! صفحہ: ۱۴ کی عبارت میں حضرت نانوتوی قدس سیرۃ تحریر فرماتے

ہیں: ”بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے“ اور صفحہ: ۲۸ پر تحریر فرماتے ہیں: ”بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا“، ہر دو مقام پر حضرت خاتمیت کا اقرار فرما رہے ہیں اور یہ امر پیش نظر ہے کہ خاتمیت محمدی جو قطعی ہے، وہ باقی رہنی چاہیے، پھر حضرت نانوتوی قُدس سِرُّہ پر یہ الزام لگانا کہ وہ خاتمیت کے منکر ہیں کس قدر دھوکا ہے؟ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ حضرت خاتمیت کے منکر بھی ہوں اور یہ بھی فرمائیں کہ ”خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے“ اور خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا“، ہر شخص ادنیٰ غور سے سمجھ سکتا ہے کہ حضرت نانوتویؒ اس مقام پر کوئی اور خاتمیت ثابت فرما رہے ہیں، جو خاتمیت زمانی کے علاوہ ہے، اور اسی خاتمیت کا یہ حال بیان فرما رہے ہیں کہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں یا بالفرض آپ کے بعد بھی کوئی نبی فرض کیا جائے تب بھی خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہ آئے گا، وہ خاتمیت کونسی ہے؟ وہ خاتمیت رتبی ہے — اور صفحہ: ۳ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ آنحضور ﷺ کو صرف خاتم زمانی ماننا یہ عوام کا خیال ہے، محققین کے نزدیک آپ جیسے خاتم زمانی ہیں، ویسے ہی خاتم رتبی بھی ہیں۔

### دوسرا بہتان

حضرت نانوتوی قُدس سِرُّہ پر دوسرا الزام یہ لگایا گیا ہے کہ وہ امتیوں کو عمل میں انبیائے کرام کے مساوی بلکہ بڑھا ہوا تسلیم کرتے ہیں، یہ انبیائے کرام کی شان میں گستاخی ہے، مولوی محمد عمر صاحب تحذیر الناس کی عبارت اور قرآن پاک کی یہ آیت:

﴿النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ﴾ نقل کر کے لکھتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ تمام عالمیوں کی جانوں کے مقابلہ میں نبی ﷺ کو اولیٰ فرمائیں اور تم اپنی جانوں کے اعمال کو نبی ﷺ کے اعمال سے برتر سمجھو، کیا دیوبندی فرقہ کو قرآنی تعلیم کا اور نبی ﷺ کی غلامی کا یہی اثر ہے کہ اپنے آقا سے غلامی کو اعمال میں بالا سمجھتے ہو“۔

(مقیاسِ حقیقت، ص: ۲۱۰)

## جواب

”تحذیر الناس“ کی جس عبارت کی وجہ سے حضرت نانوتویؒ پر الزام لگایا گیا ہے وہ یہ ہے: ”انبیاء اپنی امت سے اگر ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں۔ باقی رہا عمل اس میں بسا اوقات ”بظاہر“ امتی مساوی ہو جاتے ہیں؛ بلکہ بڑھ جاتے ہیں۔“

(تحذیر الناس، ص: ۵)

دیکھئے! تحذیر الناس کی عبارت میں ”بظاہر“ کا لفظ موجود ہے جس پر ہم نے خط کھینچ دیا ہے، اس لفظ سے مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ عمل میں امتی کا نبی کے برابر ہو جانا یا بڑھ جانا صرف ظاہری اعتبار سے ہوتا ہے، حقیقت میں نہیں یعنی کیت اور مقدار کے اعتبار سے کبھی امتی عمل میں نبی سے بڑھ جاتے ہیں؛ لیکن کیفیت کے اعتبار سے کبھی امتی عمل میں نبی سے بڑھ نہیں سکتے۔

الغرض حضرت نانوتویؒ سِرُّہ نے جو بات بیان فرمائی ہے، وہ اتنی واضح اور بدیہی ہے کہ کوئی شخص اس کا انکار نہیں کر سکتا، دیکھئے! شبِ معراج میں پانچ (۵) نمازیں فرض ہوئیں، اس کے بعد آنحضرت ﷺ معتبر روایات کے مطابق تقریباً پندرہ (۱۵) برس دنیا میں رونق افروز رہے، جس کے تقریباً پانچ ہزار چار سو (۵۴۰۰) دن ہوتے ہیں، اور ستائیس ہزار (۲۷۰۰۰) نمازیں، گویا آنحضرت ﷺ نے تقریباً ستائیس ہزار فرض نمازیں اپنی حیاتِ طیبہ میں ادا فرمائیں؛ لیکن فرض کیجئے کہ آپ ﷺ کا ایک امتی بلوغ کے بعد سو (۱۰۰) سال کی عمر پاتا ہے، اور اللہ کی توفیق سے تمام فرض نمازیں ادا کرتا ہے، تو اس کی فرض نمازوں کی تعداد پونے دو لاکھ کے قریب ہوگی، اور کیت و مقدار میں اس امتی کی فرض نمازیں آنحضرت ﷺ کی فرض نمازوں سے زیادہ ہوں گی، اس کا کون انکار کر سکتا ہے؟! اگرچہ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضور اکرم ﷺ کے ایک سجدہ کا جو وزن ہے، وہ اُن پونے دو لاکھ نمازوں کا نہیں — اسی طرح آنحضرت ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں صرف ایک فرض حج کیا ہے؛ لیکن امتِ محمدیہ میں بہت سے

حضرات ایسے ہیں، جنہوں نے اللہ کی توفیق سے تمیں چالیس حج کیے ہیں — یہی مطلب ہے حضرت نانوتوی قُدسِ سرُّہ کی عبارت کا، اور اس میں کسی نبی کی شان میں ادنیٰ درجہ کی گستاخی نہیں؛ لیکن ساون کے اندھے کو ہر اہی سو جھتا ہے۔

## حضرت گنگوہی قُدسِ سرُّہ پر بہتان

(آپ کے حالات پہلے محاضرہ کے آخر میں مذکور ہیں)

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قُدسِ سرُّہ پر رضا خانیوں نے یہ بے بنیاد بہتان باندھا ہے کہ معاذ اللہ! وہ خدا کو جھوٹا مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بولا، خاں صاحب بریلوی ”حسام الحرمین“ میں لکھتے ہیں:

”پھر تو ظلم و گمراہی میں اس کا حال یہاں تک بڑھا کہ اپنے ایک فتویٰ میں — جو اس کا مہری دستخطی میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، بمبئی وغیرہ میں بارہا مع رد کے چھپا — صاف لکھ دیا: جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو بالفعل جھوٹا مانے اور تصریح کرے کہ معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ جھوٹ بولا، اور یہ بڑا عیب اس سے صادر ہو چکا تو اس سے کفر بالائے طاق گمراہی درکنار فاسق بھی نہ کہو؛ اس لیے کہ بہت سے امام ایسا کہہ چکے ہیں جیسا اس نے کہا“ (ص: ۱۵)

## جواب

یہ خالص بہتان ہے، اس میں رتی بھر بھی صداقت نہیں، بلکہ اس کے برخلاف حضرت گنگوہی قُدسِ سرُّہ نے تحریر فرمایا ہے کہ جو شخص یہ سمجھے کہ خدا تعالیٰ جھوٹ بولتا ہے، یا کہے کہ خدا جھوٹا ہے، وہ ہرگز مؤمن نہیں، وہ قطعاً کافر ہے، ملعون ہے، فتاویٰ رشید یہ میں ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ”ذاتِ باری تعالیٰ عز اسمہ موصوف بہ صفتِ کذب ہے یا نہیں؟ اور خدائے تعالیٰ جھوٹ بولتا ہے یا نہیں؟ اور جو شخص

خدائے تعالیٰ کو یہ سمجھے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے، وہ کیسا ہے؟“

الجواب: ذاتِ پاکِ حق تعالیٰ جل جلالہ کی پاک و منزہ ہے اس سے کہ متصف بہ صفتِ کذب کیا جاوے، معاذ اللہ تعالیٰ! اس کے کلام میں ہرگز ہرگز شائبہ کذب کا نہیں ہے، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا﴾۔ جو شخص حق تعالیٰ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے یا زبان سے کہے کہ وہ کذب بولتا ہے؛ وہ ہرگز مؤمن نہیں ہے، وہ قطعاً کافر ہے، ملعون ہے، اور مخالف قرآن اور حدیث کا اور اجماع امت کا ہے، وہ ہرگز مؤمن نہیں، تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يَقُولُ الظَّالِمُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا، البتہ یہ عقیدہ اہل ایمان سب کا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے مثل فرعون و ہامان و ابی لہب کو قرآن میں جہنمی ہونے کا ارشاد فرمایا ہے، وہ حکم قطعی ہے، اس کے خلاف ہرگز ہرگز نہ کرے گا؛ مگر وہ اللہ تعالیٰ قادر ہے اس بات پر کہ ان کو جنت دیدیوے، عاجز نہیں ہو گیا، قادر ہے، اگرچہ ایسا اپنے اختیار سے نہ کرے گا، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿وَلَوْ شِئْنَا لَا تَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا وَلَكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ﴾۔

اس آیت سے واضح ہے کہ اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو سب کو مؤمن کر دیتا؛ مگر جو فرما چکا ہے اس کے خلاف نہ کرے گا اور یہ سب اختیار سے ہے اضطرار سے نہیں، وہ فاعل مختار ہے فَعَالٍ لِمَا يُرِيدُ ہے، یہ عقیدہ تمام علمائے امت کا ہے؛ چنانچہ بیضاوی میں تحت تفسیر قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿إِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ﴾ لکھا ہے کہ عدم غفران شرک کا مقتضا و عید کا ہے، ورنہ کوئی امتناع ذاتی نہیں، اور یہ ہے عبارت اس کی: وَعَدَمُ غُفْرَانِ الشِّرْكِ مُفْتَضَى الْوَعِيدِ فَلَا امْتِنَاعَ فِيهِ لِذَاتِهِ، واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عنی عنہ

(فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۹۳-۹۴، مطبوعہ: جسیم بک ڈپو، دیوبند)

رہا خاں صاحب بریلوی کا یہ کہنا کہ حضرت گنگوہی کا مہری دستخطی فتویٰ بمبئی وغیرہ میں بارہا طبع ہوا ہے، اس میں انہوں نے معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ کو بالفعل جھوٹا کہا ہے، تو یہ بھی خالص بہتان اور سفید جھوٹ ہے، حضرت گنگوہی قُدِسَ سِرُّهُ کے سب سے بڑے خلیفہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری تحریر فرماتے ہیں:



”اور یہ جو بریلوی کہتا ہے کہ اس کے پاس مولانا (گنگوہی) کے فتوے کا فوٹو ہے، جس میں ایسا لکھا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ مولانا قدس سرہ پر بہتان باندھنے کو یہ جعل ہے، جس کو گھڑ کر اپنے پاس رکھ لیا ہے، اور ایسے جھوٹ اور جعل اسے آسان ہیں؛ کیوں کہ وہ اس میں استاذوں کا استاذ ہے اور زمانہ کے لوگ اس کے چیلے؛ کیوں کہ تحریف و تلبیس و دجل و مکر کی اس کو عادت ہے، اکثر مہریں بنا لیتا ہے، مسیح قادیانی سے کچھ کم نہیں؛ اس لیے کہ وہ رسالت کا کھلم کھلا مدعی تھا اور یہ مجددیت کو چھپائے ہوئے ہے، علمائے امت کو کافر کہتا رہتا ہے۔ (المہند علی المفند، ص: ۳۷)

## امکانِ کذب اور امکانِ نظیر کی مختصر وضاحت

در اصل یہ مسئلہ ”تقویۃ الایمان“ کی ایک عبارت کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، وہ عبارت یہ ہے:

”اس شاہنشاہ (یعنی اللہ تعالیٰ) کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے اگر چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی اور جن و فرشتہ جبرئیل اور محمد ﷺ کے برابر پیدا کر ڈالے۔“  
(تقویۃ الایمان، ص: ۲۷، دارالکتاب دیوبند)

اس پر پیر پرستوں نے کہا کہ اللہ جل شانہ ہرگز محمد ﷺ کے مثل پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے، آپ کی نظیر محال بالذات ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں آپ کو خاتم النبیین فرمایا ہے، اگر آپ کا مثل ممکن ہو تو امکانِ کذب باری تعالیٰ اور قرآن کریم کی تکذیب لازم آئے گی اور یہ محال ہے، پس آپ کی نظیر بھی محال ہے کہ مستلزم محال کا محال ہوتا ہے، لہذا امکانِ نظیر کا عقیدہ کفر ہے۔

اہل حق نے اس کا جواب یہ دیا کہ اللہ تعالیٰ حضور اکرم ﷺ کے مثل پیدا کرنے پر قادر ہیں، عاجز نہیں؛ کیوں کہ آپ کی نظیر ممکن بالذات ہے اور خدا تعالیٰ کی قدرت میں داخل ہے، ہاں اپنے وعدہ کے مطابق آپ کا مثل ہرگز ہرگز پیدا نہیں کرے گا۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ﴾ ﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا﴾

لہذا آپ کا مثل پیدا کرنا محال بالغیر ہے، محال بالذات نہیں، جو قدرتِ خداوندی کے تحت داخل نہ ہو؛ کیوں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس ممکن ہے، واجب اور ممتنع نہیں، تو آپ کی نظیر بھی ممکن ہے؛ کیوں کہ ممکن کی نظیر ممکن ہی ہو سکتی ہے اور واجب بالذات یا ممتنع بالذات ممکن بالذات کی نظیر نہیں ہو سکتی۔

یہ ہے امکانِ کذب اور امکانِ نظیر کی مختصر وضاحت، اگر آپ مزید تفصیل جاننا چاہتے ہیں تو شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی قدس سرہ کی کتاب جُھنْدُ الْمُقِلِّ کا مطالعہ کریں۔

### حضرت سہارنپوری پر بہتان

(آپ کا تعارف پہلے محاضرہ کے آخر میں گزر چکا)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ پر رضا خانیوں نے یہ الزام لگایا ہے کہ آپ نے ”براہینِ قاطعہ“ میں صراحت لکھا ہے کہ شیطان کا علم آنحضور ﷺ کے علم سے زیادہ ہے، خاں صاحب بریلوی ”حسام الحرمین“ میں لکھتے ہیں:

”اور یہ بھی اسی تکذیبِ خدا کرنے والے گنگوہی کے دم چھلے ہیں کہ اس نے اپنی کتاب ”براہینِ قاطعہ“ میں تصریح کی کہ ان کے پیرا بلیس کا علم نبی ﷺ کے علم سے زیادہ ہے، اور یہ اس کا برا قول خود اس کے بد الفاظ میں صفحہ: ۴۷ پر ہے، شیطان و ملک الموت کو یہ وسعتِ نص سے ثابت ہوئی، فخرِ عالم کی وسعتِ علم کی کوئی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔“ (ص: ۱۵)

### تمہیدِ جواب

(۱) جواب سے پہلے جان لینا چاہیے کہ ”براہینِ قاطعہ“ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے؛ بلکہ مولوی عبدالسمیع صاحب رام پوری (صاحبِ حمدِ باری) نے بدعاتِ مروجہ کی تائید میں اور حضرت گنگوہی قدس سرہ

سیرۃ کے رد میں ایک کتاب لکھی تھی، جس کا نام انہوں نے ”انوارِ سلطعہ در بیان مولود و فاتحہ“ رکھا تھا، اس کے رد میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے یہ کتاب لکھی ہے، اس کا پورا نام ”براہین قاطعہ علی ظلام انوارِ سلطعہ“ ہے۔

(۲) خاں صاحب بریلوی کی عادت یہ ہے کہ کسی کتاب کی ناقص اور ادھوری عبارت پیش کر کے اپنے دل کے پھپھولے پھوڑتے رہتے ہیں، یہاں بھی اپنی عادت کے مطابق ایسا ہی کیا ہے؛ اس لیے جواب سے پہلے مسئلہ کی پوری حقیقت جان لینی چاہیے۔ — اصل مسئلہ محفل میلاد میں آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کا ہے، مولوی عبدالسمیع صاحب نے محفل میلاد میں آنحضور ﷺ کے حاضر ہونے کو اس طرح ثابت کیا ہے کہ موت کافر شتہ روحوں کو قبض کرنے کے لیے ہر جگہ حاضر ہے، اور شیطان لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے ہر جگہ موجود ہے، اسی طرح چاند سورج ہر جگہ موجود ہے، تو آنحضور ﷺ محفل میلاد میں کیوں حاضر نہیں ہو سکتے؟ جب مفضول ہر جگہ حاضر ہو سکتا ہے، تو افضل کیوں نہیں ہو سکتا؟ مولوی عبدالسمیع صاحب انوارِ سلطعہ میں چند احادیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ملک الموت ہر جگہ حاضر ہے، بھلا ملک الموت ﷺ تو ایک فرشتہ مقرب ہے، دیکھو! شیطان ہر جگہ موجود ہے، درمختار کے مسائل نماز میں لکھا ہے کہ شیطان اولادِ آدم کے ساتھ دن کو رہتا ہے اور اس کا بیٹا آدمیوں کے ساتھ رات کو رہتا ہے، علامہ شامی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ شیطان تمام نبی آدم کے ساتھ رہتا ہے؛ مگر جس کو اللہ نے بچا لیا، بعد اس کے لکھا ہے: وَ أَقْدَرَهُ عَلٰی ذٰلِكَ كَمَا أَقْدَرَ مَلَكَ الْمَوْتِ عَلٰی نَظْرِ ذٰلِكَ، یعنی اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس بات کی قدرت دیدی ہے، جس طرح ملک الموت کو سب جگہ موجود ہونے پر قادر کر دیا ہے۔“ انتہی کلامہ۔

اب عالم اجسام محسوسہ میں اس کی مثال سمجھئے! کوئی آدمی مشرق سے مغرب تک آبادی دنیا کی اگر سیر کرے، جہاں جاوے چاند کو موجود پاوے گا، اور سورج کو بھی پاوے گا، پھر اگر وہ کہے کہ ایک چاند سب جگہ موجود ہے اور ایک سورج سب جگہ موجود، تمہارے

قاعدے سے چاہیے کہ وہ کافر ہو جائے کہ اس نے چاند کو ہر جگہ موجود کہا؛ حالانکہ تحقیق یہ ہے کہ نہ وہ مشرک ہے نہ کافر، خاصہ مسلمان ہے، پس اسی طرح سمجھو کہ جب سورج سب جگہ موجود ہو کر وہ چوتھے آسمان پر ہے، روحِ نبی ﷺ جو ساتویں آسمان پر علیین میں موجود ہے، اگر وہاں سے آپ کی نظر مبارک کل زمین پر یا زمین کے چند مواضع و مقامات پر پڑ جائے اور ترشحِ انوارِ فیضانِ احمدی سے کل مجالسِ مطہرہ کو ہر طرف سے مثل شعاعِ شمس محیط ہو جائے کیا محال اور بعید ہے؟“ (انوارِ ساطعہ مع براہینِ قاطعہ، ص: ۵۲)

### تحقیقی جواب

خال صاحب بریلوی نے براہینِ قاطعہ کی جس عبارت کو پیش کیا ہے، اس میں حضرت سہارنپوری قدس سرہ انوارِ ساطعہ کی مذکورہ بالا عبارت کا رد فرما رہے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی صفات حقیقی اور ذاتی ہیں اور مخلوق کی صفات مجازی اور عطائی ہوتی ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے جس کو جتنی وسعت علم اور قدرت عطا فرمائی ہے، اس سے زیادہ وہ ایک ذرہ بھر آگے نہیں بڑھ سکتا، لہذا افضل کو مفضول پر قیاس کر کے افضل میں مفضول کے برابر یا اس سے زیادہ وسعت علم ثابت کرنا صحیح نہیں ہے، اولاً اس وجہ سے کہ عقائد کے مسائل قیاسی نہیں۔ ثانیاً اس وجہ سے کہ قرآن و حدیث سے اس کے خلاف ثابت ہے۔ اور ثالثاً اس وجہ سے کہ اگر یہ قیاس صحیح مان لیا جائے تو لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ تمام مسلمان خصوصاً مولوی عبد السمیع صاحب شیطان سے زیادہ غیب کا علم رکھتے ہیں؛ کیوں کہ ہر مسلمان چاہے فاسق ہی کیوں نہ ہو شیطان سے بہر حال افضل ہے۔

پھر اخیر میں یہ بات بیان فرمائی ہے کہ جب تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ مخلوق کی صفات عطائی ہوتی ہیں تو پھر ملک الموت اور شیطان کی عطائی وسعت علم پر قیاس کر کے آنحضرت ﷺ کے لیے پوری زمین کا علم ذاتی غیر عطائی ثابت کرنا مشرک نہیں تو کیا ہے؟ دیکھئے! براہینِ قاطعہ کی پوری عبارت یہ ہے:

عقیدہ اہل سنت کا یہ ہے کہ کوئی صفت صفت حق تعالیٰ کی بندہ میں نہیں ہوتی، اور جو

کچھ اپنی صفات کا نکل کسی کو عطا فرماتے ہیں، اس سے زیادہ کسی میں ہونا ہرگز ممکن نہیں، سمع و بصر و علم و تصرف حق تعالیٰ کا حقیقی ہے، اور مخلوق کا مجازی ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ الْآيَةُ﴾ پھر جس کو جس قدر کوئی علم و قدرت وغیرہ عطا فرما دیا ہے، اس سے زیادہ وہ ہرگز ذرہ بھر نہیں بڑھ سکتا، شیطان کو جس قدر وسعت دی، اور ملک الموت کو اور آفتاب و ماہتاب کو جس وضع پر بنایا ہے، اس سے زیادہ کی ان کو کچھ قدرت نہیں، اور زیادہ کوئی ان سے کام نہیں نکلتا اور نہ اس کثرت و قلت پر فضل کی کمی زیادتی موقوف ہے — حضرت موسیٰ عليه السلام حضرت خضر عليه السلام سے بہت اعلیٰ و افضل ہیں، مع ہذا علم مکاشفہ ان کا حضرت خضر عليه السلام سے بہت کم تھا، اور پھر جس قدر حضرت خضر عليه السلام کو ملا، اس سے زیادہ پر وہ قادر نہ تھے، اور حضرت موسیٰ عليه السلام کو جو باوجود افضلیت کے نہ ملا، تو وہ حضرت خضر عليه السلام مفضل کی برابر بھی اس علم مکاشفہ کو پیدا نہ کر سکے، پس آفتاب و ماہتاب کو جو اس ہیئت و وسعت نور پر بنایا، اور ملک الموت اور شیطان کو جو یہ وسعت علم دی، اس کا حال مشاہدہ اور نصوص قطعہ سے معلوم ہوا۔

اب اس پر کسی افضل کو قیاس کر کے اس میں بھی مثل یا زائد اس مفضل سے ثابت کرنا کسی عاقل ذی علم کا کام نہیں، اول تو عقائد کے مسائل قیاسی نہیں کہ قیاس سے ثابت ہو جاویں بلکہ قطعی ہیں، قطعیات نصوص سے ثابت ہوتے ہیں کہ خبر واحد بھی یہاں مفید نہیں۔ لہذا اس کا اثبات اس وقت قابل التفات ہو کہ مؤلف قطعیات سے اس کو ثابت کرے، اور خلاف تمام امت کے ایک قیاس فاسد سے عقیدہ خلق کا اگر فاسد کیا چاہے تو کب قابل التفات ہوگا؟ — دوسرے قرآن و حدیث سے اس کے خلاف ثابت ہے، پس اس کا خلاف کس طرح قبول ہو سکتا ہے؛ بلکہ یہ سب قول مؤلف کا مردود ہوگا، فخر عالم عليه السلام فرماتے ہیں: وَاللَّهِ! لَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ. (الحدیث) اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں، اور مجلس نکاح کا مسئلہ بھی البحر الرائق وغیرہ کتب سے لکھا گیا (۱)

(۱) جس مسئلہ کا حضرت نے حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے: اور مسئلہ مشہور بحر الرائق اور عالم گیر یہ و

تیسرے اگر افضلیت ہی موجب اس کی ہے، تو تمام مسلمان اگرچہ فاسق ہوں اور خود مؤلف بھی شیطان سے افضل ہیں، تو مؤلف سب عوام میں بسبب افضلیت کے شیطان سے زیادہ نہیں تو اس کی برابر تو علم غیب بہ زعم خود ثابت کر دیوے، اور مؤلف خود اپنے زعم میں تو بہت بڑا اکمل الایمان ہے، تو شیطان سے ضرور افضل ہو کر اعلم من الشیطان ہوگا! معاذ اللہ! مؤلف کے ایسے جہل پر تعجب بھی ہوتا ہے اور رنج بھی ہوتا ہے کہ ایسی نالائق بات منہ سے نکالنا کس قدر دور از علم و عقل ہے۔

الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم ﷺ کو (۱) خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاسِ فاسد سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے؟! شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، فخرِ عالم ﷺ کی وسعت علم کی کوئی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔ (براہین قاطعہ، ص: ۵۰-۵۱)

یہاں یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہیے کہ حضرت نے آنحضور ﷺ کے لیے ساری زمین کا علم ثابت کرنے کو جو شرک کہا ہے، اس سے مراد علم ذاتی ہے، عطائی نہیں، خود حضرت اسی بحث کے اخیر میں تحریر فرماتے ہیں:

”اور یہ بحث اس صورت میں ہے کہ علم ذاتی آپ ﷺ کو (۱) کوئی ثابت کر کے یہ عقیدہ کرے، جیسا کہ جہلاء کا یہ عقیدہ ہے: اگر یہ جانے کہ حق تعالیٰ اطلاع دے کر حاضر کر دیتا ہے تو شرک تو نہیں؛ مگر بدون ثبوت شرعی کے اس پر عقیدہ درست بھی نہیں اور بدون حجت ایسی بات کو عقیدہ کرنا موجب معصیت کا ہے۔“

(براہین قاطعہ، ص: ۵۲-۵۳)

== درمختار وغیرہ میں ہے کہ اگر کوئی نکاح کرے بہ شہادت حق تعالیٰ اور فخرِ عالم ﷺ کے، کافر

ہو جاتا ہے، بہ سبب اعتقادِ علم غیب کے فخرِ عالم ﷺ کی نسبت (براہین قاطعہ، ص: ۴۹)

(۱) کو یعنی کے لیے۔

الغرض براہینِ قاطعہ میں جس علم کے اثبات کو شرک کہا ہے، وہ علم ذاتی ہے جس کے بارے میں خود خاں صاحب بریلوی خالص الاعتقاد میں لکھتے ہیں:

”علم ذاتی اللہ عزوجل سے خاص ہے، اس کے غیر کے لیے محال ہے، جو اس میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر غیر خدا کے لیے مانے، وہ یقیناً کافر و مشرک ہے۔“ (خالص الاعتقاد، ص: ۲۶، بحوالہ السحاب المدرار)

### مسکت جواب

یہ خاں صاحب کے الزام کا تحقیقی جواب ہے، اور مسکت جواب یہ ہے کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے ”براہینِ قاطعہ“ کیا اپنی کسی بھی تصنیف میں یہ نہیں لکھا ہے کہ شیطان کا علم حضور ﷺ کے علم سے زیادہ ہے؛ بلکہ اس کے برخلاف حضرت نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ معاذ اللہ! شیطان کا علم حضور اکرم ﷺ کے علم سے زیادہ ہے، وہ کافر و مرتد اور ملعون ہے؛ چنانچہ خود حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ المہند علی المفند میں اہلِ حریم کے انیسویں سوال کے جواب میں ارقام فرماتے ہیں:

”اس مسئلہ کو ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا علم؛ حکم و اسرار وغیرہ کے متعلق مطلقاً تمامی مخلوقات سے زیادہ ہے، اور ہمارا یقین ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ فلاں شخص نبی کریم ﷺ سے اعلم ہے وہ کافر ہے، اور ہمارے حضرات اس شخص کے کافر ہونے کا فتویٰ دے چکے ہیں جو یوں کہے کہ شیطان ملعون کا علم نبی ﷺ سے زیادہ ہے، پھر بھلا ہماری کسی تصنیف میں یہ مسئلہ کہاں پایا جاسکتا ہے؟“۔ (المہند علی المفند، ص: ۲۵)

نیز حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری نے خاں صاحب بریلوی کے الزام کے تعلق سے حضرت قدس سرہ سے چند سوالات کیے تھے، حضرت نے ان سوالوں کا جو جواب تحریر فرمایا ہے، اس میں بھی اس بات کی صراحت ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ شیطان کا علم حضور اکرم ﷺ کے علم سے زیادہ ہے وہ کافر و مرتد ہے، وہ سوال و جواب یہ ہیں:

## استفتاء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بہ خدمت شریف مخدوم و مکرم جناب مولانا خلیل احمد صاحب مدرس اول مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ساکن انیٹھہ - دامت برکاتہم۔

بعد عرض تحیہ ماثورہ عرض ہے: مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی ”حسام الحرمین“ میں آپ کی نسبت یہ تحریر فرماتے ہیں کہ ”اپنی کتاب ”براہینِ قاطعہ“ میں تصریح کی کہ ابلیس کا علم نبی ﷺ کے علم سے زیادہ ہے، امور ذیل دریافت طلب ہیں:

(۱) کیا اس مضمون کی آپ نے ”براہینِ قاطعہ“ یا کسی دوسری کتاب میں تصریح فرمائی ہے؟

(۲) اگر تصریح نہیں تو بطریق لزوم کے اشارۃً یا کنایۃً بھی یہ مضمون آپ کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہے یا نہیں؟

(۳) اگر یہ مضمون صراحتہً مفہوم نہیں ہوتا اور لزوماً مفہوم ہوتا ہے تو یہ معنی آپ نے مراد لیے ہیں یا نہیں؟

(۴) اگر یہ مضمون آپ نے نہ صراحتہً بیان فرمایا نہ اشارۃً نہ کنایۃً آپ کے کلام کو لازم، نہ آپ کی مراد تو جو شخص ایسا اعتقاد رکھے یا کہے کہ سرور عالم ﷺ کے علم سے ابلیس کا علم زیادہ ہے، اس کو آپ مسلمان جانتے ہیں یا کافر؟

(۵) جس عبارت کو خاں صاحب ”براہینِ قاطعہ“ سے نقل کرتے ہیں اور اس مضمون مذکورہ کو اس کا مفاد صریحی بیان کرتے ہیں، اس عبارت کا صحیح مطلب کیا ہے؟ بَيِّنُوا تُوَجِّرُوا، بندہ: محمد مرتضیٰ حسن عفی عنہ

## الجواب

وَمِنْهُ الْوُصُولُ إِلَى الصَّوَابِ: مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے جو



بندہ پر یہ الزام لگایا ہے بالکل بے اصل اور لغو ہے، میں اور میرے اساتذہ ایسے شخص کو کافر و مرتد و ملعون جانتے ہیں جو شیطان علیہ اللعن کیا کسی مخلوق کو بھی جناب سرور عالم ﷺ سے علم میں زیادہ کہے؛ چنانچہ ”براہین“ کے صفحہ: ۴، میں یہ عبارت موجود ہے: ”پس کوئی ادنیٰ مسلم بھی فخرِ عالم علیہ الصلاۃ کے تقرب و شرف کمالات میں کسی کو مماثل آپ کا نہیں جانتا“۔ اتھی۔

خاں صاحب بریلوی نے یہ مجھ پر محض اتہام لگایا ہے، اس کا حساب روز جزاء ہوگا، یہ کفری مضمون کہ شیطان علیہ اللعن کا علم نبی ﷺ سے زیادہ ہے، ”براہین“ کی کسی عبارت میں نہ صراحت ہے نہ کنایہ، اور جس عبارت کو خاں صاحب ”براہین“ سے نقل کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں وہ یہ ہے:

”شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، فخرِ عالم ﷺ کو وسعتِ علم کی کوئی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے، (براہین، ص: ۴۷) اس بحث میں یہ عبارت بھی ”براہین“ کی ملاحظہ ہو: ”تمام امت کا یہ اعتقاد ہے کہ جناب فخرِ عالم ﷺ کو اور سب مخلوقات کو جس قدر علم حق تعالیٰ نے عنایت کر دیا اور بتلادیا، اس سے ایک ذرہ بھی زیادہ کا علم ثابت کرنا شرک ہے، براہین، ص: ۴۴، پھر جس کو جس قدر کوئی علم و قدرت وغیرہ عطا فرما دیا ہے اس سے زیادہ ہرگز ذرہ بھر بھی نہیں بڑھ سکتا، شیطان کو جس قدر وسعت دی، اور ملک الموت کو اور آفتاب و ماہتاب کو جس وضع پر بنایا ہے، اس سے زیادہ کی ان کو کچھ قدرت نہیں۔ (براہین، ص: ۴۶)

ان عبارات سے ظاہر ہو گیا کہ عبارت مذکورہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ نعوذ باللہ شیطان کا علم آپ ﷺ کے علم کے مساوی بھی ہو، چہ جائے کہ زیادہ! بلکہ عبارت مذکورہ کا یہ مطلب ہے کہ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت (یعنی جس قدر علم ان کو بہ اعطائے الہی ملا ہے) نص سے ثابت ہے، فخرِ عالم ﷺ کی وسعت علم (یعنی وسعت ذاتی) کی کوئی نص قطعی ہے؟ (جس سے یہ ثابت ہو کہ آپ ﷺ کو علم ذاتی بغیر عطائے الہی حاصل ہے) جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔

یہ عبارت ایسی صاف ہے کہ اس میں آپ ﷺ کی نہ توہین، نہ شیطان کی فضیلت ہاں! شاید مولوی احمد رضا خاں صاحب اور ان کے ہوا خواہ یہ فرمائیں کہ یہ مطلب کہاں سے نکال لیا کہ مراد علم ذاتی کی نفی ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہ بات بھی براہین کے اسی قول میں مذکور ہے ملاحظہ ہو۔ (ص: ۲۸) اور یہ بحث اس صورت میں ہے کہ علم ذاتی آپ ﷺ کو کوئی ثابت کر کے یہ عقیدہ کرے، جیسا جہلاء کا یہ عقیدہ ہے، اگر یہ جانے کہ حق تعالیٰ اطلاع دے کر حاضر کر دیتا ہے تو شرک تو نہیں؛ مگر بدون ثبوت شرعی کے یہ عقیدہ درست بھی نہیں اور بدون حجت ایسی بات کو عقیدہ کرنا موجب معصیت کا ہے، انتہی — اس صاف اور صریح عبارت کے بعد بھی کیا کسی شخص کو کوئی شبہ رہ سکتا ہے!؟

غرض خاں صاحب بریلوی نے محض اتہام اور کذبِ خالص بندہ کی طرف منسوب کیا ہے، مجھ کو تو مدتِ العمر کبھی وسوسہ بھی اس کا نہیں ہوا کہ شیطان کیا، کوئی ولی فرشتہ بھی آپ ﷺ کے علوم کی برابری کر سکے، چہ جائے کہ علم میں زیادہ ہو، یہ عقیدہ جو خاں صاحب نے بندہ کی طرف منسوب کیا ہے کفرِ خالص ہے، اس کا مطالبہ خاں صاحب سے روزِ جزاء ہوگا، میں اس سے بالکل بری ہوں اور پاک و کفّی باللہ شہیداً — اہل اسلام عباراتِ براہین کو بغور ملاحظہ فرمائیں، مطلب صاف اور واضح ہے، حررہ: خلیل احمد (السحاب المردار فی توضیح اقوال الاخیار، مصنفہ: مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری، ص: ۴۹-۵۰)

## ایک وسوسہ کا ازالہ

علاوہ ازیں ”براہین“ قاطعہ کی عبارت میں نہ مطلق علم کی بحث ہے، نہ علومِ نبوت اور علومِ کمالیہ کی بحث ہے؛ بلکہ صرف زمین کے علم کی بحث ہے، جس کو نہ نبوت و رسالت سے کوئی خاص تعلق، نہ اس پر کمالِ انسانی کا مدار، ایسے علوم غیر کمالیہ اگر انبیائے کرام کو عطا نہ ہوں اور دوسری مخلوق کو دے دیئے جائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اور نہ اس سے انبیائے کرام کی شان میں کوئی کمی آتی ہے، جیسے ایک فقیر کے گھر میں پھٹے پرانے کپڑے

اور ناکارہ ساز و سامان ہو، اور شاہی خزانہ میں یہ چیزیں نہ ہوں؛ بلکہ لعل و جواہر اور قیمتی کپڑے اور عمدہ ساز و سامان ہو، جو شاہی خزانہ کے مناسب ہے تو اس سے شاہی خزانہ کی شان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی؛ بلکہ پھٹے پرانے کپڑے اور ناکارہ ساز و سامان کا شاہی خزانہ میں ہونا جس طرح شاہی خزانہ کی شان کو گھٹاتا ہے، اسی طرح علوم شیطانی کی انبیائے کرام کی طرف نسبت کرنے میں انبیائے کرام کی شان کو گھٹانا ہے۔

الغرض جو علوم شانِ نبوت سے تعلق نہ رکھتے ہوں، وہ اگر انبیائے کرام کو حاصل نہ ہوں، اور غیر انبیاء کو حاصل ہو جائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں — اور یہ سمجھنا کہ انبیائے کرام کا علم شیطانی باتوں کو بھی محیط ہونا چاہیے، اور معاذ اللہ! علوم شیطانی میں بھی ان کا دائرہ سب سے وسیع ہونا چاہیے، خالص شیطانی وسوسہ ہے جو صرف ان کو ردِ مانگوں کو ہو سکتا ہے، جو علوم نبوت اور علوم شیطننت میں فرق نہ سمجھتے ہوں، اور ان کے نزدیک گھی اور گوبر، ہیرے اور پتھر کی قیمت ایک ہو، دیکھئے! رضا خانیوں کے پیشوا مولوی عبدالسمیع صاحب بھی اس فرق کا لحاظ کرتے ہوئے ”انوارِ سلطعہ“ میں لکھتے ہیں:

”اور تماشا یہ کہ اصحابِ محفلِ میلاد تو زمین کی تمام جگہ پاک ناپاک مجالس مذہبی وغیر مذہبی میں حاضر ہونا رسول اللہ ﷺ کا نہیں دعویٰ کرتے ملک الموت اور ابلیس کا حاضر ہونا تو اس سے بھی زیادہ تر مقامات پاک ناپاک، کفر غیر کفر میں پایا جاتا ہے۔“

(انوارِ سلطعہ مع براہین قاطعہ ص: ۵۲-۵۳)

اب رضا خانی حضرات غور کر کے بتائیں کہ ان کے پیشوا مولوی عبدالسمیع صاحب نے آنحضرت ﷺ پر ابلیس کی برتری اور وسعت کو تسلیم کر کے حضور اکرم ﷺ کی توہین کی یا نہیں؟ ع

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا!

## حضرت تھانویؒ پر بہتان

(آپ کا تعارف پہلے محاضرہ کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں)

### پہلا بہتان

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ پر رضا خانیوں نے ایک بہتان یہ باندھا ہے کہ حضرت تھانویؒ نے ”حفظ الایمان“ میں صراحت لکھا ہے کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم رسول اللہ ﷺ کو ہے ایسا تو ہر بچہ اور پاگل؛ بلکہ ہر حیوان اور چوپائے کو بھی حاصل ہے، خاں صاحب بریلوی ”حسام الحرمین“ میں لکھتے ہیں:

”اور اس فرقہ وہابیہ شیطانیہ کے بڑوں میں ایک اور شخص اسی گنگوہی کے دم چھلوں میں ہے، جسے اشرف علی تھانویؒ کہتے ہیں، اس نے ایک چھوٹی سی رسلیا تصنیف کی، چار ورق کی بھی نہیں، اور اس میں تصریح کی کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم رسول اللہ ﷺ کو ہے ایسا تو ہر بچہ اور پاگل؛ بلکہ ہر جانور اور چوپائے کو حاصل ہے اور اس کی ملعون عبارت یہ ہے:

”آپ ﷺ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا، اگر بہ قول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے کیا مراد ہے؟ بعض غیب ہے یا کل غیب، اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور ﷺ کی کیا تخصیص ہے؟ ایسا علم غیب تو زید و عمرو؛ بلکہ ہر صبی و مجنون؛ بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے — الی قولہ — اور اگر تمام علوم غیب مراد ہیں، اس طرح کہ اس کا ایک فرد بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیل نقلی و عقلی سے ثابت ہے۔“

”میں (احمد رضا) کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی مہر کا اثر دیکھو! یہ شخص کیسے برابری کر رہا

ہے رسول اللہ ﷺ اور چین اور چناں میں“ (حسام الحرمین، ص: ۲۱)

## جواب

واقعہ ہے کہ کسی شخص نے حضرت تھانوی قُدس سِرۃ سے تین سوال کیے تھے، ان میں تیسرا سوال یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ ”حفظ الایمان“ کی عبارت یہ ہے:

اور (زید) کہتا ہے کہ علم غیب کی دو قسمیں ہیں: (۱) بالذات اس معنی کر عالم الغیب خدائے تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا، (۲) اور بواسطہ اس معنی کر رسول اللہ ﷺ ”عالم الغیب“ تھے، زید کا یہ استدلال اور عقیدہ اور عمل کیسا ہے؟ (حفظ الایمان، ص: ۳)

حضرت تھانوی قُدس سِرۃ نے اس کے جواب میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ”عالم الغیب“ کہنا جائز نہیں، اور اس کی دو (۲) دلیلیں تحریر فرمائی ہیں:

پہلی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ شرعی محاورہ میں، عالم الغیب صرف اسی ہستی کو کہا جاتا ہے جس کو ذاتی طور پر بلا واسطہ غیب کا علم ہو، اور یہ شان صرف اللہ جلّ شانہ کی ہے؛ اس لیے رسول اللہ ﷺ کو ”عالم الغیب“ کہنا موہم شرک ہونے کی وجہ سے ناجائز ہوگا۔

اور دوسری دلیل کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ”عالم الغیب“ کہنے والا اگر اس لیے ”عالم الغیب“ کہتا ہے کہ اس کے نزدیک رسول اکرم ﷺ کو تمام غیوب کا تفصیلی علم ہے، جیسا کہ خدا تعالیٰ کو ہے تو یہ خیال قرآن و حدیث کے خلاف ہے؛ اس لیے

اس کی بنا پر کسی کو ”عالم الغیب“ کہنا درست نہیں — اور اگر تمام غیوب کی وجہ سے نہیں بلکہ بعض غیوب کے جاننے کی وجہ سے یہ شخص حضور اکرم ﷺ کو ”عالم الغیب“ کہتا ہے اور اس کا یہی نظریہ ہے کہ جس کو بھی غیب کی کچھ باتوں کا علم ہو، اس کو عالم الغیب کہہ سکتے

ہیں تو پھر اس میں رسول اللہ ﷺ کی کیا تخصیص ہے؟ ایسا علم غیب یعنی غیب کی کچھ باتوں کا علم تو ہر کس و ناکس کو حاصل ہے؛ کیوں کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے سے مخفی ہے، پس اس غلط نظریہ پر یہ لازم آئے گا کہ آنحضرت ﷺ کی

طرح ہر انسان کو بلکہ ہر حیوان کو بھی ”عالم الغیب“ کہا جائے، دوسری دلیل کی عبارت

(جس پر خاں صاحب نے اعتراض کیا ہے) یہ ہے:

”پھر یہ کہ آپ ﷺ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بہ قول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب؟ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور اکرم ﷺ کی کیا تخصیص ہے؟ ایسا علم غیب تو زید و عمرو؛ بلکہ ہر صبی و مجنون؛ بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے؛ کیوں کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے، جو دوسرے شخص سے مخفی ہے؛ تو چاہیے کہ سب کو ”عالم الغیب“ کہا جاوے، پھر اگر زید اس کا التزام کر لے کہ ہاں میں سب کو ”عالم الغیب“ کہوں گا، تو پھر علم غیب کو منجملہ کمالات نبویہ شمار کیوں کیا جاتا ہے؟ جس امر پر مؤمن؛ بلکہ انسان کی بھی خصوصیت نہ ہو وہ کمالات نبوت سے کب ہو سکتا ہے؟ اور اگر التزام نہ کیا جاوے تو نبی، غیر نبی میں وجہ فرق بیان کرنا ضرور ہے — اور اگر تمام علوم غیب مراد ہیں، اس طرح کہ اس کا ایک فرد بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیل نقلی و عقلی سے ثابت ہے۔ (حفظ الایمان، ص: ۹، امدادیہ دیوبند)

خود حضرت تھانوی قُدس سِرُّہ ”بسط البنان“ میں اس عبارت کی وضاحت یوں فرماتے ہیں:

وہ عبارت (جس پر خاں صاحب نے اعتراض کیا ہے) دوسری دلیل کی ہے جو اس لفظ سے شروع ہوتی ہے: ”پھر یہ کہ آپ ﷺ کی ذات مقدسہ پر“ مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا، یعنی محض اس بناء پر کہ آپ ﷺ کو علوم غیبیہ بواسطہ حاصل ہیں، آپ کو ”عالم الغیب“ کہنا اگر صحیح ہو تو اس سے اگر کل غیر متناہیہ مراد ہوں تو وہ نقلاً و عقلاً محال ہے، اور اگر بعض علوم مراد ہوں، گو وہ ایک ہی چیز کا علم ہو، اور گو وہ چیز ادنیٰ ہی درجہ کی ہو تو اس میں حضور سرورِ عالم ﷺ کی کیا تخصیص ہے؟ ایسا علم غیب تو زید و عمرو وغیرہ کے لیے بھی حاصل ہے تو لفظ ”ایسا“ کا یہ مطلب نہیں کہ جیسا علم واقع میں حضور ﷺ کو حاصل ہے الخ نعوذ باللہ منها؛ بلکہ مراد اس لفظ ”ایسا“ سے وہی ہے جو اوپر مذکور ہے، یعنی مطلق بعض علم گو وہ ایک ہی چیز کا ہو، اور گو وہ چیز

ادنیٰ ہی درجہ کی ہو؛ کیوں کہ اوپر بھی مذکور ہو چکا ہے کہ بعض سے مراد عام ہے، اور عبارت آئندہ بھی اس کی دلیل ہے، وہ بقولہ: ”کیوں کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے۔“ پس اگر زید ہر مخفی ادنیٰ چیز کے علم حاصل ہونے کو بھی ”عالم الغیب“ کے اطلاق کے صحیح ہونے کا سبب بتلاتا ہے تو زید کو چاہیے کہ ان سب کو ”عالم الغیب“ کہا کرے؛ کیوں کہ ان کو بھی بعض مخفی چیزیں معلوم ہیں، خود اس عبارت میں سرسری نظر کرنے سے یہ مطلب واضح ہو رہا ہے۔

پھر اس عبارت سے چند سطر بعد دوسری عبارت میں تصریح ہے کہ نبوت کے لیے جو علوم لازم و ضروری ہیں، وہ آپ کو تمام حاصل ہو گئے تھے — انصاف شرط ہے جو شخص آپ ﷺ کو جمیع علوم عالیہ شریفہ متعلقہ نبوت کا جامع کہہ رہا ہے کیا وہ نعوذ باللہ! زید و عمرو و صبی و مجنون و حیوانات کے علم کو مماثل آپ ﷺ کے علم کے بتلا دے گا! کیا زید و عمرو وغیرہ کو یہ علوم حاصل ہیں؟ یہ علوم تو آپ ﷺ کے مثل دوسرے انبیاء و ملائکہ علیہم السلام کو بھی حاصل نہیں۔

اس تقریر سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ عبارت مذکورہ میں رسول اللہ ﷺ کے علم کے مشابہ معاذ اللہ! علم زید، عمرو وغیرہ کو نہیں کیا گیا — اور لفظ ”ایسا“ ہمیشہ تشبیہ کے لیے نہیں آتا، بلغائے اہل لسان اپنے محاوراتِ فصیحہ میں بولتے ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ ایسا قادر ہے“ مثلاً، تو کیا یہاں خدائے تعالیٰ کے قادر ہونے کو دوسروں کے قادر ہونے سے تشبیہ دینا مقصود ہے؟ ظاہر ہے کہ ہرگز نہیں — بلکہ اس شق پر جو محذور لازم کیا گیا ہے، اس میں غور کرنے سے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ مشابہت کی نفی کی گئی ہے، چنانچہ بعض مطلق علوم غیبیہ کے مراد لینے پر یہ خرابی بتلائی ہے کہ اس میں حضور ﷺ کی کیا تخصیص ہے الخ؟ یعنی اس صورت میں آپ ﷺ کی تخصیص نہ رہے گی؛ بلکہ زید و عمرو وغیرہ بھی اس صفت میں آپ ﷺ کے شریک و مشابہ ہو جائیں گے؛ حالانکہ آپ ﷺ کی صفاتِ خاصہ کمالیہ میں کوئی آپ کا شریک و مشابہ نہیں ہے؛ اس لیے یہ شق باطل ہوئی۔“

(بسط البنان مع حفظ الایمان، ص: ۱۱-۱۲)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ”حفظ الایمان“ کی عبارت بالکل واضح اور صاف ہے اور ”ایسا علم غیب“ سے غیب کی کچھ باتوں کا علم مراد ہے، اور اس کا واضح قرینہ حضرت کا یہ جملہ ہے: ”کیوں کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے“ — لیکن خاں صاحب بریلوی نے اپنی عادت کے مطابق ”حسام الحرمین“ میں اس جملہ کو حذف کر کے آگے پیچھے کی عبارت نقل کی ہے، اور قائل کی مراد کے خلاف لفظ ”ایسا علم غیب“ سے حضور اکرم ﷺ کا علم شریف مراد لے کر ایک کفریہ مضمون کشید کیا ہے، اور الزام حضرت تھانوی قُدس سرّہ کے سر تھوپا ہے، حضرت تھانوی نُورَ اللّٰهِ مَرَقَدَهُ نے اپنی کسی تصنیف میں ہرگز یہ نہیں لکھا ہے کہ جیسا علم رسول اللہ ﷺ کو ہے ویسا تو ہر بچہ اور ہر پاگل کو بلکہ ہر جانور اور ہر چوپائے کو بھی حاصل ہے؛ بلکہ اس کے برخلاف حضرت تھانوی قُدس سرّہ نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ جو شخص ایسا اعتقاد رکھے یا بلا اعتقاد صراحتاً یا کنلیہ ایسی بات کہے وہ کافر ہے۔ حضرت خود ارقام فرماتے ہیں:

یہ خبیث مضمون کسی کتاب میں نہیں لکھا، اور لکھنا تو درکنار، میرے قلب میں بھی اس مضمون کا خطرہ نہیں گذرا — جو شخص ایسا اعتقاد رکھے یا بلا اعتقاد صراحتاً یا اشارتاً یہ بات کہے، میں اس شخص کو خارج از اسلام سمجھتا ہوں کہ وہ تکذیب کرتا ہے نصوص قطعہ کی اور تنقیص کرتا ہے حضور سرورِ عالم فخرِ بنی آدم ﷺ کی (بسط البنان مع حفظ الایمان ص: ۱۱) پھر ”بسط البنان“ کے بالکل آخر میں لکھتے ہیں:

”بہ فضلہ تعالیٰ میرا اور میرے سب بزرگوں کا عقیدہ ہمیشہ سے آپ ﷺ کے افضل المخلوقات فی جمیع الكمالات العملیۃ والعملیۃ ہونے کے باب میں یہ ہے کہ ”بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر“۔

## دوسرا بہتان

رضا خانی کہتے ہیں کہ حضرت تھانویؒ کے ایک اردات مند نے خواب میں یوں کلمہ پڑھا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، أَشْرَفَ عَلَي رَسُوْلِ اللَّهِ، پھر اس نے بیداری کی حالت میں



دُرود شریف اس طرح پڑھا: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَنَبِيِّنَا وَمَوْلَانَا اَشْرَفِ عَلٰى اور حضرت تھانویؒ نے خواب کی تعبیر یہ بتائی کہ اس واقعہ میں تسلی ہے کہ جس کی طرف تم رجوع کرتے ہو وہ بعونہ تعالیٰ متبع سنت ہے — اس سے ثابت ہوا کہ مولانا اشرف علی نبوت ورسالت کے دعوے دار ہیں اور ان کے مریدان کا کلمہ پڑھتے ہیں اور ان پر دُرود شریف بھیجتے ہیں، اور جو ان کا کلمہ پڑھتا ہے، اور ان پر دُرود بھیجتا ہے، اس کو بجائے کافر کہنے کے تسلی دیتے ہیں، گویا اس کے کفر پر وہ خوش ہیں، لہذا وہ بھی کافر و مرتد کیونکہ رضا بالکفر کفر ہے۔

### تمہید جواب

جواب سے پہلے خواب کی تفصیل جاننا ضروری ہے، خود خواب دیکھنے والے کے الفاظ میں خواب کی تفصیل یہ ہے:

ایک روز کا ذکر ہے کہ ”حسن العزیز“ دیکھ رہا تھا، اور دو پہر کا وقت تھا کہ نیند نے غلبہ کیا اور سو جانے کا ارادہ کیا، رسالہ ”حسن العزیز“ کو ایک طرف رکھ دیا؛ لیکن جب بندہ نے دوسری طرف کروٹ بدلی تو دل میں خیال آیا کہ کتاب کو پشت ہو گئی؛ اس لیے رسالہ ”حسن العزیز“ کو اٹھا کر اپنے سر کی جانب رکھ لیا اور سو گیا، کچھ عرصہ کے بعد خواب دیکھتا ہوں کہ کلمہ شریف لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ پڑھتا ہوں؛ لیکن مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ کی جگہ حضور کا نام لیتا ہوں، اتنے میں دل کے اندر خیال پیدا ہوا کہ تجھ سے غلطی ہوئی کلمہ شریف پڑھنے میں، اس کو صحیح پڑھنا چاہیے، اس خیال سے دوبارہ کلمہ شریف پڑھتا ہوں، دل پر تو یہ ہے کہ صحیح پڑھا جائے؛ لیکن زبان سے بے ساختہ بجائے رسول اللہ ﷺ کے نام کے اشرف علی نکل جاتا ہے؛ حالانکہ مجھ کو اس بات کا علم ہے کہ اس طرح درست نہیں؛ لیکن بے اختیار زبان سے یہی کلمہ نکلتا ہے، دو تین بار جب یہی صورت ہوئی تو حضور (۱) کو اپنے سامنے دیکھتا ہوں، اور بھی چند شخص حضور (۱) کے پاس تھے؛ لیکن اتنے میں میری یہ

(۱) ”حضور“ سے مراد حضرت تھانوی قدس سرہ ہیں۔ ۱۲

حالت ہوگئی کہ میں کھڑا کھڑا بوجہ اس کے کہ رقت طاری ہوگئی زمین پر گر گیا، اور نہایت زور کے ساتھ ایک چیخ ماری، اور مجھ کو معلوم ہوتا تھا کہ میرے اندر کوئی طاقت باقی نہیں رہی، اتنے میں بندہ خواب سے بیدار ہو گیا؛ لیکن بدن میں بدستور بے حسی تھی، اور وہ اثرِ نا طاقتی بہ دستور تھا؛ لیکن حالتِ خواب اور بیداری میں حضور (۱) کا ہی خیال تھا؛ لیکن حالتِ بیداری میں کلمہ شریف کی غلطی پر جب خیال آیا تو اس بات کا ارادہ ہوا کہ اس خیال کو دل سے دُور کیا جائے، اس واسطے کہ پھر کوئی ایسی غلطی نہ ہو جاوے، بایں خیال بندہ بیٹھ گیا، اور پھر دوسری کروٹ لیٹ کر کلمہ شریف کی غلطی کے تدارک میں رسول اللہ ﷺ پر دُور و شریف پڑھتا ہوں؛ لیکن پھر بھی یہ کہتا ہوں کہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا وَمَوْلَانَا اَشْرَفِ عَلٰی حَالَانِكَ اب بیدار ہوں خواب نہیں؛ لیکن ”بے اختیار ہوں، مجبور ہوں، زبان اپنے قابو میں نہیں“ اس روز ایسا کچھ خیال رہا تو دوسرے روز بیداری میں رقت رہی، خوب رویا اور بھی بہت سی وجوہات ہیں جو حضور (۱) کے ساتھ باعثِ محبت ہیں، کہاں تک عرض کروں!

جواب: اس واقعہ میں تسلی تھی کہ جس کی طرف تم رجوع کرتے ہو وہ بعونہ تعالیٰ متبع سنت ہے، ۲۴/ شوال ۱۳۳۵ھ -

(رسالہ الامداد، بابت: ماہ صفر ۱۳۳۶ھ، ص: ۳۴-۳۵)

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ خواب کی ایک ظاہری صورت ہوتی ہے اور اس میں پنہاں ایک حقیقت ہوتی ہے، جس کو ”تعبیر“ کہتے ہیں، کبھی خواب بڑا اچھا ہوتا ہے؛ لیکن اس کی حقیقت اور تعبیر بالکل اس کے برعکس ہوتی ہے، اور بسا اوقات خواب وحشت انگیز اور خراب دکھائی دیتا ہے؛ مگر اس کی تعبیر بڑی اچھی اور خوش کن ہوتی ہے، اس قسم کے دو تین خواب ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) آنحضرت ﷺ کی چچی حضرت ام الفضل بنت حارث رضی اللہ عنہا نے ایک خواب دیکھا، وہ حضور اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں، اور عرض کیا: یا

(۱) ”حضور“ سے مراد حضرت تھانوی قدس سرہ ہیں۔ ۱۲

رسول اللہ! آج رات میں نے ایک برا خوب دیکھا ہے، آنحضور ﷺ نے پوچھا: وہ خواب کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ وہ بہت سنگین ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: بتاؤ تو سہی وہ کیا ہے؟ حضرت ام الفضلؓ نے عرض کیا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ آپ کے جسم اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھ دیا گیا ہے، آنحضرت ﷺ نے اس کی تعبیر بیان کرتے ہوئے فرمایا:

رَأَيْتَ خَيْرًا، تَلَدُ فَاطِمَةَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ غُلَامًا يَكُونُ فِي جَبْوِكَ : تم نے اچھا خواب دیکھا، ان شاء اللہ میری لختِ جگر فاطمہ ایک لڑکا بنے گی، جو تمہاری گود میں ہوگا۔ (مشکاۃ، ص: ۵۷۲)

(۲) امام اعظم ابوحنیفہؒ جب مکتب میں پڑھتے تھے، اس وقت انہوں نے یہ خواب دیکھا کہ وہ مدینہ منورہ گئے، اور وہاں پہنچ کر انہوں نے آنحضور ﷺ کے مزارِ اقدس کو اکھاڑا — یہ پریشان کن اور وحشت انگیز خواب امام صاحب نے اپنے استاذ محترم کو بتایا، استاذ محترم نے تعبیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر واقعی یہ خواب تمہارا ہے تو تم شریعتِ محمدیہ کی کھود کرید کر کے سنتِ نبوی کی پیروی کرو گے۔

مختلف الفاظ کے ساتھ یہ واقعہ الخیرات الحسان ص: ۶۴، مناقبِ کردری ص: ۳۳، جلد ۱: مفتاح السعادة، ص: ۸۲، جلد ۲: اور خطیب کی تاریخ بغداد، ص: ۳۳۵، جلد: ۱۳، مصری میں موجود ہے۔

(۳) تاریخ کی بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید کی بیوی زُبیدہ خاتون نے یہ خواب دیکھا کہ بہت سے آدمی جمع ہو کر سب باری باری اس سے جماع کرتے ہیں، جب بیدار ہوئی تو بہت پریشان ہوئی، گھبراہٹ کی کوئی انتہا نہ تھی، آخر کار جب خواب کی تعبیر سامنے آئی تو معلوم ہوا کہ ان سے کوئی کام ایسا کام وجود میں آئے گا، جس سے بے شمار لوگ فیض یاب ہوں گے۔

چنانچہ انہوں نے ”نہرِ زبیدہ“ کھدوائی جو عراق و عرب کے ایک بہت بڑے حصہ کو سیراب کرتی ہے، اور بے شمار لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

دیکھئے! یہ تمام خواب بہ ظاہر کتنے خراب اور پریشان کن ہیں؛ لیکن ان کی تعبیر کس قدر اچھی اور خوش کن ہے۔

## جواب

خواب ہمیشہ نیند کی حالت میں دیکھا جاتا ہے، اور نیند کی حالت میں جو کلمات زبان سے سرزد ہوتے ہیں، شریعت میں ان کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا حتیٰ کہ اگر کسی کی زبان سے نیند کی حالت میں کفریہ کلمات سرزد ہوں، تب بھی اس پر کفر کا حکم نہیں لگ سکتا؛ کیوں کہ وہ شخص شرعاً مرفوع القلم ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنْ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الْمُبْتَلَى حَتَّى يَبْرَأَ،

وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَكْبُرَ. (جامع صغیر: ۲/۲۳۲)

ترجمہ: تین شخص مرفوع القلم ہیں: ایک سونے والا جب تک بیدار نہ ہو جائے، دوسرا جنون میں مبتلا، یہاں تک کہ اس کو افاقہ ہو، اور تیسرا بچہ جب تک کہ بالغ نہ ہو جائے۔

اور علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَ فِي التَّحْرِيرِ: وَتَبْطُلُ عِبَارَاتُهُ مِنَ الْإِسْلَامِ وَالرِّدَّةِ وَالطَّلَاقِ، وَكَمْ

تُوصَفُ بِخَبْرٍ وَأَنْشَاءٍ وَصِدْقٍ وَكَيْدٍ كَأَلْحَانِ الطُّيُورِ.

(شامی: ۲/۲۲۷، تحت قوله وَالنَّائِمِ بعد مطلب في طلاق المدھوش)

ترجمہ: تحریر الوصول میں ہے کہ سونے والے کی باتیں مثلاً اسلام لانا، مرتد ہو جانا، اور طلاق دینا سب باطل اور لغو ہیں، سونے والے کی باتوں کو نہ خبر کہہ سکتے ہیں، نہ انشاء، نہ سچی کہہ سکتے ہیں نہ جھوٹی، جیسے پرندوں کی آواز کو (نہ خبر کہہ سکتے ہیں، نہ انشاء، نہ سچا، نہ جھوٹا)

آگے مزید فرماتے ہیں:

وَ مِثْلُهُ فِي التَّلْوِيحِ ، فَهَذَا صَرِيحٌ فِي أَنَّ كَلَامَ النَّائِمِ لَا يُسْمَى

كَلَامًا لُغَةً وَلَا شَرْعًا بِمَنْزِلَةِ الْمُهْمَلِ. (حوالہ بالا)

ترجمہ: اور تلوٹح میں بھی ایسا ہی ہے، پس یہ عبارت اس سلسلہ میں صریح ہے کہ سونے والے کے کلام کو نہ لغوی اعتبار سے کلام کہہ سکتے ہیں، نہ شرعی اعتبار سے، جیسے مہمل لفظ (کو کلام نہیں کہہ سکتے)

اسی طرح بیداری کی حالت میں بلا قصد و ارادہ غیر اختیاری طور پر زبان سے جو باتیں سرزد ہو جاتی ہیں گو وہ بات کفر ہی کیوں نہ ہو، اس پر کفر و ارتداد کا حکم نہیں لگ سکتا، خادمِ رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ پر اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں، جو کسی بے آب و گیاہ بیابان میں سفر کر رہا ہو، اور اچانک اس کی سواری کا اونٹ جس پر اس کے کھانے پینے کا سامان بھی لدا ہوا ہے، گم ہو جائے، اور وہ تلاشِ بسیار کے بعد ناامید ہو کر کسی درخت کے سائے میں آلیٹے، پھر اسی ناامیدی کی حالت میں اچانک دیکھے کہ اس کا اونٹ مع ساز و سامان کے اس کے سامنے کھڑا ہے، پھر اس کی لگام پکڑ کر فرطِ مسرت میں کہتا ہے: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَبْدِيْ وَ اَنَا رَبُّكَ: ”اے اللہ آپ میرے بندے ہیں اور میں آپ کا رب ہوں!“

اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

اٰخِطَاً مِنْ شِدَّةِ الْفُرُجِ. (مشکوٰۃ، ص: ۲۰۳)

ترجمہ: بے انتہا خوشی کی وجہ سے اس سے خطا ہوگئی۔

یعنی بے چارہ کہنا تو یہ چاہتا تھا کہ اے اللہ! آپ میرے رب ہیں اور میں آپ کا بندہ ہوں؛ مگر بے انتہا خوشی کی وجہ سے زبان قابو میں نہ رہی، اور بلا قصد و ارادہ غیر اختیاری طور پر اس کی زبان سے یہ بات نکل گئی کہ اے اللہ! آپ میرے بندے ہیں اور میں آپ کا رب ہوں۔

دیکھئے! یہ شخص نہ دیوانہ ہے، نہ سویا ہوا ہے، جو کچھ کہہ رہا ہے، وہ بیداری کی حالت میں کہہ رہا ہے؛ مگر اس کے باوجود آنحضرت ﷺ اس پر کفر کا حکم نہیں لگاتے؛ بلکہ اٰخِطَاً

مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ فَمَا كَرَّ، اس کو بے گناہ قرار دیا۔

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ بیداری کی حالت میں بھی اگر زبان سے بلا قصد و ارادہ غیر اختیاری طور پر کوئی کفریہ بات سرزد ہو جائے تو اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ فقہائے کرام نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے، فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

وَأَمَّا الْخَاطِئُ: إِذَا جَرَى عَلَى لِسَانِهِ كَلِمَةُ الْكُفْرِ خَطَأً بَانَ كَانَ أَرَادَ أَنْ يَتَكَلَّمَ بِمَا لَيْسَ بِكُفْرٍ، فَجَرَى عَلَى لِسَانِهِ كَلِمَةُ الْكُفْرِ خَطَأً لَمْ يَكُنْ ذَلِكَ كُفْرًا عِنْدَ الثَّكَلِ ..... وَالْخَاطِئُ: مَنْ يَجْرِي عَلَى لِسَانِهِ مِنْ غَيْرِ قَصْدٍ كَلِمَةً مَكَانَ كَلِمَةٍ. (فتاویٰ قاضی خان مع فتاویٰ عالمگیری: ۳/۵۷۷،

کتاب السیر، باب ما یكون کفرا من المسلم وما لا یكون)

ترجمہ: خاطی کی زبان پر جب بلا قصد و ارادہ کفر کی بات جاری ہو جائے اس طرح کہ وہ ایسی بات کہنا چاہتا تھا جو کفر نہیں ہے؛ لیکن بلا قصد و ارادہ اس کی زبان پر کفر کی بات جاری ہو گئی تو تمام فقہائے کے نزدیک وہ کفر نہیں ہوگا ..... اور ”خاطی“ وہ ہے جس کی زبان پر بلا قصد و ارادہ ایک کلمہ کی جگہ دوسرا کلمہ جاری ہو جائے۔

سابقہ باتوں کو پیش نظر رکھ کر انصاف سے کہئے! کہ جو شخص خود چلا چلا کر کہتا ہے کہ بے اختیار ہوں مجبور ہوں، زبان قابو میں نہیں، اور اس پر بعد میں روتا بھی ہے، ایسے شخص کو کافر کہنا کس کا کام ہے؟ اور جب خواب دیکھنے والا کافر نہیں تو درضا بالکفر (کفر پر خوش ہونے) کا ثبوت کس طرح ہو! اور حضرت تھانوی قُدَسَ سِرُّهُ کیوں کر کافر قرار پائے؟ ﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ﴾

نیز غور کر کے بتائے کہ حضرت تھانوی قُدَسَ سِرُّهُ کے اس جملے سے کہ ”جس کی طرف تم رجوع کرتے ہو وہ بعونہ تعالیٰ متبع سنت ہے“، نبوت و رسالت کے دعوے کی تردید ہو رہی ہے یا اثبات؟ جو شخص اپنے آپ کو متبع سنت کہہ رہا ہے اور آنحضرت ﷺ کی سنت پر چلنا اپنے لیے باعثِ نجات سمجھتا ہے، اس پر مدعی نبوت ہونے کا الزام لگانا کتنا بڑا ظلم اور صریح بہتان ہے! ﴿سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ﴾

بجہ اللہ اکابر کی اہم اور بنیادی عبارتوں کے مطالب اور رضا خانوں کے التزاموں کے جوابات تفصیل سے پیش کر دیئے گئے، ان کے علاوہ اکابر کی دیگر عبارتوں پر رضا خانی جو اعتراضات کرتے ہیں، ان کے جوابات آپ کے لیے چنداں مشکل نہیں؛ اس لیے ان کو ترک کیا جاتا ہے اور اخیر میں حضور اکرم ﷺ کی تین حدیثیں پیش کر کے اس محاضرہ کو ختم کرتا ہوں۔

## کسی مسلمان کو کافر کہنے کا انجام

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے

ارشاد فرمایا:

أَيُّمَا رَجُلٍ قَالَ لِأَخِيهِ كَافِرٌ فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدَهُمَا. متفق عليه .

(مشکاۃ شریف، ص: ۴۱۱، باب حفظ اللسان)

ترجمہ: جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہے تو یقیناً ان دونوں میں سے ایک اس کلمہ (کے وبال) کے ساتھ لوٹتا ہے۔

(۲) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد

فرمایا:

لَا يَرْمِي رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوقِ وَلَا يَرْمِيهِ بِالْكَفْرِ إِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ إِنْ لَمْ

يَكُنْ صَاحِبَهُ كَذَلِكَ. (رواه البخاري) (حوالہ بالا)

ترجمہ: کوئی شخص کسی شخص پر نہ فسق کی تہمت لگاتا ہے، نہ کفر کی، مگر وہ (تہمت) تہمت لگانے والے پر لوٹ جاتی ہے، اگر اس کا ساتھی اس طرح کا نہ ہو۔

(۳) نیز حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد

فرمایا:

مَنْ دَعَا رَجُلًا بِالْكَفْرِ أَوْ قَالَ: عَدُوُّ اللَّهِ! وَلَيْسَ كَذَلِكَ إِلَّا حَارَ عَلَيْهِ.

متفق عليه . (حوالہ بالا)

ترجمہ: جو شخص کسی کو کفر کے ساتھ پکارے (یعنی کافر کہے) یا کہے خدا کا دشمن، حالانکہ وہ شخص اس طرح کا نہیں تو وہ بات اس پر لوٹ جاتی ہے۔  
 ان تینوں حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ جس کو کافر، فاسق یا خدا کا دشمن کہا ہے اگر واقع میں وہ ایسا نہیں ہے تو اس کا وبال کہنے والے پر ہوگا۔  
 وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَحْدَهُ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ مِنْ لَانَبِيِّ بَعْدَهُ .

## تَمَّتْ بِالْخَيْرِ

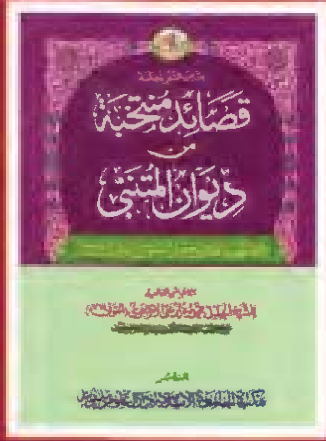
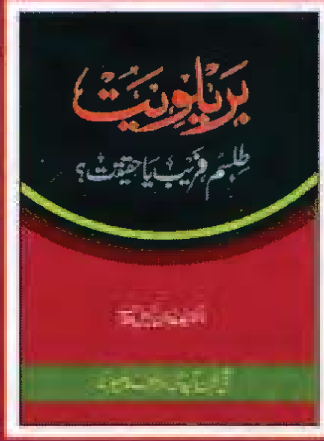
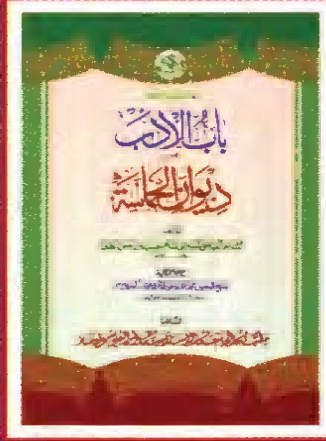
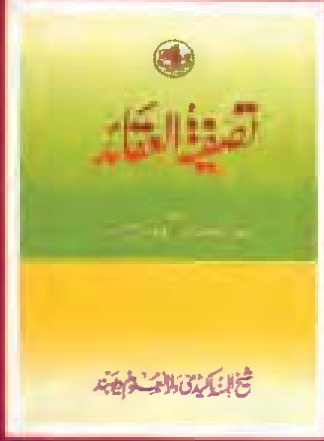
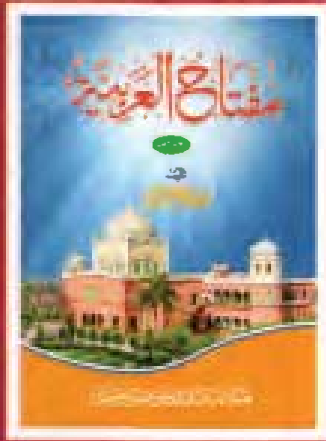
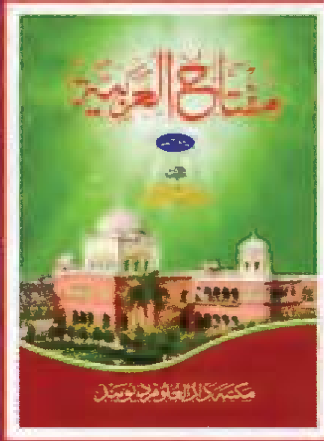
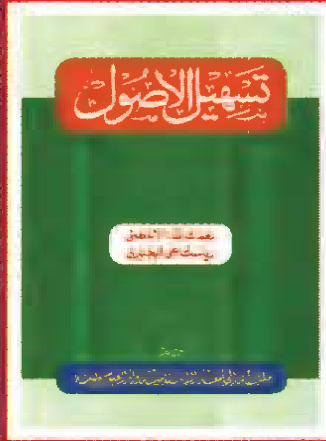
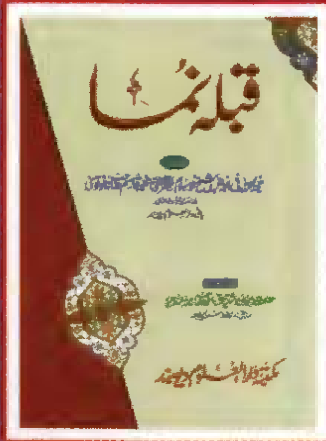
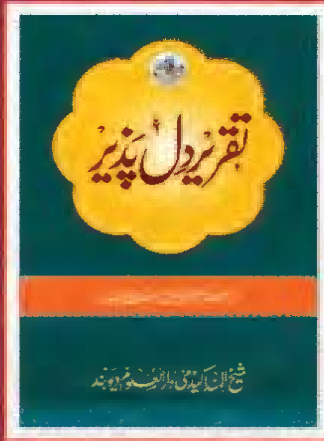
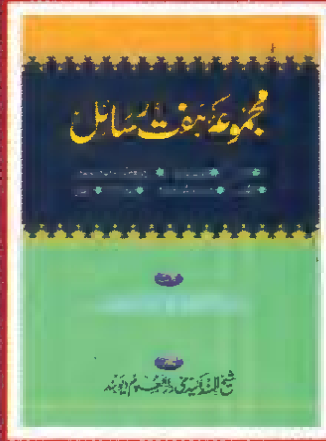
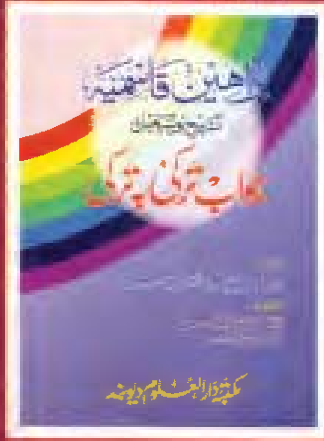
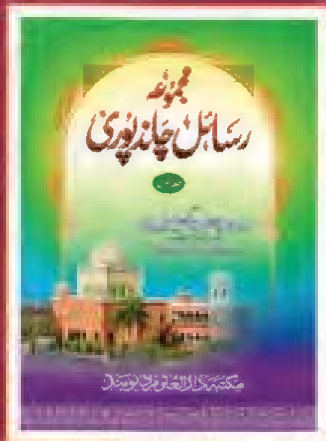
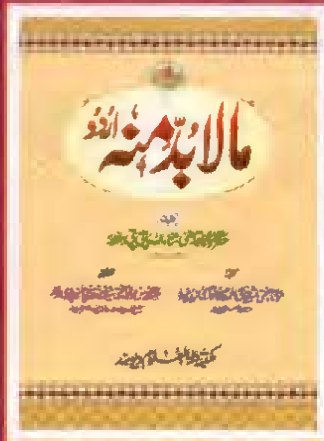
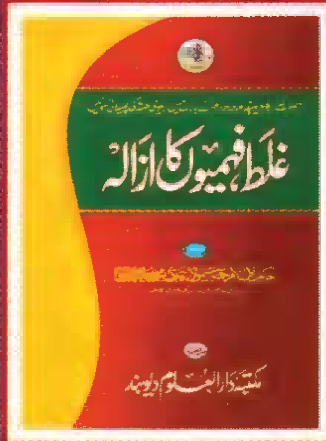
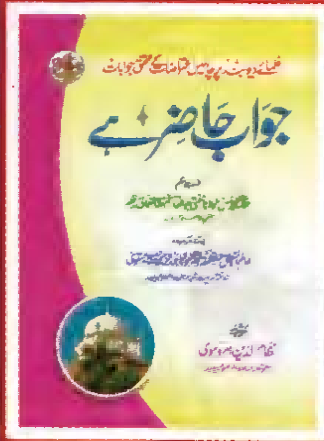
محمد امین پالن پوری  
 خادم حدیث و فقہ و مرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند  
 ۱۳ / ذی القعدہ سنہ ۱۴۳۴ھ  
 ۲۰ / ستمبر سنہ ۲۰۱۳ء  
 بروز جمعہ





## اجمالی فہرست مضامین

۱۳	..... رضا خانیت کا تعارف	محاضرہ: [۱]
۵۵	..... سنت و بدعت کی پہچان	محاضرہ: [۲]
۹۱	..... علم غیب، حاضر و ناظر اور نور و بشر کا مسئلہ	محاضرہ: [۳]
۱۲۹	..... مختار کل کا مسئلہ اور اعمال شرکیہ	محاضرہ: [۴]
۱۵۵	..... عملی بدعات	محاضرہ: [۵]
۱۸۵	..... عبارات اکابر	محاضرہ: [۶]



**MAKTABA DARUL-ULOOM** مکتبہ دارالعلوم دیوبند  
 DEOBAND-247554 (U.P.) INDIA